COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

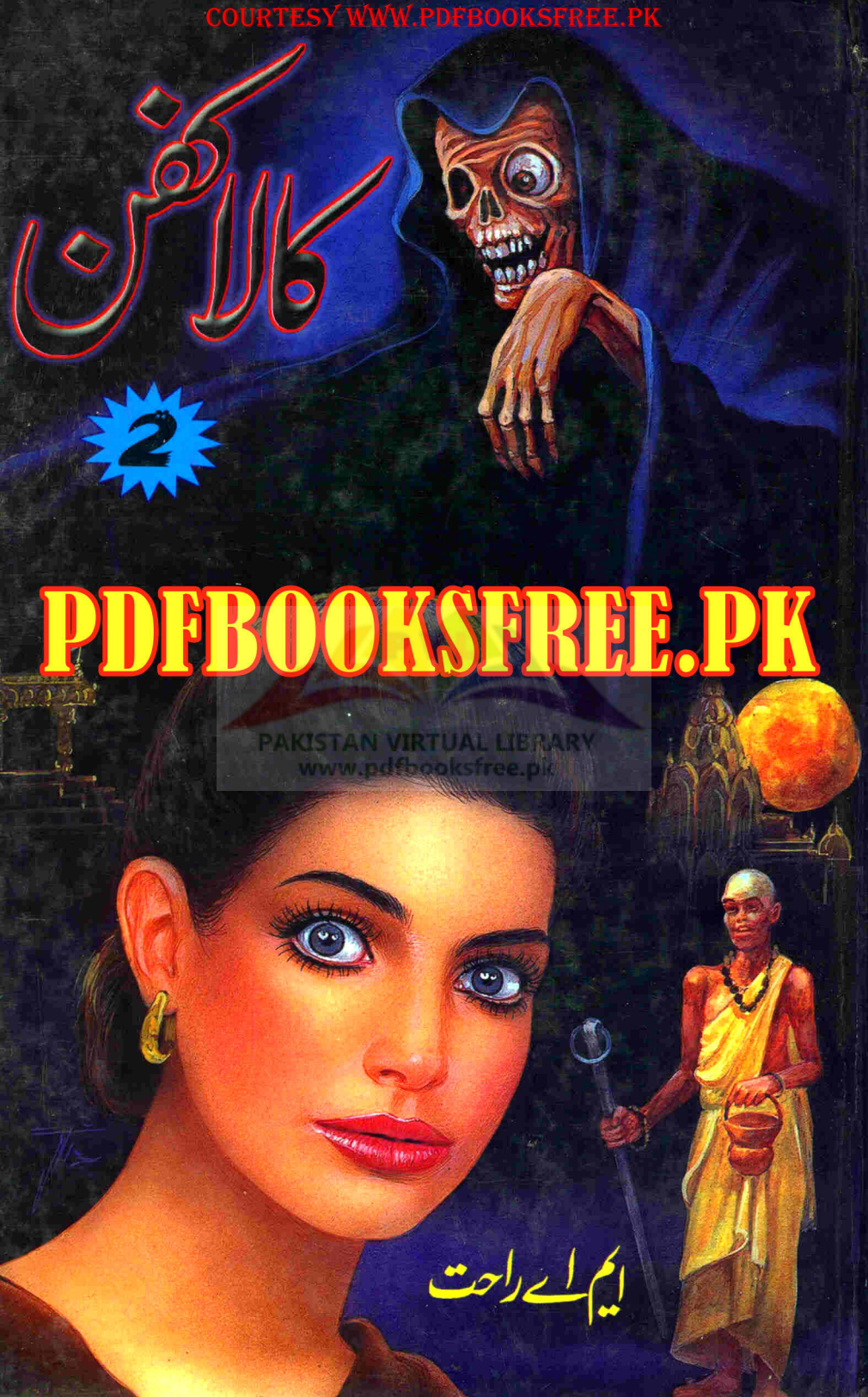

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جذبے نیک تھے، دل میں پیاس تھی، جو کچھ ملا تھا وہ مرشد کے حوالے سے ملا تھا۔ مرشد نے دنیا کے سامنے چھوڑ دیا تھا جو کیا تھا وہ فیصلے صحیح تھے یا غلط، اس بارے میں خود فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ جہاں تک دل کی پیاس کی بات ہے تو تڑپ اور طلب دل میں باقی تھی۔ ماں باپ' خاندان گم ہوگیا تھا ان سے بھی وہ نہیں کہا جا سکتا تھا دل کی آرزو تھی، ویسے تو سب کچھ ٹھیک تھا۔ مالی حالت بھی بہت بہتر ہوگئی تھی، سماجی مقام تو نہیں مل سکا تھا لیکن بہرحال گزر بسر ہو رہی تھی۔ زندگی میں اگر کسی اور کو شامل کرنے کی کوشش کرتا تو وہ بھی ممکن کر سکتا تھا۔ لیکن ایک خواہش دل میں ضرور تھی، وہ یہ کہ اگر کچھ کیا جائے تو ماں باپ اور اہل خاندان کی شمولیت کے ساتھ کیا جائے ورنہ فائدہ ہی کیا؟ زندگی تو گزر رہی ہے، پیاسی نگاہیں جب بھی تلاش کرتی ہیں، اپنوں کو تلاش کرتی تھیں۔

مرشد نے جو کچھ دے دیا تھا وہ بے شک بڑی حیثیت کا حامل تھا لیکن اپنا کام نہیں ہو سکا تھا۔ جمال یزدانی تو ضرورت سے زیادہ ہی خوش تھا اور اپنے آپ کو بہت بڑی حیثیت کا مالک سمجھنے لگا تھا لیکن میں مطمئن نہیں تھا یوں تھوڑا سا وقت اور گزر گیا۔ بڑا عجیب سا معاملہ تھا۔ ہم جو دکان سجائے بیٹھے تھے وہ ایسی نوعیت کی حامل تھی کہ اگر پولیس ہماری طرف متوجہ ہو جاتی تو جواب دینا مشکل ہو جاتا۔ اس شام بھی ایک عجیب و غریب شخص میرے پاس آیا تھا۔

میرے پاس' میں خاص طور پر اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ اس وقت ہمارے سٹاف کے جنرل منیجر مطلب نثار احمد صاحب بھی موجود نہیں تھے اور ڈائریکٹر جمال یزدانی بھی نہیں تھے۔ دونوں کسی کام سے گئے ہوئے تھے، صرف میں بیٹھا ہوا تھا۔ اب وہ شخص اجازت لیے بغیر اندر گھس آیا تھا۔ بالکل دبلا پتلا چہرہ چھوٹی سی داڑھی گول ٹوپی پہنے ہوئے'

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لباس بھی بوسیدہ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی فقیر ہو اور مانگنے کے لیے گھس آیا ہو۔

میں نے کسی قدر ناخوشگوار سے اسے دیکھا اور دل میں سوچا کہ ایک چپڑاسی کا ہونا انتہائی ضروری ہے، کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ چپڑاسی بآسانی حاصل کیا جا سکتا تھا، کم از کم ایسے مانگنے والے لوگ اس طرح تو سیدھے نہیں آجانے چاہئیں۔ میں ابھی اسے خشک نگاہوں سے دیکھ ہی رہا تھا کہ میرے سامنے کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

میں نے کسی قدر غصیلے لہجے میں کہا۔ ''کیا بات ہے؟''

''تم سے کام ہے۔''

''کیا کام کرتے ہو؟ وہ کرخت لہجے میں بولا۔

''دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا، تم کیسے آئے ہو یہ بتاؤ؟''

''کچھ دو مجھے میں ضرورت مند ہوں۔'' اس نے کہا۔

''بزرگ ہو، ولی ہو، کیوں؟ یہی کہنا چاہتے ہو نا۔ مانگنے کھانے کے لیے جو انداز تم نے اختیار کیا ہے میں تم جیسے لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔''

جواب میں وہ چڑانے والے انداز میں ہنس پڑا پھر بولا، آنکھوں میں روشنی ہے، دماغ میں عقل ہے۔

میں ضرورتمند تمہارے پاس آیا ہوں مجھے دو یا ڈانٹ ڈپٹ کر رہے ہو۔

''تم شرافت سے اٹھ کر باہر نکلتے ہو یا میں تمہارے لیے بندوبست کروں۔''

''ہوں یہاں کیوں بیٹھے ہو تم دنیا کے مسائل حل کرنے۔ لوگوں کے سروں سے جادو ٹونے کے اثرات ختم کرنے۔'' تمہیں معلوم ہے کہ یہ سب کیا ہے؟

''بابا جی کسی سکول کے ماسٹر ہو کیا؟ یا پھر پاگل خانے سے بھاگے ہوئے ہو، دماغ خراب ہوگیا ہے، چلو اٹھو دفع ہو جاؤ بھیک مانگنے کے لیے تم لوگ نئے نئے طریقے اختیار کرتے ہو، اب اس بکواس کے بعد مجھ سے کیا مانگو گے، یہ بھی بتا دو۔''

وہ مجھے دیکھتا رہا، پھر اٹھ کھڑا ہوا اور خبطی انداز میں بولا۔ ''ایجنسی کا آدمی ہوں، معلومات کے لیے بھیجا گیا تھا۔ سراغ لگانے آیا تھا۔ بات صحیح ہے، بالکل صحیح ہے، رپورٹ دیتا ہوں، وارنٹ جاری ہو جائیں گے تو اٹھا لیے جاؤ گے، یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

میں غصیلی نگاہوں سے دروازے کو گھورتا رہا، ایک بار پھر مجھے احساس ہوا کہ پاگل ہی تھا، فضول بکواس کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی احتیاطاً اپنی جگہ سے اٹھا۔ باہر نکل کر دیکھا، اتفاق کی بات ہے کہ نثار احمد اور جمال یزدانی آرہے تھے۔ خیریت، دونوں نے ایک دم سوال کیا۔

ابھی یہاں سیڑھیوں سے نیچے اتر کر کوئی گیا ہے؟ کتنی دیر پہلے؟ ابھی کوئی پچیس سیکنڈ پہلے۔ نہیں ادھر سے تو کوئی نہیں اترا، ہم نیچے ہی سے آرہے ہیں، میں نے ادھر ادھر دیکھا اور کوئی جگہ بھی نظر نہیں آرہی تھی، جہاں وہ جا سکتا۔

جمال یزدانی نے کہا۔ ''آخر کون تھا؟''

''پتہ نہیں یار اندر آجاؤ۔'' پھر میں نے نثار احمد صاحب سے کہا۔ ''نثار احمد صاحب دفتر کے لیے ایک چپڑاسی بے حد ضروری ہے۔''

حضور انور میرے ذہن میں بھی کئی بار یہ سوال آیا۔ چھوٹے موٹے کام بھی ہوتے ہیں۔ ویسے تو میں حاضر ہوں، دفتر کی صفائی وغیرہ تو باہر کا آدمی کر ہی جاتا ہے۔ چھوٹے موٹے کام کرنے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اگر ایک چپڑاسی ہی دفتر میں تو کوئی بھی ایمرجنسی ہو جاتی ہے، وہ کام آسکتا ہے۔

ہاں اسی لیے میں کہہ رہا تھا۔ خیر آپ بندوبست کر لیجئے۔ جمال یزدانی نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

تمہاری پیشانی کی شکنیں بتاتی ہیں کہ کوئی خاص بات ہوگئی ہے اور جس شخص کے بارے میں تم نے پوچھا تھا وہ کون تھا؟

یار کوئی عجیب سا آدمی تھا، میلے کچیلے کپڑے پہنے، مانگنے والا لگ رہا تھا۔ لوگوں نے بڑے بڑے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں بھیک مانگنے کے بھی، بعض لوگ تو باقاعدہ نفسیاتی اثر ڈالتے ہیں اور اچھے خاصے ماہر نفسیات ہوتے ہیں، ایسے ہی کوئی آدمی تھا۔ مگر بڑا غصہ دلا کر گیا ہے مجھے۔ چھوڑو یار کس چکر میں پڑے ہوئے ہو، بھلا ایسی باتوں پر بھی غصہ کیا جاتا ہے، بچوں کی سی بات ہے، سناؤ کوئی کیس وغیرہ آیا۔

نہیں بالکل نہیں، کچھ زیادہ وقت نہیں ہوگیا، ہوگا میں اس وقت اس موضوع پر بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ لگتا ہے کوئی بہت ہی زیادہ بکواس کر کے گیا ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ہاں اپنے آپ کو ایجنسی کا آدمی بتا رہا تھا۔"

"تمہارا کوئی اندازہ؟"

"نہیں لگا سکا۔" میں نے جواب دیا۔ پھر کافی دیر تک ذہن پر غبار چھایا رہا آخر کار بھول گیا۔ شام کا کھانا کسی اچھے سے ہوٹل میں کھاتے تھے۔ ہم دونوں اور اس کے بعد آرام کرنے چلے جاتے تھے۔ جمال یزدانی بدستور مجھے شاہد سمجھتا تھا اور ویسے بھی میں نے اپنے آپ کو اسی شکل میں رکھا تھا۔ اس رات بھی تمام معاملات سے فراغت حاصل کر کے آرام گاہ میں آ گیا۔ بستر پر لیٹ گیا۔ کالا کفن الماری میں رکھا ہوا تھا اور میں سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے چونک کر سوچا کہ کون ہو سکتا ہے، لیکن سمجھ میں نہیں آیا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کی طرف چل پڑا۔ دروازہ کھولا ہی تھا کہ دل پر ایک گھونسا سا لگا، لمبی سفید داڑھی سینے پر بکھری ہوئی تھی۔ چہرہ بہت بڑا تھا۔ عام چہرے اتنے بڑے نہیں ہوتے۔ بدن چونکہ لبادے میں ڈھکا ہوا تھا اس لیے اس کی لمبائی چوڑائی کا صحیح احساس نہیں ہو رہا تھا۔ آنکھیں حلقوں میں اس طرح چمک رہی تھیں جیسے بلب روشن ہوں۔ ان آنکھوں میں سلا دینے والی قوت تھی، مجھے ایک لمحے کے لیے یوں معلوم ہوا جیسے ان آنکھوں میں سے روشنی کی شعاع نکل رہی ہو اور یہ شعاع میری آنکھوں کے ذریعے میرے دماغ میں پھیلی جا رہی ہو۔ میرے دماغ میں ایک تیز روشنی سی ہونے لگی اور میں دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو پکڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن تیز روشنی کی چمک نے مجھ سے میرے حواس چھین لیے تھے اور میرے حلق سے کراہیں نکلنے لگی تھیں۔ بس ایک لمحہ صرف ایک لمحہ اور اس کے بعد دماغ میں جلنے والا روشنی کا بلب بجھ گیا، میں نے اس طرح محسوس کیا جیسے برسوں کا بیمار ہوں۔ بدن نڈھال ہو گیا تھا حالانکہ تھوڑی دیر پہلے میں بالکل ٹھیک تھا۔ جسم کی توانائیاں بہتر تھیں لیکن اب یوں لگ رہا تھا جیسے بدن کا سارا خون خشک ہو گیا ہو اور دماغ میں پھیلنے والی روشنی نے بدن کی ساری قوت چھین لی ہو۔ شدید حیران تھا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ حیرانی مجھے اس وقت ہوئی جب میں نے اپنے اطراف میں بے شمار لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ایک عجیب سی ویران ویران سی عمارت تھی آہ! میرا فلیٹ، میرے کمرے کی خواب گاہ نہیں تھی، یہ عمارت تو کالے پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔ پتھروں کی سلیں پڑی ہوئی تھیں، جو نیم دائرے کی شکل میں تھیں اور اس نیم دائرے کے پتھر کی

سلوں پر بے شمار افراد ویسے ہی سبز لبادوں میں ملبوس بیٹھے ہوئے تھے، ان کے چہرے بے حد خوفناک تھے۔ ایک طرف پتھر کی بڑی سی سل کے پیچھے ایک بہت ہی عمر رسیدہ بوڑھا موجود تھا۔ میں اس کے عین سامنے بیٹھا ہوا تھا اور میرے ہاتھوں میں رسیاں بندھی ہوئی تھیں۔ پلک جھپکتے ہی یہ سب کچھ ہو گیا تھا۔ ایسے موقع پر اگر انسان دماغی قوتوں کو بحال رکھنے میں کامیاب ہو جائے تو اسے بہت ہی طاقتور اعصاب کا مالک کہا جا سکتا ہے اور شاید میں طاقتور اعصاب کا مالک تھا جو بچ گیا تھا ورنہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پاگلوں کی طرح چیخ پڑتا۔ دیوانگی کی حد میں داخل ہو جاتا اور اپنے ہی بال نوچ ڈالتا۔ کیفیت ایسی ہی تھی، وہ پہلا بوڑھا جو جج کی حیثیت سے بیٹھا ہوا تھا بولا۔

"ہاں نام؟"

"فرید اللہ۔" دونوں بوڑھوں میں سے ایک نے کہا۔

مجھے حیرانی اس بات پر ہوئی تھی کہ وہ سب ایک جیسی شکل و صورت کے مالک تھے۔ جج بوڑھے نے شاید میرا نام لکھا۔ اب مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ عدالت کا سا سماں ہے اور میں بڑی عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہوں۔

جج بوڑھا کہنے لگا۔ "باپ کا نام۔"

"حمید اللہ۔"

"ہاں بتاؤ کیا صورتحال ہے؟" اس نے اپنے آپ کو ایک بزرگ، ایک درویش لوگوں کے مسائل حل کرنے والا بتا کر پیش کیا اور ایسے امور میں ٹانگ اڑائی، جس میں اسے مداخلت نہیں کرنا چاہئے تھی۔

"کیا اس نے انسانوں کے خلاف کچھ کیا؟"

"نہیں۔" بے شک اس نے ایسا نہیں کیا، لیکن اس نے فقیری کا وہ مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کی جس کے لیے صدیوں جہاد کیا جاتا ہے۔ اپنے آپ پر مشکلیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ یہ گناہ عظیم ہے۔ ایک شخص جس نے اپنا ایک انوکھا ہی علم ظاہر کیا ہے، اپنے آپ کو اس کا مرشد کہتا ہے۔ اس کا نام بھی مختلف مذاہب کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ وہ اسی کے نام پر اپنے آپ کو درویشیت کی حد میں داخل کرتا ہے۔ قطب، ابدال، یہ سب یہ پوشیدہ دنیا کے محافظ ہیں، لیکن چور راستوں سے گھس آنے والے ان کی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حیثیت کو بھی داغدار کرتے ہیں۔ بے شک مرتبہ حاصل کرنے کے لئے تو بڑا طویل مشاہدہ کرنا ہوتا ہے اور ایسے لوگ جو ان چور راستوں سے آگے آ کر انسانوں کو بھٹکانے لگتے ہیں وہ قابل سزا ہوتے ہیں۔ انہیں سزا دی جائے، اسے بدترین سزا دی جائے۔

"تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو۔" جج نے مجھ سے کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ میرا جرم کیا ہے؟ کیا جرم لگایا ہے مجھ پر؟ میں تو شروع ہی سے مشکلات کا شکار ہوں اور میرے ساتھ عجیب و غریب واقعات پیش آئے ہیں۔ ماں باپ چھن گئے ہیں میرے اور دربدر پھر رہا ہوں، ایسی صورت میں میں نے کوئی جرم تو نہیں کیا۔ کیا یہ سڑکوں پر بیٹھے ہوئے لوگ جو انسانوں کو بھڑکا کر نجانے کیا کیا کھیل کھیلتے ہیں، معلوم لوگوں کی مشکلات سے فائدہ اٹھا کر انہیں طرح طرح کے لالچ دیتے ہیں اور ان سے دولت بٹورتے ہیں، میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا ہے۔"

"جھوٹ بولتا ہے، بکواس کرتا ہے، جو زندگی تو گزار رہا ہے اور تو نے کس طرح لوگوں کی مشکلات حل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، کیا وہ تیری کسی محنت کا نتیجہ ہیں؟"

"کیا کیا ہے تو نے؟"

"لیکن جناب مرشد، کہا نا جس شخص کے نام ہی اس کی قومیت نہ ظاہر کرتے ہوں اسے مرشد کہتا ہے تو۔ کیا یہ درویشیت کی توہین نہیں ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا ایک کم علم آدمی ہوں۔"

"سزا دی جائے، اسے سزا دی جائے، چاروں طرف سے آوازیں ابھرنے لگیں اور میں ان آوازوں کو سن کر بدحواس ہوگیا۔" یہ تو بڑی مشکل کی بات ہے کیا کروں میں؟ کیا کرنا چاہئے مجھے۔ میں نے اچانک ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی، کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن جب میں اس بڑے وسیع ہال سے باہر نکلا اور اس کھنڈر نما عمارت میں بھاگنے کا راستہ تلاش کرنے لگا تو کوئی راستہ مجھے نظر نہیں آیا۔ جدھر بھی جاتا ایک دیوار راستہ روک لیتی، آہ نجانے میں عالم خواب میں ہوں یا عالم حقیقت میں۔ یہ خوف بھرے لمحات میری زندگی لے رہے تھے اور میں شدت خوف سے بری طرح کانپ رہا تھا، پھر میرے حلق سے چیخیں نکلنا شروع ہوگئیں، بچاؤ، بچاؤ مجھے بچاؤ لیکن میری آواز سننے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ بھاگتے بھاگتے تھک گیا۔ نہ جانے عمارت کے کون کون

سے حصے میں چکر لگا چکا تھا۔ واپس اس ہال میں آنے کی کوشش کی جہاں بقیہ افراد موجود تھے۔ لیکن کون سا ہال؟ کیسا ہال؟ وہاں تو کوئی بڑا ہال ہی نہیں تھا۔ یہ سب نجانے کیا تھا، یہ عمارت تو ایک گورکھ دھندا تھا، بہرحال تھکن سے نڈھال ہو کر ایک جگہ زمین پر لیٹ گیا۔ میرا بدن پسینے سے تر تھا، دل بری طرح دھڑک رہا تھا کہ آہٹیں سنائی دیں اور میں نے پلٹ کر دیکھا، سبز لبادوں میں ملبوس چار بوڑھے تھے، جن کے قدوقامت بہت لمبے لمبے اور آنکھیں شیشوں کی طرح چمکدار تھیں، ان کے چہروں پر نہایت سخت آثار نظر آ رہے تھے اور مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ مجھے نفرت بھری نگاہوں سے گھور رہے ہوں۔ پھر ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ "اٹھ یہاں تیرے باپ کا راج نہیں ہے۔ سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جا۔"

میں خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ میں نے کہا۔ "لیکن میں نے کیا کیا ہے؟"

"اے لعنتی انسان تو اپنے آپ کو بے گناہ کہتا کیا ہے، تجھے اندازہ نہیں ہے کہ تو کیسے کیسے گناہ کرتا رہا ہے۔ اپنے گناہوں کی سزا بھگت زندگی تجھ پر تنگ کر دی گئی ہے، ابھی تو تجھے دنیا کی ہر مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے بھاگ کر تو اپنی جان بچانا چاہتا ہے۔"

میرے پورے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں اور میں نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ آخر میں نے کون سا گناہ؟ لیکن میں جس عذاب میں گرفتار تھا، اس سے بچنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ چاروں بوڑھوں نے آگے بڑھ کر مجھے پکڑ لیا؟ انہوں نے جس طرح میرے بازو میں اپنے شکنجے ڈالے تھے، وہ میرے لیے ناقابل یقین تھے، مجھے ایسا ہی لگا تھا جیسے ان کے ہاتھ لکڑی کے بنے ہوئے ہوں، اتنی سخت گرفت تھی کہ ہڈیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میرے حلق سے چیخیں نکل گئیں، وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے وہاں سے لے آئے اور پھر اسی کھنڈر نما عمارت کے ایک کمرے میں لے گئے۔ کمرہ زیادہ سے زیادہ 10 بائی 10 گز کا ہوگا، سپاٹ دیواریں، اوپر سے سپاٹ چھت، بس ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جس سے انہوں نے مجھے اندر داخل کر دیا اور اس کے بعد انہوں نے دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ میں حیرت سے ان دیواروں کو دیکھنے لگا، اچانک ہی دیواروں کے چاروں طرف کے سوراخوں سے پانی کی ایک دھار پھوٹ کر میرے جسم پر پڑی اور میرا پورا وجود تلملا کر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رہ گیا۔

یہ پانی تو گرم تھا۔ میرے حلق سے دہشت ناک چیخ نکلی اور میں دروازے کی طرف لپکا لیکن دروازہ اس کمرے میں تو کوئی دروازہ ہی نہیں تھا۔ میں تو سمت کا تعین بھی بھول گیا، کون سی سمت تھا وہ دروازہ۔ چاروں طرف کی دیواریں اب گرم پانی اگل رہی تھیں اور یہ پانی اتنا گرم تھا کہ میری کھال جلنے لگی تھی۔ کمرے میں بھاپ بھی بھرتی جا رہی تھی، پانی زمین پر گرا تو میرے پاؤں کے تلوے جلنے لگے۔ میرے حلق سے دہشت ناک چیخیں نکلنے لگیں اور میں نے دہشت زدہ انداز میں چیختے ہوئے کہا۔ ''بچاؤ بچاؤ، مجھے بچاؤ۔''

لیکن اس بند کمرے میں کوئی بھی مجھے بچانے والا نہیں تھا۔ میں شدت جنون سے دیوانہ ہوگیا، دیواروں سے ٹکرانے لگا، اپنے آپ کو پانی کی دھاروں سے بچانے لگا، لیکن ان دھاروں کا پریشر اتنا تیز تھا کہ وہ آمنے سامنے کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں اور پورے کمرے میں ان کی چھینٹیں اڑ رہی تھیں۔ میں اس وقت جس اذیت سے گزر رہا تھا، اسے الفاظ میں نہیں بیان کیا جا سکتا۔ آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر میں آنکھیں بچانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن کھولتے ہوئے پانی کی ہر بوند میرے بدن کو جگہ جگہ سے جلا رہی تھی۔ عجب طرح سے زمین پر اچھل رہا تھا اور رگ و پے کی اذیت اس وقت جہنم کی آگ سے آشنا کر رہی تھی۔ کچھ لمحے بھی تاب نہ لا سکا اور بے ہوشی طاری ہونے لگی۔

کیا نظام رکھا ہے قدرت نے انسانی دل و دماغ کا جب قوت مدافعت ساتھ چھوڑ دے تو ہوش و حواس ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اور بدن کی ساری تکالیفوں کا تعلق صرف ہوش و حواس سے ہے۔ غور کیا جائے تو یہ بھی ایک فسانہ عبرت ہے، سوچنے کے لیے بہت کچھ، بے ہوش ہوگیا تھا اور جب ہوش میں آیا تو فوم کے نرم بستر پر پڑا ہوا تھا لیکن کھال کی جلن کی شدت سارے وجود کو اذیت دے رہی تھی، دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کاش یہ بے ہوشی دائمی ہو جائے۔ کم از کم اس کرب اس اذیت سے تو نجات ملے لیکن میں جس دور سے گزر رہا تھا۔ وہ آرزوئیں پوری نہ ہونے کا دور تھا۔ ابھی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ وہی چاروں بزرگ اندر داخل ہوئے، میں تو انہیں جہنم کا فرشتہ سمجھنے لگا تھا۔ شکل دیکھتے ہی دہشت طاری ہو جاتی تھی، ان کے چہرے پر اب بھی نرمی کے آثار نہیں تھے۔ میں نے

دہشت زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھا، چاروں ہی میرے قریب پہنچ گئے۔ پھر ان میں سے ایک کی آواز ابھری۔

''اٹھو۔''

''اب کہاں جانا ہے مجھے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ابھی تو بہت سے مرحلے باقی ہیں اٹھو۔''

''دیکھو میری بات سنو کم از کم مجھے میرا جرم تو بتا دو۔''

''چلو اسے اٹھاؤ ایسی باتیں کر رہا ہے جو ہم سے ہمارا ایمان چھین لیں۔''

میں اپنی مرضی سے نہیں اٹھا تھا۔ انہوں نے انتہائی بے دردی سے مجھے میری جگہ سے اٹھا لیا تھا اور پھر وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے وہاں سے باہر لے آئے تھے۔ میں کرب سے چیخ رہا تھا، مرشد، مرشد چلا رہا تھا اور نجانے کیسے کیسے عذاب سے گزر رہا تھا۔ ایک بار پھر وہ مجھے ویسے ہی ایک کمرے میں لے آئے تھے، جیسے کمرے میں میرے بدن کو ایک آبلہ بنا دیا گیا تھا۔ ہاں کوئی شک نہیں کہ میری کھال میرے گوشت سے جدا ہوگئی تھی اور میں اسے جگہ جگہ سے لٹکا ہوا دیکھ رہا تھا اور اس کے نیچے سے گوشت نکل آیا تھا اور اس کھال اترے گوشت پر ہوا بھی لگتی تو ایسی اذیت ہوتی کہ خدا کی پناہ۔ ایک بار پھر وہ مجھے ویسے ہی کمرے میں لے آئے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اب کرب و اذیت کے نئے دور کا آغاز ہوگا۔ میں پھر چیخنے لگا۔ چیختے چیختے میری آواز بیٹھی جا رہی تھی، وہ لوگ کمرے سے باہر نکل گئے اور میں انتظار کرنے لگا کہ اب پانی کی دھاریں نمودار ہوتی ہیں اور میرا جسم پانی میں ابلتا ہے لیکن میرے خدا آہ میرے خدا اس بار کچھ اور ہی ہوا تھا، اچانک ہی سرد ہوائیں باریک باریک سوراخوں سے نمودار ہوئیں تھیں، یہ ہوائیں اس قدر سرد تھیں کہ ناقابل بیان۔ حیرانی کی بات تھی کہ موت بھی نہیں آ رہی تھی، ان ہواؤں نے میرے بدن کو چھوا تو کرب کا ایک ایسا لافانی احساس ہوا کہ انسان سوچے تو ہوش کھو بیٹھے۔ آہ بدن کی اتری ہوئی کھال ان برفانی ہواؤں سے مضطرب ہو رہی تھی اور میرے حلق سے بے آواز چیخیں نکل رہی تھیں۔ میں رو رہا تھا، میں چیخ رہا تھا، میں نے چیختے ہوئے کہا آخر کیوں؟ میں نے تو کسی کو نقصان نہیں پہنچایا، میں تو خود عذاب زدہ ہوں۔

''کفن سفید ہوتا ہے یہ کالا کفن تجھے کس نے دیا؟''

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"مرشد نے۔"

"دینے والی ذات سے ہٹ کر تو نے جو کچھ کیا تجھے اس گناہ کا احساس ہے۔"

"میں نے اسے گناہ سمجھ کر نہیں کیا۔"

"اگر وہ گناہ تھا تو میں اس سے ناواقف تھا۔"

"یہی تو امتحان کا وقت ہوتا ہے۔" شیطانی قوتیں کس کس طرح اثر انداز ہوتی ہیں، اگر اس سے بچا جائے تبھی تو کام ہوتا ہے، تو جانتا ہے جو تجھے جگہ جگہ کی سیر کرا رہا تھا۔ "کون تھا؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"تیجا تھا وہ تیجا جو جگہ جگہ تجھے دھوکے دیتا رہا۔" اس نے تجھے ایسی قوتوں کا سہارا دیا ہے جس سے تو بھٹک جائے۔

"کالا کفن کیا چیز ہے۔" کالی طاقت کا اظہار اور تو اس کے جال میں پھنس گیا۔ تو نے سوچا کہ تمام تر قوتیں اب تیرے قبضے میں ہیں اور تو انسانوں کی مشکلات کا حل دریافت کرلے گا تو جانتا ہے کہ یہ کام کرنے والا کون ہے؟

"لیکن، لیکن میں تو، میں تو۔"

"دیکھ بات وہی آجاتی ہے شیطان کو قوتیں حاصل ہیں کہ وہ لوگوں کو بہکائے اور اس کے لیے طرح طرح کی شکلیں اختیار کرے تو آہستہ آہستہ شیطان کے جال میں پھنستا جا رہا تھا اور اب تو نے ایسے عمل شروع کردیئے تھے جن میں اگر تو کامیاب ہو جاتا تو شیطان کی قوتیں ایک نیا رخ اختیار کرلیتی۔"

"یہ تو ایک بڑی ہی بھیانک چال تھی، اس طرح شیطان کی جو خود کو مرشد کہہ کر تجھ سے روشناس کرا چکا تھا۔" کیا سمجھا شیطان اب بھی تیرے پیچھے ہے اور بجائے اس کے کہ تو شیطانی قوتوں کا مرکز بن کر شیطان کو طاقت دے، تجھے اذیتوں میں گرفتار کرنا ضروری ہوگیا ہے۔

"معاف کردو، مجھے معاف کردو، جو کچھ میں نہیں جانتا تھا اس کے جال میں گرفتار ہوگیا۔"

"یہ نہ سوچا تو نے کہ حقیقت بھی کوئی چیز ہوتی ہے، بھلا کیسے ممکن ہے یہ کہ

انسان کو وہ چیزیں مل جائیں جو اسے انسانیت کی حد سے آگے لے جائیں اوئے "دیوے" حق تو یہ ہے کہ تو ایک معمولی سا وجود ہے، غلاظتوں میں لپٹا ہوا، تجھے بھلا کسی کو شفا بخشنے کی قوت کیسے پیدا ہوسکتی ہے؟ یہ منزل تو بہت دور ہے، تو نے شیطانی راستے اپنا کر قطب اور ابدال بننے کی کوشش کی، مذاق اڑایا ان ساری چیزوں کا۔ بے شمار لوگ مذاق اڑا رہے ہیں، یہ سڑکوں پر جو انسانوں کو دھوکہ دینے کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں، ان کا کیا مقام ہے آخر۔ افسوس تو یہی ہے، افسوس تو یہی ہے کہ تو ان سے الگ قرار دیا گیا، کیوں یہ ہم نہیں جانتے۔"

"میں اذیت سے مر رہا ہوں۔ اگر ایسا ہی ہے تو مجھے موت کی سزا دے دو، نہیں توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، تو اپنے آپ نا کردہ گناہ سمجھ کر مزید گناہ کر رہا ہے۔ گناہ ایسی ہی چیز ہے لذت سے بھرپور، لیکن جب اس کی گرفت ہوتی ہے تو پھر صحیح معنوں میں احساس ہوتا ہے کہ گناہ کیا چیز ہے؟"

"میں کرب و اذیت سے مر رہا تھا۔ یہ جو اتنی گفتگو میں نے کرلی تھی، اس کے لیے میں نے اپنی جسمانی قوتوں کو آواز دی تھی۔ ہوسکتا ہے میری التجا انہیں نرم کردے اور میں بچ جاؤں۔ لیکن ایسا نہیں ہو رہا تھا، میرے حلق سے کرب زدہ آوازیں نکل رہی تھیں اور انہی آوازوں میں میری آخری چیخ بھی شامل تھی۔ ماں، میری ماں، بچاؤ مجھے، مجھے بچا لو اور اچانک ہی میں نے بہت سے چہرے گم ہوتے دیکھے۔ اچانک ہی میں نے محسوس کیا کہ ان ٹھنڈی ہواؤں میں کچھ گڑ بڑ پیدا ہوگئی ہے، رفتہ رفتہ یہ ختم ہوتی جا رہی تھیں۔ میرے حلق سے مسلسل چیخیں نکل رہی تھیں۔ "ماں، ماں مجھے بچالو، ماں مجے بچا لو۔" میں چیختے جا رہا تھا۔ چیخنے کی مشین بن گیا تھا میں، مجھ پر غشی سی طاری ہوگئی تھی اور اسی غشی کے عالم میں میں نے دیکھا کہ ایک سفید چادر فضا میں اڑ رہی ہے۔ میں اس کمرے میں نہیں ہوں جہاں سے سرد ہواؤں کا شکار ہو رہا ہوں، بلکہ ایک کھلی جگہ ہے اس جگہ میں ایک خوشبو دار سایہ متحرک ہے اور سفید چادر کسی سائے کے جسم پر پڑی ہوئی ہے۔ اس کا بہت بڑا حصہ فضا میں اڑ رہا ہے۔ میں اس کی جانب لپکتا ہوں اور آہستہ آہستہ وہ چادر میرے وجود پر چھا جاتی ہے۔ میں رفتہ رفتہ سکون کی آغوش میں چلا جاتا ہوں، ایک گہری نیند طاری ہو جاتی ہے مجھ پر اور واقعی ہی میں گہری نیند کا شکار ہوگیا تھا۔ جن جسمانی تکالیف

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے میں گزرا تھا، ان کے بعد یہ نیند ایک ایسی ہی نعمت تھی کہ انسان کا دل چاہے کہ ساری زندگی وہ اس نیند سے بیدار نہ ہو، مجھ پر تو طرح طرح کی کیفیات گزر رہی تھیں، ایک طرح سے مجھ پر ان حقیقتوں کا انکشاف ہو رہا تھا جو انسانی زندگی کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ نجانے کب اس نیند سے آنکھ کھلی تھی، لیکن آنکھیں کھولنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ جو میٹھا میٹھا سرور میرے وجود میں اتر رہا تھا وہ مجھے مجبور کر رہا تھا کہ میں سوتا ہی رہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جونہی بند آنکھیں کھلیں ایک بار پھر وہی اذیت میرے وجود میں اتر جائے۔ لیٹے لیٹے ذہن بھی سوچ رہا تھا۔ ماضی کی بہت سی باتیں یاد آرہی تھیں۔

آہ! واقعی کچھ غلطیاں میری اپنی تھیں، میں منحرف رہا تھا ان اصولوں سے جو انسانی زندگی کے لیے بنائے گئے ہوتے ہیں اور پھر وہ منحوس تیجا جو میری بدنصیبی بن کر میرے وجود پر سوار ہو گیا تھا۔

آہ! کیا مرشد کی شکل میں وہ ہی تھا لیکن مرشد وہ تو ایک بڑا نورانی وجود اختیار کیے ہوئے تھا۔ لیکن انسان تو غلطیاں کرتا ہی ہے، اس کی اتنی بڑا سزا ملی تھی مجھے پتہ نہیں کیا سلسلہ تھا اپنے آپ کو مجرم سمجھنا دنیا سب سے مشکل کام ہوتا ہے حالانکہ جرم کیا جاتا ہے اور اس کی سزا بھی ملتی ہے پھر ذہن اور کسی خیال کی جانب لوٹ گیا، ان اذیتوں سے بچنے کے لیے میں نے ماں کو پکارا تھا اور وہ ممتا کی سفید چادر ہی تھی جس نے میرے جسم کے زخموں کو ڈھک لیا تھا۔

آہ! ماں انسان کتنا بدنصیب ہوتا ہے جو چیز اسے حاصل ہوتی ہے اس پر کبھی توجہ نہیں کرتا اور جب وہ ہاتھوں سے نکل جاتی ہے اور جب اس سے دوریاں ہو جاتی ہیں تو پھر اس کی اصلیت سمجھ میں آتی ہے۔ میں نے تو شاید کبھی تیری اتنی پذیرائی نہیں کی، لیکن میری ایک آواز پر تو نے مجھ پر کرب کے سارے دروازے بند کر دیئے۔ یہ صرف تیری ہی دعائیں ہو سکتی ہیں یہ صرف تیرا ہی وجود ہو سکتا ہے ماں، جو انسان کو اپنی آغوش کی پناہ میں لے لے اور اس پر سے اذیتوں کے دروازے بند کرا دے۔ آنکھوں کے پوروں سے آنسوؤں کی دھار بہنے لگی اور ان بہتی دھاروں سے سکون کا جو سمندر موجزن ہوا، میں کبھی اسے بھلا نہیں سکتا، بہت دیر تک روتا رہا اور پھر یادوں کے بہت سے دریچے بند ہو گئے، مجھے اپنے اطراف میں سرسراہٹیں سی محسوس ہوئیں تھیں اور میں نے چونک کر آنکھیں کھول

دی تھیں۔ میری نگاہیں ان سرسراہٹوں کا مرکز تلاش کرنے لگیں اور اپنے آپ سے کوئی بیس فٹ کے فاصلے پر میں نے جس وجود کو دیکھا اسے دیکھ کر میری روح تک کانپ گئی۔ بہت عرصے کے بعد بہت ہی عرصے کے بعد تیجا مجھے نظر آیا تھا۔ لمبی لمبی بغیر ہڈی کی ٹانگیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں، پہلے سے بھی کچھ زیادہ لمبی ہو گئی تھیں۔ بدن معمول کے مطابق چھوٹا تھا، سوکھا اور ہڈیوں کے پنجر جیسا اور اس پر بڑی سی کھوپڑی، انتہائی مکروہ۔

مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا، میرا سارا وجود تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے ہاتھوں کا سہارا لیا تھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

"کیسی گزر رہی ہے فرید؟"

"لعنت ہو تجھ پر تیجا خدا کی لعنت ہو تجھ پر۔" میرے منہ سے غرائی ہوئی آواز نکلی اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اب میرے جسم پر نہ کوئی داغ تھا اور نہ کوئی نشان بلکہ میں اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ تندرست محسوس کر رہا تھا۔ بدن سے جگہ جگہ سے ادھڑی ہوئی کھال بالکل ٹھیک ہو گئی تھی۔ نہ سردی کا احساس تھا نہ گرمی کا۔ بہت مناسب کیفیت سے گزر رہا تھا، منحوس تیجا میری صورت دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"بتایا نہیں تو نے۔"

"میں نے کہا نا تجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔"

"ارے وہ تو ہے ہی ہم پر کون سی نئی بات کر رہا ہے، لعنت ہے کہ تو مارے ہوئے ہیں مگر کیا کریں۔ تیرے جیسے کسی انسان کا سہارا لینا ضروری ہے۔ ہمارے لیے، دیکھ انسان بن بیٹھ جا، تیرے لیے تو ہم بہت ہی اچھے ثابت ہوں گے۔ اصل میں بڑی عجیب وغریب باتیں ہیں، سنسار میں اتنی دشمنیاں بکھری ہوئی ہیں کہ دوستوں کو تلاش کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے اور جب کسی کو کوئی دوست ملتا ہے تو وہ نہ تو اس کی قدر کرتا ہے اور نہ عزت۔"

"تو بکواس کئے جا میں تیری باتیں سن ہی نہیں رہا۔"

"سنے گا تو تو ایسے بالک کہ جیون بھر سنتا رہے گا۔" کیا سمجھتا ہے تو تیجا کو۔ تیجا کوئی معمولی ہستی ہے۔ ارے جس دن ہم نے اپنا پورا گیان مکمل کر لیا دیکھنا پھر کیا ہوتا ہے، آدھے سنسار کے اوپر ہر طرف ہماری حکومت ہو گی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"میں کہتا ہوں تو بھاڑ میں جا۔ میں تیری کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتا۔"

"بیٹھ جا خاموشی کے ساتھ، بہت زیادہ سمجھ دار بننے کی کوشش مت کرو۔" تیجا نے ہاتھ اٹھایا اور اچانک ہی اس کے ہاتھوں کی انگلیوں سے سفید روشنی کی شعاعیں باہر نکلیں اور دوسرے لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا آدھا جسم پتھرا گیا ہو۔ درحقیقت بدن کے نچلے حصے میں کوئی جنبش ہی نہیں تھی۔ میں دہشت زدہ ہوگیا۔ اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس میں ناکامی ہی رہی۔ میں نے بے بسی سے تیجا کو دیکھا اور تیجا بے شرمی کے سے انداز میں ہنسنے لگا۔ پھر ہنستا ہوا بولا۔ "کیسے مزے کی بات ہے، نہ گھر کا رہا نہ گھاٹ کا، دھوبی کا کتا بن کر رہ گیا ہے تو وہ تیرے شریر کو بھسم کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ادھر تو نے ہم سے بھی دشمنی مول لے لی ہے۔"

تھوڑی دیر تک میں نے خاموشی اختیار کی۔ اب بالکل ہی بے وقوف تو نہیں تھا۔ جس مصیبت میں گرفتار ہوگیا تھا اس سے نکلنا آسان کام نہیں تھا۔ سوچنے والی بات تھی۔ عقل سے کام لینا تھا۔ دماغ بھی آخر کوئی چیز ہوتی ہے۔ کچھ لمحے تک سوچتا رہا۔ مصلحت سے کام لینا ضروری ہے، تیجا میری صورت دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"تیجا مجھے ایک بات کا جواب دے گا تو۔"

"ہاں ہاں بول۔"

"آخر تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟"

"دیکھ رے بھائی، بات اصل میں یہ ہے کہ تو نے خود ہمیں چھیڑا تھا۔ ہم تو جو کچھ کر بھی کر رہے تھے وہ تو کر ہی رہے تھے لیکن تو پھر ہمارے سامنے اس طرح سے آیا کہ ہمارے من میں ایک نئی بات پیدا ہوگئی۔ ہم نے سوچا کہ ہندو دھرم والے تو ہمیں جانتے ہی ہیں، دیوی دیوتاؤں کا دھرم لیے پھرتے ہیں، جن کا کوئی بھرم نہیں ہوتا کیا سمجھا۔ تم لوگ جو دین دھرم والے ہوتے ہو یعنی مسلمان، اپنا ایک الگ دھرم رکھتے ہو اگر ہم دونوں دھرموں پر قابو پالیں تو ہماری قوت بے پناہ بڑھ سکتی ہے۔ بہت کچھ ہو سکتے ہیں، سو ہم نے تجھے اپنے ساتھ شامل کرلیا اور سچ بتائیں ہم، وہ جو ملا تھا تجھے وہ ہم نہیں تھے بلکہ ہمارا ایک بیر تھا جسے ہم نے بڑی محنت کے ساتھ تیار کیا تھا اور تجھے اپنے جال میں پھنسانے کے لیے اس کے ذریعے کام لیا تھا ہم نے۔ کیا سمجھا تو یہ کام کرتا رہتا۔ اپنے

دین دھرم کے مطابق اور بات بنتی ہماری ایک موقع پر لاکر ہم یہ بات ثابت کر دیتے کہ تو ہمارے لیے کام کر رہا ہے۔ پر بیچ میں ٹانگ اڑا دی گئی، لیکن ٹانگ اڑانے والوں نے کام صحیح کیا، یعنی تجھے سزا دینا شروع کردی۔ بڑے دھرم والے ہیں وہ جو تجھے سزا دے رہے ہیں، بچا لیا ہم نے تجھے۔"

"تو نے۔" میں نے اچانک ہی کرخت لہجے میں کہا۔

"خیر نا سہی۔" وہ ایک الگ بات ہے کہ تو نے کسی کو پکارا اور کوئی تیری مدد کو آگیا۔ وہ ہم مانتے ہیں، اچھی طرح مانتے ہیں، پر اب تو ذرا عقل سے کام لے۔ مثلاً دیکھ ہم سے کہہ چکے ہیں کہ سنسار تیرا ہے، ہمارا کام کردے ہم سنسار کو تیرے چرنوں میں لا کر جھکا دیں گے کیا سمجھا۔ ہمارے بیر تو جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں، تجھے ایسے شکتی دلا دیں گے تو جیون بھر خوشیوں کا جھولا جھولتا رہے گا اور اگر تو نے نہ مانی ہماری بات تو پھر سمجھ لے ایک طرف ہم اور دوسری طرف وہ تیری وہ درگت بنائیں گے کہ دیکھنے والا دیکھتا رہے گا۔

"فرض کر تیجا اگر میں تیری بات مان لیتا ہوں تو تو کیا چاہتا ہے؟"

"بس ہم نے کہا نا کچھ ایسے کام ہیں ہمارے جو ہم کرنا چاہتے ہیں، تو اپنے کندھوں پر ہمیں لیے لیے پھرے گا اور ہمارے کام کرے گا۔ ہم تیرے بس میں آکر وہ کام کریں گے کیا سمجھا؟"

"ہوں۔ اچھا ٹھیک ہے فرض کر میں تیار ہو جاتا ہوں تو؟"

"تو یہ سمجھ لے کہ سارا کھیل ہی ختم ہو جائے گا۔" تجھے ہمارے ساتھ چلنا ہوگا، جہاں ہم چاہیں۔ میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر میں نے کہا مگر تو نے میرے جسم کو پتھر بنا دیا ہے۔ ارے باؤلے جیسے ہی ہمیں اپنے کندھوں پر چڑھنے کی اجازت دے گا تو دیکھ تیرے شریر کی شکتی کہیں بڑھ جاتی ہے۔

میں نے ایک بار پھر آنکھیں بند کرلیں، دل سے تو اس کمبخت بھوت کے بارے میں اچھے انداز سے نہیں سوچ سکتا تھا لیکن دماغ سے سوچ سکتا تھا۔ اگر اس وقت اس کی باتیں مان لی جائیں اور کسی ایسے موقع کا انتظار کیا جائے جو شاندار ثابت ہو تو پھر بات ہی کیا ہے۔ بس انسانی کمزوریوں پر قابو پانا ہوگا اور کچھ نہیں، وہ پتہ نہیں میرے دماغ میں تھا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یا نہیں لیکن میں یہ دیکھ رہا تھا کہ وہ امید بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا ہے چنانچہ میں نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے تیجا آجا تو میرے کندھوں پر۔''

وہ خوشی سے اچھل پڑا تھا اور پھر وہ کسی سانپ کی طرح رینگتا ہوا میرے قریب پہنچا۔ میں اپنے بدن پر اس کی سرسراہٹ محسوس کر رہا تھا اور پھر میں نے اپنے شانوں پر اس کا بوجھ محسوس کیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میرا بدن بہترین ہوگیا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے اپنے جسم کی توانائیوں کو پہلے سے کہیں زیادہ بہتر محسوس کیا۔ مجھے تیجا کی ہنسی سنائی دی۔

''ہاں اب بول کیسا لگ رہا ہے؟''

''ٹھیک ہے تیجا۔ چل اب یہاں سے چل۔''

''ناک کی سیدھ میں چلتا رہ، زیادہ فاصلہ نہیں طے کرنا پڑے گا تجھے۔''

ٹھیک ہے میں نے کہا اور وہاں سے چل پڑا۔ جسم کی کیفیت اب بالکل ٹھیک لگ رہی تھی، کسی پریشانی کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اچانک ہی میں نے ایک عجیب بات محسوس کی، زمین پر میرا سایہ بن رہا تھا، سورج کی روشنی پڑ رہی تھی اور میرا سایہ زمین پر مجھ سے آگے آگے چل رہا تھا۔ تیجا میرے شانوں پر سوار تھا لیکن اس کا کوئی سایہ زمین پر نہیں تھا، شیطان بالکل روپوش تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تیجا، ہاں تو جانتا ہے میں کیا سوچ رہا ہوں؟''

''نہیں یہ بات میں نہیں جانتا مگر کیوں پوچھ رہا ہے؟'' اس نے سوال کیا اور اچانک ہی میرے دل کو ایک خوشی کا احساس ہوا۔ میری سوچوں پر تیجا کا کنٹرول نہیں ہے یعنی یہ کہ میں اپنے طور پر بھی سوچوں۔ تیجا کو اس بارے میں معلوم نہیں ہوگا۔ یہ تو اچھی بات ہے، بہرحال میں نے تیجا سے کہا۔

''تیجا کتنا فاصلہ طے کرنا ہوگا ہمیں؟''

''تو مجھے ایک بات بتا؟''

''ہاں پوچھو۔''

''کیا تجھے میرا وزن محسوس ہو رہا ہے؟''

''نہیں۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔'' تھوڑا سا فاصلہ طے کرو اور اس کے بعد تمہیں ایک بستی کے آثار نظر آئیں گے۔ ہمیں اس بستی پہنچنا ہے اور دیکھو جو کچھ بھی میں بتاتا رہوں وہی کرتے رہو۔ تھوڑے دن کے لیے خوشی سے اپنے آپ کو میرے حوالے کر کے دیکھو، پھر فیصلہ کر لینا کہ میرا ساتھ اچھا ہے یا برا ہے۔

میں نے ٹھنڈی سانسیں لے کر خاموشی اختیار کر لی، اس کا کہنا بالکل درست تھا۔ ہم نے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ ایک بستی کے آثار نظر آئے، کوئی چھوٹی موٹی بستی نہیں تھی۔ بڑی بڑی شاندار عمارتیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں، لوگ چل پھر رہے تھے۔ کئی کئی منزلہ عمارتیں بھی تھیں، بستی میں داخل ہوتے ہی اس کا نام بھی معلوم ہوگیا یہ بستی وجے نگر کے نام سے جانی جاتی تھی اور اچھی خاصی بڑی بستیوں میں شمار ہوتی تھی، میں نہیں جانتا تھا کہ کم بخت تیجا کتنے وسائل رکھتا ہے لیکن بہرحال وہ ایک خوفناک جادوگر تھا اور اب میں چونکہ اس کے شکنجے میں پھنس چکا تھا چنانچہ بہتر یہی تھا کہ اس سے جنگ کرنے کے بجائے اسے بے وقوف بنانے کی کوشش کی جائے ورنہ میرے تو برے دن چل رہے تھے اور میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ آگے تقدیر میرے ساتھ کیا سلوک کرے۔ میں اس وقت مصیبت زدہ ہو چکا تھا اور ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔ ادھر سے جو تباہی اور بربادی مجھ پر نازل ہوئی تھی وہ بمشکل تمام ماں کی دعاؤں سے ٹلی تھی اور ادھر تیجا ایک بار پھر مجھے میری منزل سے بھٹکا رہا تھا۔ بہرحال اس نے کان کے پاس سرگوشی کی اور بولا۔

''دیکھ اب اگر تو مجھ سے غداری کرے گا تو اس کے بعد تجھے آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میں تجھے ایک خاص مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہوں، میرا بھی اپنا ایک کام ہے جو تجھ جیسے کسی آدمی سے ہی نکل سکتا ہے۔ تھوڑا بہت تو تجھے اس بارے میں بتا چکا ہوں، اب ہم ایسا کرتے ہیں کہ میں تیرے کندھوں سے اتر جاتا ہوں مگر میں اپنے آپ کو اندھیرے میں چھپا لوں گا لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ جہاں بھی تجھے میری ضرورت پیش آئی میں تیرا ساتھ دوں گا اور تجھے صورتحال بتاتا رہوں گا، تجھے اب میرے کام شروع کرنے ہیں۔''

''تیجا میں تجھ سے کہہ چکا ہوں کہ میں تیرے ساتھ ہوں، اب بار بار کسی شبے کا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اظہار کر کے خود میرے ذہن کو خراب مت کر۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے تیری جیب میں نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی ہیں، وہ سامنے جو ہوٹل نظر آ رہا ہے اس کا نام اشوک ہوٹل ہے۔ بہت اچھا ہوٹل شمار ہوتا ہے، اصل میں وجے نگر سیاحوں کی جنت ہے، ویسے تو یہ بہت بڑی آبادی نہیں ہے لیکن سرکار نے یہاں سیر و تفریح کے لیے ایسی جگہ بنا رکھی ہے کہ باہر سے آنے والے سیاح یہاں آتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہاں کچھ قدرتی غار ہیں، جن میں زمانہ قدیم کی بہت سی مورتیاں سجی ہوئی ہیں اس لیے لوگ یہاں ان مورتیوں کو دیکھنے آتے رہتے ہیں۔ اب تو اس ہوٹل میں قیام کرے گا بعد میں میں تیرے کمرے میں تجھے بتاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا ہے۔

مجھے یوں لگا جیسے میرے کندھوں کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہو، ویسے بھی شہر میں داخل ہوتے ہوئے یہ عجیب و غریب و مضحکہ خیز کیفیت بہت بری لگتی ہوگی۔ میں تھوڑی دیر تک جائزہ لیتا رہا اور اس کے بعد اچانک ہی میں نے چونک کر اپنی جیبوں کا جائزہ لیا، مجھے چکر سے آ گئے تھے۔ میری جیبوں میں بڑے بڑے نوٹوں کی کئی گڈیاں تھیں اور یہ رقم اتنی تھی کہ میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس رقم کو میں استعمال کر سکتا تھا، تھوڑی دیر تک سوچتا رہا کہ کیا کرنا چاہئے اور اس کے بعد اپنے آپ کو اعتماد دلا کر ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔ زندگی سے اب اتنا ناواقف بھی نہیں رہا تھا کہ یہ نہ جان سکوں کہ ہوٹلوں میں کیسے رہا جاتا ہے۔ ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچ کر میں نے کمرہ طلب کیا اور ہوٹل کی تیسری منزل پر! مجھے ایک کمرہ الاٹ کر دیا گیا۔ ہوٹل کے ملازم نے مجھے کمرے میں پہنچایا تو کمرہ دیکھ کر میری آنکھیں پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ بہت خوبصورت فرنیچر سجا ہوا تھا اس کمرے میں، ویسے کمرے کا جو کرایہ مجھے بتایا گیا تھا وہ بھی اتنا ہی شاندار تھا جتنا اس ہوٹل کے کمرے کا فرنیچر۔ دنیا کس طرح عیش و عشرت میں ڈوبی ہوئی ہے اور بہت سے غم کے مارے ایسے بھی ہیں جن کے لیے دو وقت کی روٹی عذاب ہوتی ہے۔ بہرحال دنیا کا بونٹ پھر بہت سی بار میری نگاہوں کے سامنے آ چکا تھا، بڑے بڑے عجیب و غریب لمحات گزار دیئے تھے میں نے، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں پر غلط ہوں اور کہاں پر صحیح؟ بڑی مشکل ہے دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے اپنے اقدامات کے بارے میں فیصلہ کرنا شاید انسان کے لیے

سب سے مشکل کام ہے۔ ملازم کے جانے کے بعد میں نے جوتے اتار کر مسہری پر لیٹ گیا اور اپنی زندگی کے بارے میں غور کرنے لگا۔ نجانے کیوں اپنے آپ سے ہمدردی کا احساس ہوا، درحقیقت میں نے تو شروع میں بھی گڑبڑ نہیں کی تھی۔ اس وقت بھی مجھ پر یہ عذاب نازل نہیں ہوا تھا اور بعد میں سارے گھر والے میری مشکل کا شکار ہوئے تھے، یہاں تک کہ گھر ہی برباد ہو کر رہ گیا تھا جو کچھ بھی تھا، جیسا بھی تھا، ہر انسان کی زندگی کا ایک انداز ہوتا ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو اس انداز میں جذب کر ہی لیتا ہے۔ ترقی کا خواہش مند ہوتا ہے، بلندیوں کی طرف جانے کی کوشش کرتا ہے، ورنہ اپنے دائرہ کار میں رہ کر اپنے لیے زندگی کا انتخاب کر لیتا ہے۔ میں بھی ایسا ہی کرتا اگر میری زندگی میں الٹ پھیر نہ آتے، بہرحال میں مسہری پر لیٹا سوچتا رہا۔ سب سے زیادہ حیران کن وہ سزا تھی میرے لیے اگر ماں کی دعائیں شامل نہ ہو جاتیں۔ اگر سچے دل سے ماں کو نہ پکارتا تو اس عذاب جہنم میں کب تک جلتا رہتا، ماں کا تصور آنکھوں میں آیا تو نمی آ گئی۔ کیا عجیب و غریب بات ہے، تیجا نے مجھے بہت سی قوتیں دے دی ہیں لیکن اپنے ماں باپ سے محروم ہوں۔ میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ تیجا سے اس بارے میں بھی بات کروں گا۔ بہرحال پھر خیال آیا، یہاں مجھے تیجا کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنی ہوگی، میں نے اچانک ہی دل میں سوچا کہ تیجا سے بہرحال بہت سی باتیں کرنی ہیں مجھے۔

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے پر ہلکی سے دستک ہوئی، میں نے سمجھا کہ ہوٹل کا ویٹر آیا ہے مجھ سے یہ پوچھنے کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ میں حیرانی سے دیکھتا رہا اور پھر مجھے واقعی حیرت ہوئی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ دروازے پر پہنچا، دروازہ تو پہلے کا بند تھا اور اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ ہوا سے نہیں کھل سکتا تھا۔ پھر یہ کس نے کھولا اور کس نے بند کیا؟ تبھی مجھے عقب سے تیجا کی آواز سنائی دی۔

"ارے میری وجہ سے پریشان ہو رہا ہے کیا؟"

میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تو اچانک ہی تیجا ایک کرسی پر نمودار ہو گیا۔ اپنی لمبی لمبی ڈھیلی ڈھالی ٹانگوں کے ساتھ وہ بیٹھا ہوا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی صورت دیکھ کر مجھے ایک دم سے بڑی نفرت کا احساس ہو، میرا دل چاہا کہ کوئی وزنی چیز اٹھا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کر اس کے سر پر ماروں مگر یہ مناسب نہیں تھا۔ تیجا بدستور مسکرا رہا تھا، جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے کہا، کھوپڑی کے اندر تک ہم اتر نہیں سکتے پر تیری آنکھیں دیکھ کر ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم سے بڑی نفرت کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے تیجا۔ تمہاری وجہ سے مجھے جتنے نقصان اٹھانے پڑے ہیں تمہیں خود ان کا اندازہ ہے۔

وہ تو نے خود کیا ہے، ہماری مصیبت تو نے اپنے گلے خود لگائی تھی۔

ارے بھول جاتا ہے کیا بار بار، ہم خود تو تیرے پاس چل کر نہیں آئے تھے تو چل کر ہمارے پاس آیا تھا۔

خیر، خیر بیکار باتیں مت کرو تو نے جتنی مصیبت اٹھائی ہے ناں اب ہم تجھے اس کا بدلہ دینا چاہتے ہیں۔ نوکر چاکر، حویلی، خوبصورت لڑکیاں، خوشامدیں کرنے کے لیے بے شمار افراد اور کچھ چاہئے ہوتا ہے انسان کو اپنے جیون میں۔ ہاں۔

''ارے تو بول ناں کیا چاہئے تجھے؟''

''میرے ماں باپ، میرا گھر بار، میرے عزیز و اقارب۔'' میں نے رونے والی آواز میں کہا۔ اور تیجا کا چہرہ سست ہوگیا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھنے لگا، پھر اس نے کہا، دیکھ وہ بھی مل جائیں گے تجھے مگر کوئی بھی کام اتنی آسانی سے نہیں ہو جاتا۔ سنسار میں اگر تم کسی سے کچھ مانگتے ہو تو اس کے بدلے میں تمہیں بہت کچھ دینا بھی پڑتا ہے۔ کیا سمجھے۔

''مجھے کیا دینا ہے؟''

''گرودان سمجھ رہا ہے ناں، گرودان۔''

''وہ کیا ہوتا ہے؟''

''مجھے اپنا گرو مان لے۔'' گرو جی کہا کر مجھے اور جب کوئی کسی کو اپنا گرو بناتا ہے تو اسے کچھ کرنا بھی ہوتا ہے اپنے گرو کے لیے کیونکہ گرو تو اسے گیان شکتی دیتا ہے سمجھ رہا ہے ناں تو۔

''ہاں۔''

''جب تو گرو دان پورا کردے گا تو تب تجھے تیرے ماتا پتا بھی مل جائیں گے،

تیرا سارا گھر، سارا پریوار تجھے مل جائے گا اس سے پہلے کچھ نہیں ملے گا، سمجھا۔''

''ہاں میں سمجھ رہا ہوں۔''

''ایسے نہیں مطلب یہ ہے میرا کہ میرا کام پورا ہو جائے گا تو ہاتھ پکڑ کر تجھے تیرے ماتا پتا کے حوالے کردوں گا، کیا سمجھا؟''

''ٹھیک ہے میرے ماں باپ، بہن بھائی سب خیریت سے تو ہیں ناں۔''

''یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں تیرے من جب ان کی پیاس نہ باقی رہ جائے تو پھر تو وہ کام نہیں کر سکتا جو میں تجھ سے لینا چاہتا ہوں، مزا تو یہ ہے کہ تیرے من میں ان کی پیاس رہے۔''

''گویا یہاں تم مجھ سے تعاون نہیں کرو گے۔ تیجا۔''

''مجبوری ہے بالک مجبوری ہے۔''

''میں نے چند لمحے تک اپنے آپ پر قابو پائے رکھا۔ پھر میں نے خود کو پرسکون کیا۔'' کون سا میں اس شخص سے تعاون کر رہا تھا۔ یہ کم بخت تو ایک روح تھی، ایک جادوگر، اس جادوگر سے بھلا کیا تعاون کرنا۔ مجھے وہ سزا یاد تھی جو ماں کی دعاؤں سے ٹلی تھی۔ بہرحال اب جو کچھ بھی تھا وہ ایک الگ بات تھی۔ میں تو اس وقت اپنے راستوں کا تعین کر رہا تھا۔ تیجا نے کہا تو آرام سے یہاں رہ، جو میں بتا رہا ہوں وہ تجھے کرنا ہے۔

تیرا نام پرنس طاہر ہے۔ رات کو تو اس ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں جائے گا اور وہاں میں تجھے جو بتاتا رہوں گا وہ تو کرے گا۔ میں تیرے ساتھ ساتھ ہوں گا۔ تیرے کان میں بات کروں گا اور تجھے بتاتا رہوں گا کہ تجھے کیا کرنا ہے۔ الماریوں میں دیکھ تیرے لیے بڑے بڑے قیمتی سوٹ لا کر ٹانگ دیئے ہیں میں نے، مجھے تجھ سے پہلے بڑا کام لینا ہے۔

میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ تیجا نے کہا۔

''بات سمجھ گیا نا میری، اب میں چلتا ہوں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے تک پہنچا، کم بخت کی بڑی بڑی ٹانگیں بڑی عجیب و غریب تھی۔ اسے یہ ٹانگیں لپیٹنا پڑی تھیں، مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بند دروازے کے اندر ہی ہو، بڑی خوفناک بڑی پراسرار شخصیت تھی۔ پھر میں نے اپنے بارے میں سوچا، پرنس طاہر،

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رات کو تقریباً ساڑھے آٹھ بجے میں نے الماریاں کھول کر پہلی بار دیکھیں اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ الماری میں واقعی شاندار سوٹ لٹکے ہوئے تھے، دل میں بے اختیار یہ جذبہ پیدا ہوا کہ چلو اور کچھ نہیں تو زندگی کا ہی لطف اٹھایا جائے۔ بہت سی باتیں دل میں آرہی تھیں، جمال یزدانی کا بھی دل میں خیال آیا تھا لیکن وہ تو اب پرانا قصہ ہوگیا تھا۔ اب وہ جیسے بھی زندگی گزارے، پہلی بات تو یہ تھی کہ میں شاہد تھا ہی نہیں، سارا کام ایک غلط فہمی پر چل رہا تھا۔ غرض یہ کہ میں نے اپنے آپ کو تیار کرلیا، غسل وغیرہ کرکے شاندار سوٹ زیب تن کیا اور اس کے بعد ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں اتر آیا۔ کیا شاندار جگہ تھی، انتہائی وسیع وعریض چاروں طرف میزیں لگی ہوئیں تھیں، ایک طرف میوزک بہت ہی مدھم سروں میں ایک خوبصورت دھن بجا رہا تھا۔ لوگ زندگی کی عیش وعشرت میں مصروف تھے، کھا پی رہے تھے، ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ کتنی دلکش زندگی ہے ان کی، کیا ان میں سے کسی کو تیجا نہیں ملا۔ کیا ان سب کے ماں باپ ان کے پاس موجود ہیں، ان کا سکون ہی بتاتا ہے تو کیا یہ سکون میری زندگی میں نہیں آسکتا، میں نے جلے دل سے سوچا۔ اسی وقت ایک ویٹر میرے پاس آگیا اور بولا سر آپ کی میز، اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ میرے کمرے کے نمبر کے مطابق ایک میز میرے لیے ریزورتھی، میں اس کی جانب بڑھ گیا اسی وقت مجھے تیجا کی آواز اپنے کانوں کے پاس سنائی دی۔ تجھ سے زیادہ دور نہیں ہوں میں نے دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیجی اور اس بات سے خوش ہوا کہ کم از کم وہ میرے ذہن میں نہیں جھانک سکتا، یعنی جو کچھ میرے ذہن میں ہے اسے نہیں پتہ چل سکتا۔

ہاں عمل کی بات دوسری ہے یعنی یہ کہ اگر میں ایک لٹھ اٹھا کر اس کے سر پر ماردوں تو اسے پتا تو چلے گا ناں۔ بہرحال میں اس میز پر پہنچا، چار کرسیاں پڑی ہوئیں تھیں، میز صرف ایک آدمی کے لیے ریزورتھی۔ لیکن میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے محسوس کیا کہ میری داہنی سمت والی کرسی بھی پیچھے سرکی ہے، تیجا بھی یہیں بیٹھ گیا تھا۔ ویٹر نے میرے سامنے کارڈ لاکر رکھ دیا، تیجا نے کہا بھی کوئی ہلکا پھلکا مشروف لے لو، کھانا بعد میں کھا لینا۔ یہ ہدایت بھی تم ہی دو گے مجھے، میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ارے نہیں نہیں، یہ مقصد نہیں ہے میرا وہ دیکھو سامنے والی میز پر دیکھو، اس نے اشارہ کیا اور میری نگاہیں اس میز کی جانب اٹھ گئیں۔ لمبے قد وقامت کی ایک خوبصورت سی لڑکی وہاں بیٹھی ہوئی تھی اور کلائی

میں بندھی گھڑی میں وقت دیکھ رہی تھی۔ وہ کماری کوشل ہے، بہت بڑے آدمی کی بیٹی ہے۔ تم اٹھ کر اس کے پاس جاؤ گے اور اس سے اس کے بارے میں بات کرو گے۔ اسے ایک ایسے لڑکے کا انتظار ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے لیکن جس کے بارے میں وہ مشکوک ہے، اس لڑکے کا نام غنود ہے اور وہ ایک فراڈ لڑکا ہے۔ تم اسے جا کر ساری تفصیل بتاؤ گے۔ اپنے آپ کو ایک ماہر چہرہ شناس ظاہر کرنا ہے، وہ کم بخت مجھے نجانے کیا کیا باتیں بتاتا رہا لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اگر یہ صورتحال ہے تو بات تو بڑی دلچسپ ہو جائے گی۔ میں حسین مردوں اور لڑکیوں کو ان کے ماضی کے بارے میں بتا سکتا ہوں، میرے گرد تو مجمع جمع ہو جائے گا۔ بہرحال ویٹر سے میں نے ایک ڈرنک منگوایا اور اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا۔ اچانک ہی مجھے محسوس ہونے لگا جیسے تیجا میرے پاس سے چلا گیا ہو، لیکن اس لڑکی کے بارے میں اس نے جو تفصیلات بتا دی تھیں، وہ میرے ذہن میں پوری طرح موجود تھیں۔ لڑکی کے چہرے پر بے چینی کے آثار تھے، وہ بار بار کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھ رہی تھی۔ اپنا ڈرنک ختم کرکے میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا تو میں نے کہا۔

"میں تھوڑا سا وقت لینا چاہتا ہوں، آپ سے۔"

وہ بے چینی سے مجھے دیکھنے لگی۔ لیکن اس کے بعد میں خود ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"کیا آپ اس بارے میں یقین کریں گی کہ میں آپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا؟"

بڑی فضول بات کہی ہے آپ نے، آپ میرے بارے میں جان بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ میں پہلی بار آپ کی صورت دیکھ رہی ہوں اور میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے بھی پہلی بار آپ کو دیکھا ہے مگر میں یہ بات جانتا ہوں کہ آپ کماری کوشل ہیں۔

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر بولی اور میں اس قدر غیر معروف بھی نہیں ہوں کہ لوگ مجھے نہ جانیں اور کماری کوشل جس بے وفا آدمی کا آپ انتظار کر رہی ہیں، وہ نہیں آئے گا۔ اگر آپ چاہیں تو اس وقت گولف کلب کے عقبی حصے میں موجود چھوٹے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے پارک میں رتناوتی کے ساتھ دیکھ سکتی ہیں۔"

کماری کوشل کا چہرہ ایک دم تاریک ہوگیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"اور تم کہتے ہو کہ تم میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"ہاں میں یہی کہتا ہوں، آپ مجھے بتایئے کماری جی کہ آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ آپ میرے بارے میں کیا جانتی ہیں؟"

"کچھ نہیں۔" میں نے کہا نا کہ میں پہلی بار تمہاری صورت دیکھ رہی ہوں ہاں سو فیصدی، مجھے یقین ہے کہ ایسی ہی بات ہے لیکن میں واقعی آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا البتہ آپ کی صورت دیکھ کر آپ کا انداز دیکھ کر آپ کو سب کچھ بتا سکتا ہوں کیونکہ یہ میرا فن ہے۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" ہو میں نے جواب دیا۔

"گویا اپنا نام بتانا نہیں چاہتے۔"

"ایسی ہی بات ہے۔"

"میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

"بس آپ پریشان ہو رہی تھیں، بار بار گھڑی دیکھ رہی تھیں، غنود کا انتظار کر رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ آپ کو انتظار کی زحمت سے چھٹکارا دلا دیا جائے۔"

"اور تم کہتے ہو کہ تم نجومی ہو۔"

"کہہ لیجئے آپ نجومی کہہ لیجئے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"مسٹر ہوا رفو چکر ہو جاؤ فوراً یہاں سے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری پٹائی کر دوں۔"

"ٹھیک ہے ویسے ایک بار آپ نے اپنے مینجر کی پٹائی کی تھی، اس کا نتیجہ آپ نے دیکھ لیا ہوگا، میں نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی تو اس نے جلدی سے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی خدا کی پناہ تم مجھے کب سے جانتے ہو؟"

"کماری جی، میں نے کہاں نا میں آپ کے بارے میں بہت سی باتیں بتا سکتا ہوں مثلاً وہ بھی بتا سکتا ہوں جب آپ ایک بار گھوڑے سے گری تھیں اور ایک سادھو آپ کو اپنی کٹیا میں لے گیا اور آپ کو جب ہوش آیا تو آپ اپنا بہت کچھ لٹا بیٹھی تھیں۔ آپ کلی

سے پھول بن گئیں تھیں اور اس کے بعد سالہا سال آپ اس سادھو کو تلاش کرتی رہیں۔"

"تب تو کیا تم وہ سادھو تھے۔"

"توبہ کریں، کماری جی کیا میں آپ کو اتنا بوڑھا نظر آتا ہوں۔"

"ارے تو مجھے بتاؤ کہ تم ہو کون آخر؟" وہ آنکھیں نکال کر بولی اور میں ہنسنے لگا اور پھر میں نے کہا۔

"صرف چہرہ شناس کماری جی۔" آپ یقین کریں، جو راز آپ نے اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھے ہیں وہ بھی آپ کو بتا سکتا ہوں۔ مثلاً وہ دستاویز جو آپ نے غنود کو دی ہے اور جس کی رو سے آپ کے پتا جی ایک بڑی مشکل کا شکار ہو سکتے ہیں، وہ دستاویز آپ کو غنود سے واپس بھی لا کر دے سکتا ہوں، بڑے کام کی چیز ہوں میں کوشل کماری جی۔

کوشل کرسی کی پشت سے ٹک گئی تھی، اب اس کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آرہے تھے اس نے کہا تم وہ باتیں جانتے ہو جو کسی کو نہیں جاننی چاہئے تھیں۔

"آپ کے پرس میں ننھا پستول ہے، آپ چاہیں تو اسے نکال کر مجھے پر فائر کر سکتی ہیں۔" میں نے کہا اور کوشل کماری کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔

"تم یہ بھی جانتے ہو؟"

"کمال ہے آپ بار بار یہ سوال کر کے پتہ نہیں میری توہین کرنا چاہتی ہیں یا اپنی تسکین۔" خیر کہنا یہ تھا کہ غنود تو رتنا کماری کے ساتھ عیش کر رہا ہے اور آپ یہاں اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ بس اتنا ہی کہنا تھا مجھے وہ سامنے والی میز میرے لیے ریزور ہے بس آپ کی بے چینی اور پریشانی دیکھی تو دل نہ مانا۔ یہ نہ سمجھئے کہ مجھے آپ سے کوئی لالچ ہے اور میں آپ سے کوئی لالچ رکھتا ہوں یہ تو صرف ایک دوستانہ قدم تھا۔ آپ مسلسل شک بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہی ہیں، میں نہیں چاہتا کہ آپ میری وجہ سے پریشان ہوں۔ میں نے کرسی کھسکا کر پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تو اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا اور بولی، دوستی کا قدم اٹھایا ہے تو اتنی جلدی چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔

نہیں کماری جی، میں نے بتایا نہ کہ آپ کے من میں شک و شبہات پیدا نہیں کرنا چاہتا میں اور آپ کے پاس آنے میں میرا کوئی لالچ چھپا ہوا نہیں تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ میرے ساتھ کچھ اور وقت گزارو۔

آپ کی مرضی ہے میں نے کہا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا، اسی وقت ایک دراز قامت عورت اس عورت ہی کہنا چاہئے۔ عمر تیس بتیس سال سے کم نہیں تھی لیکن بہت ہی دلکش بڑے اچھے لباس میں ملبوس اس کی طرف بڑھی، ہائے کوشل، اکیلی بیٹھی ہو۔ وہ ہائے ہائے کرتی ہوئی کوشل کے پاس آگئی تو کوشل نے کہا، ہیلو سونیا، آؤ بیٹھو میرے ساتھ کوئی اور بھی ہیں۔ نہیں کوئی نہیں ہے تمہیں پتا ہے میں تو اکثر یہاں آتی رہتی ہوں۔

ہاں بالکل آؤ پلیز بیٹھو۔

''یہ کون ہے؟''

سونیا نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

ایک پراسرار شخصیت' کوشل نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور سونیا مجھے بغور دیکھنے لگی پھر بولی۔ ''اتنی پراسرار بھی نہیں ہیں کون صاحب ہیں یہ؟''

''جادوگر۔'' میں نے جواب دیا۔

''اوہو کیا کوشل کماری پر بھی آپ نے جادو چلا دیا۔'' ویسے یہ کسی کے جادوگری میں آنے کی قائل تو نہیں ہیں، بلکہ لوگ خود ان کے سحر میں گرفتار ہو جاتے ہیں، آپ کون سے جادوگر ہیں؟

بیٹھے سونیا جی آپ کے پتی دیو جس فلائٹ سے جا رہے تھے ناں وہ فلائٹ کینسل ہوگئی ہے، آپ جو عیش کرنے نکل پڑی ہیں، وہ ابھی میرا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ سونیا کے موبائل پر بیل ہوئی اور اس نے معذرت کر کے اپنا موبائل آن کیا اور پھر اسے کان سے لگا کر بولی۔ ہیلو شیکھر تم کہاں سے بول رہے ہو، ایئرپورٹ سے فلائٹ کینسل ہوگئی، کیوں؟ اوہو واپس آجاؤ گے، اچھا ٹھیک ہے اگر اسی فلائٹ سے جا رہے ہو تو اب مجھے اطلاع دینا میں فکر مند رہوں گی، ہاں ہاں گھر سے ہی بول رہی ہوں اور کہاں سے بولوں گی۔ او کے اور اس کے بعد سونیا نے موبائل بند کر دیا۔ پھر چونک کر بولی۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فلائٹ کینسل ہوگئی ہے۔''

''جواب میں میں سر کھجانے لگا اور کوشل کماری ہنسنے لگی۔''

میں نے کہا سونیا جی اسی فلائٹ سے روانہ ہو جائیں گے وہ کیونکہ جو فنی خرابی

ہوگئی ہے اس میں وہ آدھے گھنٹے میں درست ہو جائے گی آپ فکر نہ کریں۔ ویسے ایک اور دلچسپ اطلاع دوں آپ کو آپ کے پتا جی آپ کے گھر آئے ہیں، بس سمجھے لیجئے کہ تھوڑی دیر کے بعد وہ آپ کے گھر پہنچنے والے ہیں۔

''کوشل یہ کون ہیں؟''

''جادوگر۔'' کوشل نے کہا اور ہنس پڑی۔

مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے تم، جیسے تم سونیا خاموش ہوگئی۔

بھئی۔ یہ صاحب تو بہت عجیب ہیں، انہوں نے مجھے بھی پریشان کر کے رکھ دیا اور اب تم میری پریشانی میں شریک ہوگئی ہو۔ یقین کرو مجھے ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم لیکن انہوں نے جو کچھ بھی بتایا ہے۔ کمال کی بات ہے یہ تو واقعی ویسے تمہیں ایک بات بتاؤں کیا؟

غنود اور رتنا کو میں ایک ساتھ پارک کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر آئی ہوں، سونیا نے کہا اور کوشل خاموش نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی، پھر بولی، بھاڑ میں جائے غنود مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دیکھئے صاحب آپ اپنا نام بتا دیجئے کیا فائدہ ہم پولیس کو اس بارے میں اطلاع دیں۔ سونیا نے پرمذاق لہجے میں کہا۔ اسی وقت اس کے فون کی بیل بجی اور اس نے ایک بار پھر موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔ پھر بولی ہاں کیا بنا تمہاری فلائٹ کا، کون بول رہا ہے، کیا بات ہے رادھے شام، کیا پتا جی گھر پہنچنے والے ہیں، ابھی ابھی۔ او ٹھیک ہے خیریت سے تو ہیں ناں، وہ ٹھیک ہیں آرہی ہوں، میں دس منٹ کے اندر اندر آرہی ہوں، او کے، سونیا نے فون بند کر دیا، پھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی، پھر بولی کوشل پتا جی ابھی ابھی گھر پہنچنے والے ہیں، دیکھو ان صاحب کو تم ہاتھ سے جانے نہیں دینا، بعد میں ان سے تفصیل سے بات کریں گے۔ انہوں نے تو ہمیں پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔

کوشل نے گردن ہلا دی، اس کے بعد بولی کچھ لو تو سہی سونیا، نہیں کوشل پتا جی آگئے ہیں، جانا ضروری ہے مگر پلیز تم ان صاحب کو نگاہوں میں رکھنا، اس کے بعد چلی گئی تو کوشل نے عاجزی سے کہا۔

''اب تو اپنا نام بتا دیجئے۔'' آپ واقعی باکمال شخصیت ہیں۔ میں نے مان لیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آپ نے ایک اچھا نام تو رکھ دیا ہے جادوگر کہہ لیں مجھے کیا حرج ہے بلکہ مجھے خود یہ نام پسند آیا۔ تم نے مجھ سے پہلے بھی لوگوں کو ان کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہوگا۔ اس شہر میں نہیں وجے مگر پہلی بار آیا ہوں۔

دیکھو معاف کرنا اپنی ان معلومات کا معاوضہ لیتے ہو تم؟ گویا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ یہ میرا ذریعہ معاش تو نہیں۔

نہیں میں نے معافی مانگ لی ہے، میں تم سے بہت متاثر ہوئی ہوں، جو کچھ تم نے میرے بارے میں مجھے بتایا ہے، پلیز کسی اور کو نہ بتانا، ایک بات سنو اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ کوشل کماری میں کوئی بلیک میلر ہوں اور تمہاری ذاتی باتیں جان کر تم سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کروں گا تو اس خیال کو دل سے نکال دو۔

نہیں پلیز تم بس مجھے دوست کی حیثیت سے ملتے رہو، میں اپنے آپ کو ایک خوش نصیب ہستی سمجھوں گی۔

اوکے اوکے، پھر کھانا کوشل کماری کے ساتھ ہی کھایا گیا۔ میں نے اسے اپنے روم نمبر کے بارے میں بتا دیا تھا لیکن نام نہیں بتایا تھا کیونکہ اس بارے میں میں نے تیجا سے بات نہیں کی تھی۔ بہرحال کافی دیر تک وہ میرے ساتھ رہی، میرے کمرے تک آئی اور پھر واپسی کے لیے پلٹتے ہوئے بولی، جانا نہیں میں کل بھی تم سے ملاقات کروں گی۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے گہری سانس لی اور کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ اچانک ہی مجھے تیجا کا خیال آیا اور اس کے ساتھ ہی ایک عجیب سی سرسراہٹ گونجی تو میں نے گھوم کر دیکھا تو تیجا کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر گہری سانس لی اور کہا۔

''تم یہاں موجود ہو؟''

وہ ہنسنے لگا پھر بولا۔ ''یہ بتا کیسی رہی؟''

''ہاں دلچسپ رہی۔''

دیکھو اس سے بہت زیادہ اڑنے کی کوشش مت کر۔ تیرے ساتھ کمرے میں آگئی تھی۔ بہت زیادہ دھرماتما بھی نہ بن ارے پاگل، یہ سنسار تو جیون کے ساتھ اٹھانے کے لیے ہے، یہ حسین لڑکیاں جو ہوتی ہیں ناں، یہ عمر بڑھاتی ہیں۔ زندگی کا یہ کھیل تھوڑے ہی عرصے کے لیے ہوتا ہے، انسان اس سے بھی گریز کرے تو وہ پھر انسان نہیں

فرشتہ ہو سکتا ہے۔ آئندہ خیال رکھنا اگر ایک بار بھی اسے اپنے ساتھ وقت گزارنے کی دعوت دیتا تو وہ انکار کرتی؟ جھلائی ہوئی ہے اور وہ بہت سے ایسے معاملات میں الجھی ہوئی ہے کہ اسے بھی ذہنی سکون چاہیے۔ بات ایک کوشل کماری ہی کی نہیں لاتعداد کوشل کماریاں ہیں کیا سمجھا۔ ایک بات بتاؤ تیجا میں نے ان لوگوں کو اپنا نام نہیں بتایا۔ بڑا اچھا کیا، مگر کوئی نام تو بتانا ہوگا۔

ہاں ناموں سے ایک شناخت ہوتی ہے۔ ہندو ہو تو کوئی بھی ہندو نام بتا دینا مثلاً اوم کیا سمجھا اور اگر مسلمان ہو تو مسلمانوں کے نام تیرا اپنا بھی ایک نام ہے۔ ویسے تو ایک بات بھول گیا ہے کہ ہوٹل میں تجھے پرنس طاہر کے نام سے درج کرایا گیا ہے۔ اگر کوشل کماری ذرا بھی چالاک ہے، تجھے چھوڑنے کے بعد اور تیرا کمرہ دیکھنے کے بعد وہ ہوٹل کے کاؤنٹر رجسٹر میں تیرا نام دیکھے گی اور اسے پتہ چل جائے گا کہ پرنس طاہر، ویسے جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے ناں اس کا خیال رکھنا۔ ٹھیک ہے، پھر میں آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تھوڑا سا وقت جو ڈائننگ ہال میں گزارا تھا، میرے لیے بڑی خوشگوار بات یہ تھی کہ مجھے عجیب نگاہوں سے دیکھا جا رہا تھا۔ سونیا بذات خود ایک پرکشش عورت تھی، کماری کوشل بھی شاندار تھی اور اگر اس طرح میں ان لڑکیوں کو ان کے بارے میں بتاتا رہا تو میرے گرد تو ہر وقت لڑکیاں رہا کریں گی۔ انسانی فطرت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ لوگ سب کچھ چاہتے ہیں، میں بھی بہرحال ان جذبوں سے خالی نہیں تھا، مجھے یہ سب کچھ اچھا لگ رہا تھا۔ انہی سوچوں میں نہ جانے کب نیند آگئی، دوسری صبح دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی اور اس دستک ہی پر میں جاگا تھا۔ دروازہ بے شک میں نے اندر سے بند کر دیا تھا لیکن ہوٹل کا ویٹر با آسانی اسے کھول سکتا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ ویٹر نہیں ہے، دروازہ کھول کر دیکھا تو کماری کوشل کھڑی تھی۔ میں حیران سا رہ گیا تو بولی۔

''بے شک مجھے اندازہ ہے کہ میں غلط طریقے سے آئی ہوئی لیکن پلیز مجھے اندر آنے کی اجازت دو۔''

''آؤ، آؤ میں نے کہا۔'' اس نے اندر آکر دروازہ بند کر دیا تو میں بولا۔

''اگر ایمرجنسی نہ ہو تو کم از کم مجھے واش روم تک جانے کی اجازت تو دے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دو۔"

"پلیز ایک بات بتاؤ، میں روم سروس کو ٹیلی فون کر کے ناشتہ منگوالوں۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں نے کہا۔"ٹھیک ہے منگوالو۔"

"اوکے۔" میں واش روم میں چلا گیا اور بڑے اطمینان سے شیو وغیرہ بنا کر غسل کر کے لباس تبدیل کر کے باہر نکلا تھا۔ اس دوران میں کوشل کماری کے بارے میں سوچتا رہا تھا، گویا تیجا کا کہنا بالکل صحیح تھا کہ کوشل کماری میری وجہ سے رات کی نیند کھو بیٹھی تھی۔ باہر آیا تو کوشل کماری نے پسندیدگی کی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی، سچ مچ شہزادے ہی لگتے ہو، تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں نہیں جان سکتی طاہر۔ بہت آسان سی بات تھی کوشل جی، ہوٹل کے کاؤنٹر رجسٹر سے آپ نے ضرور میرا نام لے لیا ہوگا۔ وہ ہنسنے لگی پھر بولی لیکن تمہارا نام جادوگر ہی ٹھیک ہے۔ میں تو تمہیں پیار سے جادوگر ہی کہا کروں گی اور تم ہو بھی جادوگر۔ لوگوں کو ان کے ماضی، حال اور مستقبل کی باتیں تو بتا ہی دیتے ہو لیکن ان کے دلوں پر قبضہ جمانے میں بھی کمال رکھتے ہو۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا ہوٹل کا ویٹر ناشتے کی چیزیں لے کر آ گیا تھا۔ بات ٹل گئی، ناشتہ کیا گیا، کماری کوشل نے کہا اور تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں اتنی صبح تمہارے پاس کیسے آ گئی؟

میرے خیال میں یہ پوچھنا ایک غیر مناسب بات تھی، مہمان کسی بھی جگہ، کسی بھی وقت کسی کے پاس آ سکتے ہیں۔ میں مہمان نہیں ہوں، چلو جو کچھ بھی ہو، ساری رات نہیں سوئی۔

"کیوں؟"

تمہارے بارے میں سوچتی رہی۔

"کیا؟" یہی کہ تم کون ہو، ساری رات سوچتی رہیں۔ ہاں اور ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گے، نہیں۔ مجھے غنود سے نفرت ہو چکی ہے۔

اگر تمہیں غنود سے نفرت ہو چکی ہے تو میرا برا ماننے کا کیا جواز ہے؟

"تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

"کیسے؟"

"غنود کو جلانے میں، کس طرح ساتھ دوں گا تمہارا۔"

"تمہیں میرے ساتھ محبت کا ناٹک کرنا ہوگا۔"

"صرف ناٹک؟" میں نے سوال کیا تو وہ مجھے عجیب سے نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"جو من چاہے۔" اور پھر وہ مجھ سے بہت سی باتیں کرتی رہی۔ میں تھوڑی دیر کے لیے بھول گیا تھا کہ میں کون ہوں اور کس کی وجہ سے کوشل کماری سے رابطہ قائم کیے ہوئے ہوں۔ بہرحال اس نے بہت سی باتیں کیں، شام تک میرے ساتھ رہی اور پھر یہ کہہ کر چلی گئی کہ وہ مجھ سے جب اس کا دل چاہے گا آ کر ملتی رہے گی لیکن جناب رات کے تقریباً ساڑھے چار ہوں گے میں اپنے بستر پر لیٹا اس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ کوشل کماری ہی تھی، لباس وغیرہ تبدیل کر لیا تھا، چہرے پر شرمندگی کے آثار تھے۔ کہنے لگی۔

"کالی بلائیں دیکھی ہیں کبھی۔"

"کیوں؟"

"میں ہوں۔"

"تم تو کالی نہیں ہو۔"

"بلا تو ہوں۔"

"وہ کیسے؟"

"تم پر پھر نازل ہوگئی۔" میں بس حیران ہوں اور کوئی بات نہیں۔ میں اب اکیلے نہیں رہ سکتی، تم ہر وقت یاد آتے ہو، پتہ نہیں کم بخت تیجا نے میری فطرت میں یہ تبدیلی پیدا کر دی تھی یا پھر تقدیر مجھ پر اپنے گر آزما رہی تھی۔ کوشل کماری اندر آ گئی، اس نے دروازہ بند کر لیا اور بند دروازے، رات کی تنہائیاں، حسین وجود، جو کچھ بھی ہو جاتا کم تھا۔ کوشل نے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا اور میں اس کے بدن کی لطافتوں میں کھو گیا۔ دوسری صبح بڑی خوشگوار تھی، کوشل شرمائی شرمائی سی نظر آ رہی تھی، ناشتہ وغیرہ کر کے چلی گئی۔ پھر بولی، شام کو میں تمہیں لینے آؤں گی، میری کچھ دوست ہیں جن سے میں نے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تمہارا تذکرہ کیا ہے، سب کی سب تم سے ملنے کے لیے بے چین ہیں، کیا سمجھے؟ جیسا تم مناسب سمجھو، تیجا نے اس دوران میرے پاس آنے کی کوشش نہیں کی تھی، البتہ کوشل کماری میری فرصت میں آگئی تھی اور میں بھی اسے پسند کرنے لگا تھا۔ شام کو تقریباً پانچ بجے وہ آگئی، اس کی کار بہت شاندار تھی۔ وہ مجھے اس کار میں لے کر چل پڑی، اس کے بدن سے بڑی حسین خوشبو اٹھ رہی تھی اور وہ مجھ سے کافی بے تکلف نظر آرہی تھی۔ اس نے کہا غنود بھاڑ میں جائے، میں تو یہ کہتی ہوں کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ ٹھیک ہی ہوتا ہے، اگر میں اس کے چکر میں پڑ گئی ہوتی تو پھر تم مجھے کیسے ملتے۔ وہ باتیں کرتی رہی اور میں اس کی باتوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ جس عمارت میں مجھے وہ لے کر گئی تھی۔ اس پر بڑی خوبصورت نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی، باکے لال اس پر لکھا ہوا تھا۔ کوٹھی بہت شاندار تھی، بڑے سے لان پر کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور ان کرسیوں پر چھ سات حسین و جمیل لڑکیاں بیٹھی ہوئیں تھیں۔ کوشل نے کہا یہ باکے لال جی کا گھر ہے، میرے پتا جی کے دوست ہیں، مر چکے ہیں، اب دوسرے لوگ ان کا گھر چلا رہے ہیں۔ میں تمہیں ان کی بیٹی نینا سے ملانا چاہتی ہوں، وہ بڑی اچھی لڑکی ہے اور میری دوست بھی ہے۔ میں نے یہاں سونیا کو بھی دیکھا تھا جو مسکراتی ہوئی میرے پاس آئی تھی اور اس نے مجھ سے کہا تھا، جادوگر جی یہاں سب آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ آپ کی جادوگری کو اگر کسی نے چھین لیا ہے تو یہ اس کی جادوگری ہے لیکن ایک بات آپ جان لیجئے، تھوڑا تھوڑا حصہ سب کو ملنا چاہئے، ہم بھی آپ کے طلبگار ہیں۔ میں مسکرا کر خاموش ہوگیا تھا، پھر میری ملاقات نینا سے کرائی گئی، میں نے اسے دیکھتے ہی کہا ہیلو نینا جی آپ کا منگیتر امریکہ میں خیریت سے ہے۔ وہ آپ سے مخلص بھی ہے اور آپ کے دل میں اس کے لیے جو الجھن ہے وہ بالکل بیکار ہے اور بے مقصد ہے۔ نینا نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا اور پھر کوشل کی طرف دیکھتے ہوئے بولی گویا کوشل جی آپ کو اچھی طرح لکھا پڑھا کر لائی ہیں لیکن یہ بات کوشل کو بھی معلوم نہیں کہ آپ نے کالج کے زمانے میں دلیپ کمار سے، میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تو نینا کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہوگیا۔ میں نے مسکرا کر دیکھا تو وہ بولی آیئے نا بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں سب کے سامنے تو نہیں کہا جا سکتا، آپ کیسے آدمی ہیں۔ میں ہنس کر آگے بڑھ گیا اور اس کے بعد ایک انتہائی دلچسپ ماحول، راجہ اندر کا نام ہی سنا تھا میں نے لیکن

اس وقت میں سچ مچ راجہ اندر بن گیا تھا، لڑکیاں خاص طور پر اس سلسلے میں بہت متجسس ہوتی ہیں، میں انہیں ان کے بارے میں بتاتا رہا اور یہ سب کچھ میرے کان میں تیجا مجھے بتاتا رہا تھا۔ وہ ہوا کی شکل میں میرے پاس موجود تھا چنانچہ پرنس طاہر ان لوگوں کے درمیان ایک آفاقی حیثیت اختیار کر گیا۔ کھانا بھی ہم لوگوں نے یہیں کھایا تھا اور اس کے بعد بڑی مشکل سے واپسی کی اجازت ملی تھی۔ سونیا نے خاص طور پر کوشل سے کہا تھا اگر اجازت دیں تو کوشل کماری تو میں پرنس طاہر کو ان کے ہوٹل ڈراپ کردوں۔ سوری میڈیم سونیا آج نہیں، سونیا خاموش ہوگئی تھی۔ کوشل کماری نے کہا یہ سب تم پر مکھیوں کی طرح بھنبھنائیں گی، ذہن میں رکھنا، انہیں اپنے آپ سے دور رکھنا ورنہ مشکلات میں پھنس جاؤ گے۔ سب کی سب اچھے خاندان کی ہیں، بظاہر بڑی پاکیزہ فطرتوں کی مالک ہیں، لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا پتہ چل گیا تو مصیبتوں میں پھنس جاؤ گے۔ پھر کوشل کماری مجھے میرے کمرے تک لے آئی، اس نے آج بھی یہیں رکنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ میرے کمرے میں ہی تھی، پھر ایک ٹیلی فون موصول ہوا، کوئی لڑکی تھی، کوشل کماری کو پوچھ رہی تھی۔ کماری کوشل نے فون سنا، اس کے بعد بولی، سوری پرنس طاہر ایک ایمرجنسی آگئی ہے شہر سے باہر جانا ہے لیکن کل واپس آجاؤں گی۔ پلیز۔

ٹھیک ہے۔ کماری کوشل کو گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر ہلکی ہلکی دستک ہوئی اور اس کے بعد سونیا اندر داخل ہوگئی۔ بہت ہی خوبصورت لباس پہنا ہوا تھا اس نے اور بے حد پرکشش نظر آرہی تھی۔ میں اسے دیکھ کر چونک پڑا تو مسکراتی ہوئی بولی، معذرت تو کرنا ہی پڑے گی پرنس صاحب بات اصل میں یہ ہے کہ میں یہ بات اچھی طرح جانتی ہو کہ کوشل کماری تمہاری مالک نہیں ہے تمہاری دوست ہے اور ایک دوست کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ایک حسین شخص پر اس طرح قبضہ جما کر بیٹھ جائے تم نوجوانی کے حسن سے مالا مال ہو لیکن میڈیم سونیا، آپ، میرا شوہر ملک سے باہر گیا ہوا ہے اور میں خاصا مشکل وقت گزار رہی ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ تنہائیاں مجھے کھا رہی ہیں، سنو ڈیئر تمہیں میری مدد کرنا ہوگی، ویسے میں تم سے یہ بتانے میں کوئی الجھن محسوس نہیں کرتی کہ کوشل کماری کو میں نے غلط فون کر کے ایک ایسی بات بتا کر شہر سے باہر بھیج دیا ہے کہ جسے وہ نظرانداز نہیں کر سکتی، لیکن پلیز تم اسے یہ بات کبھی مت بتانا، ہماری دوستی خراب ہو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جائے گی۔

میں نے ایک گہری سانس لے کر سونیا کو دیکھا جو دلچسپ لمحات چل رہے تھے ان کے بارے میں میرا اپنا فیصلہ کوئی بنیادی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ کوشل کماری کو رفو چکر کر کے میڈیم سونیا نے مجھ پر قبضہ جما لیا تھا، بہرحال ایسے قبضے دلچسپ بھی ہوا کرتے ہیں۔ دوسری صبح وہ بڑے ناز بھرے انداز میں بولی، تم نے آخر کار میرے اور کوشل کماری کے تعلقات میں فرق ڈلوا ہی دیا۔ میں نے، میں گھبرا کر بولا، ہاں تم نے ظاہر ہے اب ہم دونوں کے درمیان رقابت چلے گی اور ہمارے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔ یہ ضروری تو نہیں میڈم سونیا کہ میں آپ کے اور کوشل کماری کے درمیان فٹ بال بنا رہوں۔ فٹ بال کا لفظ غلط استعمال کیا ہے تم نے، چلو چھوڑو، آج کہیں گھومنے نکلتے ہیں، ہوٹل میں پڑے پڑے تمہارا دل نہیں گھبراتا۔ کہاں؟ ذرا کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھو، موسم کتنا خوبصورت ہے اور اس حسین موسم میں یہاں گھسے رہنا تو نہایت افسوسناک بات ہوگی، چلو تیار ہو جاؤ، نکلتے ہیں، میڈیم سونیا بھی کمال کی شخصیت تھی۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا کیونکہ تیجا نے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی اور میرے اب تک کے معاملات میں اس نے اب تک کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ اس کام میں تیجا کی ناپسندیدگی کا کوئی شبہ نہیں تھا، بلاشبہ حسین موسم میں سونیا نے مجھے ایسے ایسے حسین مقامات کی سیر کرائی کہ میرا دل بھی خوش ہوگیا اور اس وقت بھی ہم ایک تاریخی مقام پر گھوم رہے تھے۔ سونیا نے کہا، میری ہمیشہ کی کمزوری ہے، یہ تاریخ، کون سی تاریخ میں نے بے خیالی میں پوچھا۔ جن کھنڈرات میں تم گھوم رہے ہو ناں، وہ بڑی اعلیٰ حیثیت کے مالک ہیں، ان کی پوری ایک کہانی ہے اور اس پتھر پر بیٹھ کر میں تمہیں یہاں کی تفصیل بتاتی ہوں۔ ایک منٹ، اس نے کہا اور پھر بے اختیار یہاں سے آگے بڑھ گئی، سامنے ہی ایک در جیسی چیز نظر آرہی تھی۔ وہ اس در میں داخل ہوگئی، کوئی ڈرامہ کرنا چاہتی تھی لیکن مجھے ان لوگوں کی ذرا بھی خبر نہیں تھی جو عقب سے میری طرف آرہے تھے مجھے تو اس وقت احساس ہوا جب کلوروفارم کی ہلکی سی بو ابھری اور میرا دماغ ایک لمحے کے اندر چکرا گیا۔ کسی نے کلوروفارم میں ڈوبا ہوا رومال ناک پر رکھا تھا اور اس کے بعد کچھ ہاتھ میری بغلوں میں داخل ہو کر مجھے گھسیٹنے کا باعث بنے تھے اور بس اس کے بعد کوئی احساس نہ تھا۔ ہوش اس شاندار کمرے میں آیا جہاں اے سی

چل رہا تھا، اعلیٰ درجے کا فرنیچر حسین ترین تصویریں لگی ہوئیں تھیں۔ ماحول اتنا پروقار کہ انسان متحیر رہ جائے۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس ماحول کو دیکھتا رہا، تب ہی میرے کانوں میں تیجا کی آواز ابھری، تمہیں اغوا کرلیا گیا ہے اور جس جگہ تم پہنچے ہو وہ میری مرضی کے مطابق ہے۔ جو کچھ یہاں ہو رہا ہے اسے ہونے دینا، تمہیں یہاں جو سمجھا جائے اپنے آپ کو وہی ظاہر کرنا۔ خبردار یہ میری ہدایت ہے جو میں کہہ رہا ہوں وہی کرنا اور سنو یہ جگہ ایسی ہے کہ میں بار بار یہاں نہیں آسکتا اور جب مجھ سے رابطہ قائم کرنا ہو تو صورتحال کو پوری طرح اپنے قابو میں کرنے کے بعد، تھوڑی دیر کے لیے اس عمارت کے حصار سے باہر آجانا۔ اصل میں یہ عمارت ایک ایسے حصار میں گھری ہوئی ہے جہاں میرا آنا جانا مشکل ہے، وہ تو یوں کہو کہ تمہاری جیب میں بیٹھ کر آگیا تھا، اس وقت جب تمہیں اغوا کیا جا رہا تھا۔ اب یہاں سے نکلنا بھی ایک مشکل کام ہوگا میرے لیے لیکن بہرحال یہاں سے میں نکل جاؤں گا۔

''اچھا چلتا ہوں زیادہ کچھ نہیں کہوں گا۔''

دو باتیں ذہن میں رکھنا تم میری مرضی سے آئے ہو جو بھی تمہیں اغوا کر کے لایا ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں اور تمہیں یہاں وہی کرنا ہے وہی بننا ہے جو وہ لوگ سمجھ رہے ہیں۔ بس اس سے آگے کوئی بات نہیں ہوگی۔ تیجا کی آواز بند ہوگئی اور میں حیرانی سے گزرے ہوئے واقعات پر غور کرنے لگا، اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ لطف آرہا تھا۔ زندگی کے بہت سے رخ نہیں دیکھے تھے لیکن جو دیکھا تھا اسے دیکھ کر درحقیقت مزا آرہا تھا اور دل خوب لگ رہا تھا۔ بدلا ہوا ماحول، نئے نئے لوگ، نئی کہانیاں، ساری چیزیں بڑی دلکشی کا باعث تھیں۔ ابھی انہی سوچوں میں گم تھا کہ دروازے پر آہٹیں سنائی دیں، ماحول سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ابھی اپنے آپ کو ہوش میں ظاہر نہ کروں چنانچہ پلکوں میں ہلکی سے جھری پیدا کر کے دیکھنے لگا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ ایک چہرے نے اندر جھانکا تھا اور اس کے بعد جھانکنے والا دروازہ کھول کر اندر آگیا تھا۔ اسے دیکھ کر پلکوں میں جھری پیدا کر کے دیکھنا کیا معنی عقل میں جھری پیدا کر کے دیکھنا ضروری ہو جاتا تھا۔ انتہائی دلکش وجود سر سے پاؤں تک کسی ماہر سنگ تراش کا شاہکار، دودھ جیسا سفید رنگ جو ہلکا سا زردی مائل ہو رہا تھا۔ عنابی ہونٹ جن کا ابھار اس قدر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پرکشش تھا کہ انسانی دل و دماغ میں ہیجان پیدا ہو جائے، ہر نقش اپنی جگہ مکمل۔ گھٹاؤں کی طرح اڈتے ہوئے گہرے سیاہ بال جو منتشر تھے۔ چہرے کی کیفیت اور آنکھوں کا رنگ بتاتا تھا کہ کسی اضطراب کا شکار ہے۔ دبے قدموں بڑھتی ہوئی میری جانب بڑھی اور میرا وجود سکڑ کر رہ گیا۔ کائنات میں ایسے ایسے حسین وجود تخلیق کر دیئے گئے ہیں جنہیں دیکھ کر انسان ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ میرے قریب پہنچ کر کھڑی ہوگئی، وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر مجھے دیکھتی رہی، پھر اس کی غمزہ آواز ابھری، فیروز، فیروز اب ہوش میں آؤ گے۔ قصور تمہارا نہیں ہے میرا ہی ہے، خالق کائنات نے جو کچھ بنایا ہے وہ اس کی اپنی ملکیت ہے۔ ہم لوگ اپنے آپ پر ناز کرنے لگتے ہیں اور دکھ اٹھاتے ہیں۔ ہاں فیروز مجھے احساس ہے کہ قصور تمہارا نہیں ہے، میں ہی اپنے حسن پر نازاں تھی، میں نے ہی اپنے آپ کو دیکھ کر سوچا تھا کہ کوئی ہے ایسا جو مجھے مسترد کر سکے۔ فیروز مجھے تو اس کی سزا ملی ہے۔ تمہارا قصور نہیں ہے ہوش میں آجاؤ، فیروز مجھے اپنا لو، مجھے اور دکھی نہ کرو، میرا غرور ٹوٹ چکا ہے، تم میری زندگی، میری زندگی مجھے قبول کرو، تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی، میں اس کے الفاظ سنتا رہا، باہر کسی نے آواز دی تو وہ تیزی سے پلٹی اور اس کے بعد کمرے سے باہر نکل گئی لیکن وہ میرے ہوش و حواس چھین کر لے جا چکی تھی، ہاں وہ میرے ہوش و حواس چھین کر لے گئی تھی۔ اس کا تصور اتنا دلکش، اتنا حسین محسوس ہو رہا تھا کہ آنکھیں بند کرلوں اور چشم تصور سے اسے دیکھتا رہوں۔ کون ہے وہ کون ہے، پھر اس کے الفاظ پر غور کیا، مجھے فیروز کہہ کر مخاطب کر رہی تھی۔ میں پاؤں کے ناخنوں سے لے کر سر کے بالوں تک فیروز بن گیا۔ جب وہ مجھے فیروز کہہ کر پکار رہی ہے اور اپنے فیروز سے شرمندہ ہے تو بھلا میں اسے نظر انداز کیسے کر سکتا تھا۔ واقعی غور کرنا تھا، سوچنا تھا، بلکہ یہ سوچنا سمجھنا تھا، چنانچہ میں غور کرتا رہا اور بہت سے راز مجھ پر منکشف ہوتے رہے۔ تیجا نے مجھے یہاں بھیجا ہے اور بڑے اچھے انداز میں بھیجا ہے، مجھے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ بہر طور ایک راستہ منتخب کرتا رہا، پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک پروقار شخصیت کا مالک آدمی، ایک عورت اور دو نوجوان لڑکیاں اور ایک لڑکا اندر داخل ہوگئے۔ میں نے ذہن میں سوچا کہ مجھے اب ہوش میں آجانا چاہئے، ویسے بھی بھوک لگ رہی تھی، سارا معاملہ ابھی تک تجسس میں ڈوبا ہوا تھا۔ بات پوری طرح سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی لیکن اچھی طرح جانتا تھا کہ تیجا کا کھیلا ہوا

کھیل ہے، میرے حق میں ہی ہوگا اور اس سے کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جو میرے لیے مشکل کا باعث ہو۔ بہرحال وہ اندر داخل ہوئے تو میں نے اجنبی نگاہوں سے انہیں دیکھا، عمر رسیدہ عورت نے کہا ہوش میں آگیا ہے۔ اگر نہیں آیا ہے تو آجائے گا، مرد نے غرائی ہوئی آواز میں کہا، عقب سے ایک اور شخص داخل ہوا۔ یہ کرخت چہرے والا ایک شاندار آدمی تھا، وہ جو شخص پہلے سے موجود تھا اور جس نے عجیب انداز میں میرے بارے میں کچھ الفاظ کہے تھے۔ اس کے اس آنے والے کے نقوش کافی حد تک ملتے تھے لیکن عمر کے لحاظ سے دونوں باپ بیٹا نہیں معلوم ہوتے تھے یقینی طور پر آپس میں بھائی بھائی تھے۔ پھر عمر رسیدہ عورت آگے بڑھی، میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولی کیسے ہو فیروز؟ میں نے ایک لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی تو معمر عورت پھر اسی انداز میں بولی بتایا نہیں بیٹے کیسے ہو؟ ٹھیک ہوں، اٹھو طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری، جی ہاں میں بھاری لہجے میں بولا۔ فیروز تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں، میں سب سے پہلے تم سے درخواست کرتی ہوں کہ اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا کرو۔ دیکھو بیٹا انسان کبھی کبھی غلط فہمیوں کا شکار بھی ہو جاتا ہے اور اس کے لیے پہلے دل و دماغ ٹھنڈا کرو، اس کے بعد سوچو یقیناً تمہیں بہتر راستے نظر آئیں گے۔ آپ کسے بہتر راستہ دکھانے کی بات کر رہی ہیں بھابھی جان، جن کے دماغ الٹ جاتے ہیں انہیں سیدھے راستے کبھی نظر نہیں آتے، کرخت چہرے والے آدمی نے کہا۔ حامد علی کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ تم لوگ باہر چلے جاؤ، اپنی تیز مزاجی سے صورتحال کو بگاڑ دینا تم لوگوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، مجھے اپنی تقدیر آزما لینے دو۔ بھابھی جان پہلے بھی آپ نے یہی کچھ کیا تھا، تقدیر آزمائی نہیں جاتی، بنائی جاتی ہے۔ ہم بڑی مشکل سے اسے گھیر گھار کر لائے ہیں، اب آپ یوں کریں کہ تقدیر بنانے کے بجائے ہمیں بنانے دیں، ٹھیک ہے حامد علی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ طاقت کے بل بوتے پر بیٹی کا گھر بسا لو گے تو تم بساؤ میں چلتی ہوں، معمر عورت نے کہا۔ نہیں آؤ فیض علی ایک بار اور موقع دو، بات کرنے دو انہیں، کیا تیر مارتی ہیں، عمر رسیدہ شخص نے کہا جس کا نام حامد علی لیا گیا تھا اور پھر وہ نئے آنے والے کو یہاں سے لے کر باہر نکل گیا۔ میں صورتحال کا اندازہ لگاتا جا رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بہرحال وہ باہر نکل گئے تو عمر رسیدہ عورت نے کیا اٹھ کر بیٹھو بھوک لگ رہی ہے۔ جی لگ تو رہی ہے، آپ لوگوں نے مختلف قسم کی کہانیاں سنانا شروع

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کردیں مجھے، اگر اس میں کھانے پینے کی کوئی کہانی شامل ہو جاتی تو بہت اچھا ہوتا، ارے چلو، جلدی سے انتظام کرو ٹھیک تو کہہ رہا ہے بچہ، چلو ناشتہ کرو، پھر تھوڑی دیر کے بعد جو ناشتہ مجھے پیش کیا گیا وہ بڑا نفیس تھا، وہ مست شباب تو چلی گئی تھی مگر حسین تصور میری آنکھوں میں چھوڑ گئی تھی اور جب انسان کا پیٹ بھر جاتا ہے تو بہت سے دوسرے معاملات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ کھانے پینے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد معمر عورت نے کہا مجھے کچھ وقت دینا پسند کرو گے۔ جی اب تو آپ کو ساری زندگی دینا پسند کریں گے آپ حکم دیجئے میں نے مسکرا کر کہا۔ خدا کرے تم اتنے ہی سعادت مند ہو جاؤ، ہو گیا ہوں، کہاں جاؤں گا آئیے۔ معمر عورت مجھے اپنے ساتھ لے گئی اور پھر ایک کمرے میں لے جا کر اس نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی اور میں بیٹھ گیا۔ تب وہ کہنے لگی، فیروز کوئی ایسی تدبیر ہے کہ تم نیر کو پا کباز تصور کرلو، یہ یقین کرلو کہ اس نے زندگی میں کوئی بھول نہیں کی ہے اور وہ دل و جان سے تمہاری ہے۔ بڑی آسان سی تدبیر ہے، بات اصل میں جو وہ ہے اگر میں آپ کو بتاؤں گا تو آپ یقین نہیں کریں گی۔ نہیں میں دوسروں کی طرح نہیں ہوں اور اس کی وجہ تمہیں معلوم ہے، فیروز بات اصل میں ہے کہ یہ لوگ جس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس خاندان پر کبھی کوئی مشکل نہیں پڑی۔ وہ میدان میں اچھلتے ہوئے بچھڑے کی مانند رہا ہے، ان لوگوں نے ہر کام طاقت کے ذریعے کیا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کا ہر کام طاقت کے بل بوتے پر ہو جاتا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے فیروز ایسا نہیں ہوتا۔ لیکن انہیں کون سمجھائے، ان کی باتوں کا برا نہیں مانو۔ میں نے ابا میاں سے مل کر کچھ فیصلے کیے ہیں، ابا میاں اس گھر میں ایک نفیس آدمی ہیں حالانکہ جوانی کے زمانے میں سنا ہے کہ انہوں نے بھی انسانوں پر بڑے مظالم ڈھائے تھے لیکن بعد میں سدھر گئے۔ تو میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ فیروز کہ تمہیں تمہاری پسند کے مطابق الگ جگہ دے دی جائے گی، چاہو تو اس شہر میں رہنا نہیں چاہو تو کسی اور جگہ ٹھکانہ بنا لینا کیا سمجھے۔ میں تمہاری مدد کروں گی اور تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ جو کہہ رہی ہوں وہی کروں گی۔ مگر بیٹے تھوڑے سے دن تمہیں پریشانی میں گزارنے پڑیں گے۔ آپ جب ساری باتیں کہہ لیں گی ناں تو میں آپ سے ایک سوال کروں گا۔

نہیں نہیں میں معافی چاہتی ہوں، میں زیادہ ہی بول گئی ہوں، تم مجھ سے سوال

کرو۔

پہلے آپ ذرا مجھے میری حقیقت بتا دیجئے۔

دیکھو میں نے اس بارے میں تم سے کچھ نہیں کہا ہے۔ حامد علی اور فیض علی جو کچھ تم سے کہہ چکے ہیں، اس کے لیے میں تم سے ہزار بار معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں، میری بیٹی کے مستقبل کا سوال ہے۔

آپ کی بیٹی کا نام کیا ہے؟

کیسی باتیں کر رہے ہو؟ آپ کو سچ بتا رہا ہوں، جو میں کہہ رہا ہوں وہی کیجئے گا اس کے پس منظر میں کوئی بات نہیں ہے۔

میں اب بھی کچھ نہیں سمجھی کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

ذرا ایک بار پھر مجھے میری حقیقت بتا دیجئے، یہ بتا دیجئے میرا آپ لوگوں سے کیا واسطہ ہے، کیا رشتہ ہے، تم بیٹے ہو، ہمارے داماد ہو، فیروز ہو تم اور اور اور۔

میں سن رہا ہوں، میں سب کچھ سن رہا ہوں اور اب اندر آنا چاہتا ہوں، یہ آواز حامد علی شاہ کی تھی، حامد علی شاہ اور فیض علی شاہ اندر داخل ہو گئے۔

کیا یہ مسلسل ڈرامہ بازی نہیں کر رہا۔ کیا یہ بہت زیادہ اداکاری نہیں کر رہا؟

ابے تو سمجھتا کیا ہے خود کو دو کوڑی کے آدمی تقدیر بنا رہے تھے ہم تیری لیکن اب تجھے تقدیر کیا اس دنیا سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ حامد علی شاہ کی عزت اتنی معمولی چیز نہیں کہ تجھ جیسے دو کوڑی کے لوگ اسے برباد کریں۔

ویری گڈ، ویری گڈ، ویری گڈ تو پھر آپ حضرات مجھے مقتول کرنا چاہتے ہیں۔ خدا سمجھے آپ لوگوں کو خدا سمجھے۔

فیض اسے لے کر آؤ۔ کہاں ہم عورتوں کی باتوں میں آ گئے ہیں۔ لے کر آؤ اسے چلو اٹھو۔ حامد علی شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا اور وہ میرے قریب آ گیا۔ طاقتور آدمی تھا۔ میرا بازو پکڑ کر کھڑا کیا تھا اور اس کی گرفت سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ کیا صورتحال ہے۔ ساری باتیں اپنی جگہ بہرحال لطف آ رہا تھا۔ ان سارے معاملات میں زندگی کے ایک نئے کھیل سے روشناس ہو رہا تھا میں۔ وہ مجھے لے کر ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ فیض نے کہا اب ایسا کرو بیٹے کم از کم اڑتالیس گھنٹے تک بھوکے رہو، پینے کو پانی بھی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نہیں ملے گا، اڑتالیس گھنٹے پورے ہونے کے بعد ہم ذرا تمہاری مزاج پرسی کریں گے اور ٹھیک ٹھاک ہو جاؤ گے۔

مگر جناب آپ میری مزاج پرسی ابھی کیوں نہیں کیے دیتے بلا وجہ اڑتالیس گھنٹے آپ بھی پریشان ہوں گے اور میں بھی۔

میں تو حاضر ہوں۔

بکواس مت کرو جتنے چالاک تم بننے کی کوشش کر رہے ہوں ناں اتنے چالاک ہو نہیں اور پھر ہم نے اچھے اچھوں چالاکوں کے دماغ ٹھیک کر دیئے ہیں۔ تمہاری اوقات کیا ہے، یہ کہہ کر فیض علی نے دروازہ بند کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ باپ رے باپ اڑتالیس گھنٹے کی بھوک پیاس جبکہ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ لیکن بہرحال میں نے سوچا کہ کچھ نہ کچھ اس سے پہلے ہی ہو جائے گا پھر میں نے آہستہ سے تیجا کو آواز دی۔ ابے او بھائی تیجا یہ کیا چکر چل گیا، کم از کم مجھے بتا تو دو کہ مجھے آگے کیا کرنا ہے، لیکن تیجا کی کوئی آواز سنائی نہ دی۔ اس نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہاں اس کا آنا مشکل ہی ہوگا، یہ عمارت کسی طرح کے حصار میں ہے۔ بہرحال کوئی چھ گھنٹے لگے اس قید خانے میں اور اس کے بعد دروازے پر کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور اس کے بعد وہ مست شباب بہار کے ایک جھونکے کی مانند اندر داخل ہوئی۔ لیکن یہ بہار بھیگی ہوئی تھی، یعنی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی، پیچھے پیچھے وہی معمر خاتون بھی تھیں اور اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔ تم میرے ساتھ جو بھی سلوک کرو فیروز لیکن میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتی، چلو آؤ باہر میں دیکھتی ہوں کون تمہیں قید رکھتا ہے۔

ارے واہ امی یہ بھی اچھی بات ہے دامادوں کے ساتھ یہ سلوک کریں گے اور اس کے بعد توقع رکھیں گے ان سے کہ وہ آپ کے ساتھ اچھی طرح پیش آئیں گے۔

فیروز تم مجھے یہاں سے لے چلو اگر کسی درخت کے نیچے لے جا کر بٹھا دو گے تو اپنے ماں باپ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اف تک نہیں کروں گی۔ ہمیں نہیں چاہئے یہ دولت کے انبار، ہم الگ دنیا بسائیں گے۔ چلو، میں نے گردن ٹیڑھی کر کے کہا اور وہ مجھے بازوؤں سے پکڑ کر باہر لے آئی۔ لیکن بہرحال نہ میں اسے کسی درخت کے نیچے لے کر گیا اور نہ اس نے اپنی یہ دنیا چھوڑی بلکہ ایک خوبصورت دنیا میں لے آئی تھی وہ مجھے۔ یہ اس

کا بیڈ روم تھا اور شاید میرا بھی، عمر رسیدہ جس کو اس نے امی کہہ کر پکارا تھا، پیچھے پیچھے آئی تھی دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے دروازے پر دستک دی اور پھر اندر آ گئی، اس نے کہا کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے میں دیکھوں گی ان لوگوں کو۔ ہم کب تک ان کے ہاتھوں کھلونے بنیں رہیں گے، ہم احتجاج کریں گے نیر، لیکن پلیز اس وقت تک کہیں جانے کی ضد مت کرنا جب تک میں تم سے اپنی ناکامی کا اظہار نہ کر دوں۔ سمجھ رہی ہونا میری بات، میں جا رہی ہوں، دیکھو نیر تم بھی عقل سے کام لینا۔ براہ کرم ایسا کوئی عمل مت کرو جس سے یہ گھر تباہ و برباد ہو جائے، عقل سے کام لینا ٹھیک نہیں ہے، میں جا رہی ہوں، زیادہ دیر تم لوگوں کے درمیان نہیں رہنا چاہتی، عمر رسیدہ عورت باہر نکل گئی۔

میں اس دلچسپ صورتحال سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا اور کافی حد تک بات میری سمجھ میں آ گئی تھی، نیر جسے دیکھ کر حواس گم ہونے لگتے تھے، خاموشی سے کھڑی مجھے دیکھتی رہی۔ پھر سسکی لے کر بولی میرے آنسو نہیں پونچھو گے۔

ایک عجیب سا سوال تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس کے قریب پہنچا، آنسو پونچھنا تو ایک معمولی سی بات تھی میرا تو دل چاہ رہا تھا کہ اسے اپنے سینے میں سجا لو۔ اس کے بالکل قریب پہنچا تو اس نے مجھے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی محبت۔ ایسی پاکیزگی ایسے جذبے تھے کہ اچانک ہی میرے وجود میں لرزشیں پیدا ہو گئیں۔ دماغ میں ایک ایسے طوفان کا احساس ہوا جو سارے وجود کو ہلا رہا تھا۔ کوئی چیز اندر سینے کی گہرائیوں میں اتر رہی تھی اور اس کے بعد کچھ آوازیں کانوں میں گونج رہی تھیں۔ غلط فہمی کا شکار، یہ ان بری عورتوں میں سے نہیں ہے جو ہر مرد کو اپنی قربت بخش دیتی ہیں۔ یہ تمہیں اپنا شوہر سمجھ رہی ہے اور اس حوالے سے تجھ پر اپنی محبتیں لٹا رہی ہے، اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کر۔ یہ ضمیر کا ایک ایسا داغ ہوگا جسے تو قیامت تک نہیں مٹا سکے گا۔ بہت سی آئی ہیں تیری زندگی میں، بہت سی آئیں ہیں تو نے ان سے زندگی کا لطف اٹھایا ہے حالانکہ وہ بھی گناہ تھا لیکن یہ گناہ عظیم ہوگا کوئی بہت بڑی غلط فہمی زیر عمل ہے۔ اپنے ظرف کا ثبوت دے۔ اپنے انسان ہونے کا ثبوت دے اور اچانک ہی میرے سارے وجود میں جھنجھناہٹ ہونے لگی، میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کہ وہ مجھے دیکھتی ہوئی بولی۔ پھر میرے لیے تمہارے دل میں نفرت ابھر آئی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"کیا دیوانگی ہے تمہارے اندر مجھے نہیں جانتے۔"

"نیر کے نام سے تو تمہیں جانتا ہوں۔"

ابھی ابھی تم سے واقف ہوا۔ تھوڑی دیر پہلے کی بات ہے۔ فیروز کیا تمہارے دل میں انسانیت کا کوئی گزر نہیں ہے۔ بدقسمتی سے انسانیت ابھی ابھی میرے دل سے گزری ہے، میں نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو پھر بہنے لگے تھے۔ میں نے کہا۔

"نیر میں تمہارا ہاتھ نہیں پکڑنا چاہتا حالانکہ تم اتنی خوبصورت ہو کہ میرے اندر دیوانگی ابھر آئی تھی۔ نیر آؤ بیٹھو اگر میں نے تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں بٹھانے کی کوشش کی تو بعد میں جو تمہیں افسوس ہوگا تم اسے کبھی نظر انداز نہیں کر سکو گی۔ آؤ پلیز بیٹھو۔" میں واپس مڑا اور مسہری پر بیٹھ گیا۔ وہ بہت دیر تک وہیں اپنی جگہ کھڑی رہی تھی۔ پھر وہ اس کے بعد آہستہ آہستہ قدموں پر چلتی ہوئی قریب آئی اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

نیر پلیز یہ آنسو خشک کرلو، دیکھو تم عورت ہو، ایک پاکیزہ اور پروقار عورت، میں مرد ہوں نیر تمہاری غلط فہمی سے فائدہ اٹھا کر میں اپنے دل کی تمام خواہشات کو پورا کر سکتا ہوں جو میرے سینے میں تمہیں دیکھ کر پہلے ہی لمحے میں ابھری تھیں۔ نیر لیکن میں اپنا عمل پورا کر کے جاؤں گا یہاں سے اور تم زندگی بھر اپنی نسوانیت کی لاش پر بیٹھی سسکتی رہو گی۔ نیر نہ ڈرنا اور نہ خوفزدہ ہونا تمہیں اس بات کا علم تو ہو ہی گیا ہوگا کہ یہ لوگ مجھے اغوا کر کے لائے ہیں۔ شاید کوئی خواب آور چیز سونگھا دی گئی تھی اور اس کے بعد مجھے بزور طاقت یہاں اٹھا کر لایا گیا تھا۔ نیر میں نے ان میں سے کسی سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں فیروز ہوں۔ ظاہری طور پر میری شکل اس شخص سے اتنی ملتی ہوگی کہ تم سب دھوکہ کھا بیٹھے۔ نیر میں ایک آوارہ منش انسان ہوں، زندگی میں بھٹک رہا ہوں بری طرح اور سچ بتاؤں تجھے مگر نہیں وہ میں تمہیں نہیں بتانا چاہتا۔ میں تمہیں سچ بتاؤں بس تمہیں دیکھ کر میں بھی دیوانہ ہوگیا تھا۔ ایک نوجوان مرد کی حیثیت سے تم سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں سوچا تھا اور یہی مقصد تھا مگر نہیں نیر نہیں تمہاری آنکھوں میں جو پاکیزگی تیر رہی ہے میرا ضمیر اس پاکیزگی کو داغدار کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ نیر میں کوئی اچھا انسان نہیں ہوں لیکن اس سے

زیادہ برا انسان میں بننا نہیں چاہتا، پتہ نہیں کیوں۔ میں یہ سب کچھ چھوڑ رہا ہوں، تمہیں، اس دولت کو تم لوگوں سے تعاون کر کے اپنے لیے ایک خوبصورت زندگی حاصل کرنا میرے لیے اب مشکل نہیں ہے لیکن نیر ایک تاج محل بنانا چاہتا ہوں اور اس کا سنگ بنیاد رکھ چکا ہوں۔ مجھے اجازت دو جاؤں گا یہاں سے تمہارے پاس رہا تو تم بھی غلط فہمی میں ڈوبی رہو گی اور میرا بھی ذہن بھٹکتا رہے گا۔ اگر تم نے مجھ سے اصرار کیا تو سنو میں فیروز نہیں ہوں، میرا نام فرید ہے، میں کیا ہوں اس بارے میں مجھ سے کچھ مت پوچھنا۔ میں ایسی بدروحوں کے قبضے میں ہوں جو پتہ نہیں کیوں تمہیں نقصان پہنچانا چاہتی ہیں لیکن کم از کم نیر یہ راستہ تو انہوں نے اختیار کیا ہے۔ میں اس میں ان سے تعاون نہیں کروں گا۔ تم بہت اچھی ہو، میری دعا ہے کہ تمہیں تمہارا شوہر مل جائے۔ اب مجھے اجازت دو ورنہ تو مجھے فیض علی روک سکتا ہے نہ حامد علی شاہ۔

نیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی، پھر اچانک اس کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی، اس کی نگاہیں اس بیڈ روم کے بائیں طرف اٹھ گئیں تھیں۔ میں نے اس کی آنکھوں کے تعاقب میں اس طرف دیکھا تو شدت حیرت سے گنگ ہو کر رہ گیا۔

ایک باریش بزرگ سفید لباس پہنے ہوئے تھے، سر پر ٹوپی تھی، سجدہ ریز تھے وہ ہم نے پہلے انہیں نہیں دیکھا تھا اور اب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ میں نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن اسی وقت بزرگ سجدے سے اٹھے، انہوں نے گردن گھما کر ہمیں دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آہستہ آہستہ وہ ہمارے پاس پہنچے، میرے منہ سے نکلا چاچا جان۔ ہاں بیٹی تمہیں بس اتنا بتاؤں گا کہ یہ فیروز نہیں ہے۔ یہ ان کے ہم شکل بے شک ہیں لیکن فیروز نہیں ہے اور اس وقت میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ نیر کہ صرف کچھ روز بعد فیروز واپس آرہا ہے وہ یہاں پہنچ جائے گا۔ بیٹی اپنے دل کو ہلکا نہیں کرنا، تمارے باپ اور چچا کی آنکھوں میں رکھا گیا ہے وہ دنیا دار ہیں وہ صرف دنیا میں دیکھ رہے ہیں۔ یہ بچہ تمہیں آسانی سے داغدار کر سکتا تھا لیکن یہی تو کسوٹی تھی میری۔ ہاں یہی کسوٹی تھی میری اللہ نے میری لاج رکھ لی اور جب اللہ کسی کی لاج رکھے تو کون اسے داغدار کر سکتا ہے، کس کی مجال ہو سکتی ہے۔ بیٹا بس اتنا بتا دوں اپنے ذہن کو مت بھٹکانا بھٹکے ہوئے لوگ جن کی آنکھوں میں روشنی نہیں وہ چاہیں کچھ بھی کرتے رہیں تم اس کی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پرواہ مت کرنا۔ میں اسے لیے جا رہا ہوں یہ تمہارا فیروز نہیں ہے۔

آؤ بزرگ نے مجھ سے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کمرے سے باہر لے آئے۔ پھر مجھے خاصا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا اس شاندار عمارت کے مغربی گوشے میں ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا، بے رنگ عجیب قسم کا کمرہ۔ بزرگ نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ باہر سے چھوٹا سا نظر آنے والا کمرہ اندر سے اتنا وسیع ہوگا۔ معمولی سا فرنیچر ادھر رکھا ہوا تھا، ایک طرف ایک مٹکا رکھا ہوا تھا، جس میں پانی تھا۔ بزرگ نے ایک پیالے میں پانی بھرا اور مجھے دیتے ہوئے بولے، لو یہ پانی پی لو، میں نے پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو نجانے کیسے وہ پیالہ گر گیا اور پانی بکھر گیا۔ بزرگ نے مجھے دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے پیالہ اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا دوبارہ پانی مجھے نہیں دیا تھا۔ ویسے ان کی بزرگ کی نگاہیں بدستور میرا جائزہ لے رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا اللہ بہتر جانتا ہے صرف اللہ بہتر جانتا ہے تم نے جس طرح میری آبرو کا تحفظ کیا ہے بیٹے مجھ جیسا گناہ گار انسان تمہیں اس کا صلہ نہیں دے سکتا۔ سوا اس کے کہ جو ڈراؤنی قوتیں تمہارے اردگرد بکھر گئی ہیں جن ناپاک قوتوں نے تم سے تمہارا ایمان چھین لیا ہے، خداوند کریم ان سے تمہارا تحفظ کرے۔ تمہیں ان کے جال سے نکالے لیکن میں یہ سمجھا کہ تم نے اپنی فطری شرافت سے کام لے کر ایک آبرو مند لڑکی کی عزت بچائی لیکن اب مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ اس کے پس منظر میں بہت کچھ ہے۔ میری نگاہیں اتنی گہری نہیں ہیں کہ اس بہت کچھ کا جائزہ لے سکے۔ میں تمہیں بس دعائیں دے سکتا ہوں۔ بیٹھو گے کچھ دیر میرے پاس اس کے بعد جہاں دل چاہے چلے جانا اور تمہارا چلے جانا ہی بہتر ہوگا۔ میں خاموشی سے گردن جھکا کر بیٹھ گیا تھا۔ بزرگ کی باتیں میرے لیے نہایت دلچسپ تھیں۔ وہ کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے بات خاصی پرانی ہو چکی ہے بیٹے میرے ایک پیر تھے۔ بس یوں سمجھ لو انہوں نے میرے ساتھ کافی وقت گزارا تھا۔ ایک بار میں انہیں ساتھ لے کر ایک دیہات سے آ رہا تھا موسم چونکہ بہتر نہیں تھا۔ سخت سردی پڑ رہی تھی اوپر سے بادل آئے اور بارش شروع ہو گئی لیکن ہمیں اپنی منزل پر پہنچنا تھا۔ میرے مرشد ایک اجتماع میں شرکت کے لیے جا رہے تھے جو بزرگوں اور ولیوں کا اجتماع تھا۔ سڑک کے کنارے پیپل کے درخت کے نیچے بنے ایک چوبرتے پر ہمیں ایک

شخص بیٹھا ہوا نظر آیا اور ہم نے بیل گاڑی روک لی۔ ہم نے یہ سوچا کہ شاید یہ انسان کسی مدد کا طلب گار ہو میں اس کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اس کی لمبی لمبی ٹانگیں معذور تھیں۔ مگر اس کا وجود انتہائی مکروہ اور شیطانی معلوم ہوتا تھا۔ میں قریب پہنچا تو اس نے مجھ سے کہا اسے بھی شہر جانا ہے میں اسے ساتھ لے چلوں۔ میں نے اپنے مرشد سے اجازت لینا ضروری سمجھا مرشد کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا وہ شیطان ہے، سفلی علم کا ماہر ہے اور اسے ساتھ لے جانا مناسب نہیں ہے۔ میں نے سوچا کہ اس سے معذرت کر لوں اور مرشد سے اجازت لے کر میں اس کے پاس آ گیا اور اس سے کہا کہ ہم اسے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ تو وہ مجھ سے کہنے لگا کہ جس نے تجھ کو منع کیا ہے وہ تیرا دشمن ہے۔ اگر تو مجھے ساتھ لے جائے گا تو میں تجھے وہ قوتیں دوں گا جو تیرا مرشد نہیں دے گا میں نے اس سے دوبارہ معذرت کی تو اس نے ایک ہاتھ بڑھا کر مجھے پکڑ لیا اور بولا کہ بس میں اسے کندھوں پر سوار کر لوں۔ اس وقت میرے دل میں ایک عجیب خیال آیا میں نے اس سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس نے بڑی طاقت سے مجھے پکڑ رکھا تھا۔ پھر اس نے جدوجہد کر کے اچانک ہی میرے کندھے پر سواری کر لی۔ اس کی لجلجی ٹانگیں مجھے لپیٹنے لگیں تو مجھے بھی غصہ آ گیا۔ میں نے ان ٹانگوں کو پکڑا ایک بات تو میں تمہیں بتانا بھول گیا ان دنوں میں پہلوانی کرتا تھا، کئی استادوں سے میں نے داؤ پیچ سیکھے تھے اور دیسی کشتی کے بہت سے داؤ مجھے آتے تھے۔ میں نے ایسا ہی ایک داؤ لگا کر ان ٹانگوں کو لپیٹا اور اسے زمین سے دے مارا۔ کافی چوٹ لگی تھی اسے تھوڑی دیر تک بلبلاتا رہا، پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے مجھے خونی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا کہ وہ نہ صرف مجھ سے میرا ایمان چھینے گا بلکہ اس طرح داغدار کرے گا مجھے کہ میں بھی زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ میں مرشد کے پاس چلا آیا اور اس کے بعد زندگی کے بہت سے الٹ پھیر ہوتے رہے، اس نے مجھ پر تین مرتبہ وار کیا ہے۔ مرشد تو اس دنیا سے چلے گئے ہیں، میں بھی دنیا دار ہو گیا اور جب اپنے فرائض سے فارغ ہوا تو میں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی لیکن وہ مجھ پر وار کرتا رہا اور تقدیر مجھے بچاتی رہی۔ وہ میری عزت و آبرو ختم کر کے مجھے ساری دنیا میں رسوا کرنا چاہتا تھا اور اس بار بھی اس نے مجھ پر اتنا بھرپور وار کیا۔ میں اب تمہیں تھوڑی سی الگ کہانی سناتا ہوں میرا بیٹا بڑا غصہ ور ہے، دوسرا بیٹا فیض علی شاہ اس سے بھی زیادہ بری فطرت کا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مالک ہے۔ اللہ نے ان لوگوں کو دولت دی ہے میں تمہیں بتاؤں کہ دولت میری کمائی ہوئی نہیں ہے۔ حامد علی شاہ نے اپنے طور پر جدوجہد کر کے اپنی حیثیت بنائی ہے لیکن اللہ کا فضل ہے میرے دونوں بیٹے میرا بہت احترام کرتے ہیں میں نے بھی گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے ان کے کسی معاملے میں ٹانگ نہیں اڑاتا۔ بزرگوں کا یہی کام ہوتا ہے، نیر میری پوتی ہے اکلوتی اور ہم سب کی لاڈلی لیکن تقدیر نے اس کی پیشانی داغدار کر دی۔ قصور کسی کا تھا بھگتنا اسے پڑا، بزرگ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے اور میں دلچسپی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ بہرطور یہ سنسنی خیز داستان بڑی پراسرار حیثیت کی حامل تھی اور اب سب کچھ بھول کر اس کی تکمیل کا منظر تھا۔ ویسے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ جس شخص کا تذکرہ یہ بزرگ کر رہے ہیں وہ تیجا ہے لیکن باقی کہانی سے بھی مجھے بہت دلچسپی تھی نہ جانے باقی کہانی کیا تھی۔

☆.....☆.....☆

میں منتظر تھا کہ بزرگ مجھے آگے کی کہانی سنائیں مگر وہ اچانک ہی خاموش ہو گئے تھے۔ دیر تک یہ خاموشی طاری رہی اس کے بعد انہوں نے کہا۔

''بس یوں سمجھ لو کہ یہ کہانی مختصر کرتا ہوں کہ اس شیطان زادے نے مجھے اپنی راہ پر لانے کی کوششوں میں ناکام ہو کر مجھ سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا اور مجھ سے کہا کہ وہ مجھے اس طرح بے آبرو کرے گا کہ میں اس دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا لیکن قربان جاؤں اپنے معبود کے محافظ اعلیٰ تو وہی ہے وہی انسانوں کو دکھ سے بچاتا ہے اس نے تمہارے دل میں انسانیت پیدا کی اور وہ شیطان زادہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ کیا تم یقین کرو گے نوجوان لڑکے میں ان تمام باتوں سے غافل نہیں تھا لیکن میں بھی اپنی ریاضت کو آزما رہا تھا اور اللہ نے مجھے سرخرو کیا۔ بیٹے اصل میں فیروز ناراض ہو کر جا چکا ہے لیکن جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ بہت مختصر وقت جا رہا ہے کہ وہ واپس آ جائے گا لیکن اب ایسا کرو کہ یہاں سے چلے جاؤ۔''

''محترم بزرگ آپ کو تو پتہ ہے کہ میں شروع ہی سے اس بات سے انکار کر رہا ہوں لیکن یہ لوگ نہیں مان رہے۔''

''قصور ان کا بھی نہیں ہے۔ یہ بھٹکے ہوئے لوگ ہیں اور وہ شیطان زادہ بھٹکائے ہوئے ہیں، آؤ میں تمہیں یہاں سے نکال دوں۔ تمہارا یہاں سے چلے جانا بہتر ہے۔''

بزرگ نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے میں اس وقت جس ذہنی کیفیت سے گزر رہا تھا یہ بڑی عجیب و غریب تھی یوں لگ رہا تھا جیسے میں خود بھی قوت فیصلہ کھو بیٹھا ہوں اور اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ بہرحال میں ان کے ساتھ باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں یہاں سے کافی دور نکل گیا۔ اب ساری باتیں پیچھے رہ گئیں تھیں کہ عالم بے خودی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بھی تھا۔ نیکی اور بدی میرے وجود میں جنگ کر رہی تھی۔ بار بار اس منحوس کے جال میں پھنستا لیکن تقدیر مجھے اس جال سے نکال لے جاتی۔ نجانے قسمت کو کیا فیصلے کرنے تھے اب تو اپنے بارے میں سوچنا بھی بند کر دیا تھا۔ بیکار اور بے مقصد تھا میرا سوچنا کیونکہ اپنی سوچیں انسان کے لیے بالکل بے مقصد چیزیں ہوتی ہیں۔ وقت خود اس کے لیے فیصلے کرتا ہے اور بہرطور اس وقت کے سامنے سر جھکانا پڑ جاتا ہے۔ تمام جدوجہد بیکار ہو جاتی ہے۔ سارے منصوبے رہ جاتے ہیں ہوتا وہی ہے جو وقت اور تقدیر کو منظور ہو۔ نجانے کتنا فاصلہ طے کرتا رہا پھر شدید تھکن طاری ہوگئی تو ایک جگہ بیٹھ گیا۔

کون سی جگہ تھی کیسی تھی کچھ اندازہ نہیں تھا پورے وجود پر شدید تھکن طاری تھی۔ بدن اس طرح اینٹھا جا رہا تھا جیسے ساری رگیں اور پٹھے بیکار ہو گئے ہوں جس جگہ بیٹھا تھا وہاں بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ صبح کو آنکھ کھلی تو تیز دھول اڑ رہی تھی۔ ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ میرا سارا وجود اور کپڑے گرد آلود ہو گئے تھے۔ سر اور چہرہ بھی مٹی میں اٹ گیا تھا اپنی جگہ سے اٹھا تھوڑے فاصلے پر سرکاری نلکہ لگا ہوا تھا وہاں منہ ہاتھ دھونے بیٹھ گیا پانی کے ایک گھڑے میں اپنی شکل دیکھی تو خود کو ہنسی آنے لگی اور افسوس ہونے لگا حالانکہ میری شخصیت اتنی خراب نہیں تھی لیکن اس وقت یہ حلیہ بن گیا تھا لگ رہا تھا فقیر ہوں اور پھر میرے ذہن میں اچانک ہی ایک خوف کی لہر بیدار ہوگئی۔ اس وقت تو تھکن غالب آ گئی تھی۔ اب ہوش و حواس درست ہوئے تھے اور جب ہوش و حواس درست ہوئے تھے تو مجھے تیجا یاد آیا تھا۔ تیجا نے تو مجھے بہت سی ہدایات دے کر یہاں بھیجا تھا لیکن یہ کیا ہوا ساری ہدایات بھول گیا۔ نیکی وجود پر غالب آ گئی اور وہ نہیں جو تیجا نے کہا تھا۔ اب بھلا تیجا مجھے کہاں چھوڑے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اندر سے ایک اور لہر سی اٹھی یہ ضمیر کے سکون کی لہر تھی تیجا کی بات کو رد کر دیا تھا میں نے انسانیت کے راستے اپنائے تھے ضمیر کی آواز کو سنا تھا چنانچہ ضمیر پرسکون تھا۔ تیجا کو بے شک تکلیف پہنچی میری ذات سے اور یہ لازمی بات ہے کہ وہ انتقام لینے کے لیے پھر میرے قریب پہنچے گا پھر اپنے آپ پر ہنسی آئی درحقیقت اگر کوئی انسان ہوتا چاہے وہ کوئی پہلوان ہی کیوں نہ ہوتا کوئی بہت بڑا غنڈا ہی کیوں نہ ہوتا میں بھی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس سے مقابلہ کرتا اور یہ فیصلہ کر لیتا کہ وہ رہے گا یا میں لیکن میں اس شیطانی وجود کا کیا کرتا جو نہ انسان تھا نہ حیوان کوئی شکل ہی نہیں

تھی اس بدبخت کی۔ ایسے منحوس لوگ آخر کیوں جینا چاہتے ہیں۔ بات بعض اوقات تو سمجھ میں بھی نہیں آتی لیکن بہرحال جو مصیبت نازل ہونا ہوتی ہے وہ تو ہو کر رہتی ہے اب مجھے تیجا کا انتظار تھا کہ کدھر سے آ کر میری گردن دبوچتا ہے۔ رات گزر چکی تھی صبح کا وقت تھا بھوک بھی لگ رہی تھی، ناشتے کا انتظار تھا لیکن ناشتہ کہاں سے آتا جیب بھی خالی تھی واہ ری تقدیر کیا دلچسپیاں ہوتی ہیں تیرے ساتھ بھی کیا پرلطف بات ہے وہاں سے آگے بڑھ گیا روٹی کا کوئی نام و نشان نہیں تھا نجانے کب تک چلتا رہا پھر ایک جگہ قطار سے درخت دیکھے درختوں کی چھاؤں بڑی اچھی لگی اور میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سوچنے لگا کہ بھوک کا بھی اپنا ایک مزہ ہے۔ بھوکا انسان دنیا کے بارے میں بہت کم سوچتا ہے۔ اس وقت اس کی سوچ میں صرف کھانے پینے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ آنکھیں بند کرو اور اپنی پسند کی لذتوں میں ہمکنار ہو جاؤ۔ وہ گاڑی سامنے سے گزری تھی اور پھر ریورس ہو کر سامنے آ رہی تھی اتنا اندازہ تو آنکھیں بند ہونے سے بھی ہو سکتا تھا۔ چمچماتی ہوئی شاندار کار تھی۔ میں نے چونک کر آنکھ کھولی، کار کی عقبی سیٹ پر ایک بیگم صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ بڑی اچھی شکل و صورت کی مالک ہمدردی کی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ ڈرائیور بھی میری ہی جانب دیکھ رہا تھا۔ بیگم صاحب نے انگلی کے اشارے سے مجھے بلایا۔ ان کے بلانے کا انداز میرے لیے کچھ ناخوشگوار تھا۔ دو تین بار انہوں نے اشارہ کیا اور پھر بیگم صاحبہ نے ڈرائیور سے کچھ کہا اور ڈرائیور نیچے اتر کر میرے پاس پہنچ گیا۔

"اندھا ہے کیا، نابینا ہو؟"

ڈرائیور کے لہجے میں ہمدردی تھی تلخی نہیں تھی۔

"کیوں خیریت"

میں نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"نہیں میں پوچھ رہا ہوں میڈم کا کیا خیال ہے کہ شاید تمہیں نظر نہیں آتا۔"

"کون میڈم؟"

"وہ جو کار میں بیٹھی تمہیں اشارے سے بلا رہی ہیں۔"

"ان سے جا کر کہو کہ انسانوں کو ایسے نہیں بلایا جاتا۔"

"اوہو اس کا مطلب ہے کہ تم دیکھتے ہو۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ہاں کم از م انہیں ضرور دیکھ رہا ہوں۔ کیا سمجھتی ہیں وہ اپنے آپ کو قیمتی کار میں بیٹھی ہیں وہ کار ان کی ہے مجھے نہیں دے دیں گی وہ اپنی کار پھر میں ان کے حکم کی پابندی کیوں کروں؟"

بھاری ہمدردی سے تمہیں بلا رہی ہیں ایسے بیٹھے ہوئے ہو میڈم کے دل میں دیا آ گئی۔ بہت بڑے لوگ ہیں وہ جاؤ مل لو۔ ہوسکتا ہے تمہاری کوئی مشکل حل کردیں۔"

"جاؤ اور ان سے کہو کہ میرے سے اگر ملنا ہے تو اتر کر میرے پاس آئیں ہو سکتا ہے میں ان کی کوئی مشکل حل کردوں۔"

"بڑا ٹیڑھا آدمی ہے بھائی۔"

ڈرائیور نے کہا اور واپس کار کی جانب چل پڑا، پھر اس نے بیگم صاحب سے کچھ کہا تھا اور بیگم صاحب ہنستی ہوئی دروازہ کھول کر نیچے اتر آئیں تھیں۔ میرے قریب پہنچیں اور بولیں۔

"ہوں! سرکار اعلیٰ کیسے بیٹھے ہوئے ہیں یہاں؟"

"آپ کارپوریشن کی چیف ہیں کیا اور مجھے کوڑا سمجھ رہی ہیں۔"

"ارے نہیں نہیں میں تو بس یہ دیکھ رہی تھی کہ اچھے خاصے ہٹے کٹے ہو بھیک کیوں مانگ رہے ہو؟"

"شرم نہیں آتی آپ کو کس نے آپ سے بھیک مانگی؟"

"اوہو، اچھا بھائی ٹھیک ہے معافی مانگے لیتے ہیں ہم، ہم تو یہی سمجھے تھے کہ شاید تم بھیک مانگ رہے ہو۔"

"جتنی چھوٹی سی کھوپڑی ہے اس کے تحت تم یہی سوچ سکتی ہو۔"

میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور وہ خاتون ہنس پڑیں پھر انہوں نے کہا۔

"اب تو ظاہر ہوگیا کہ بھوکے ہو چلو گے میرے ساتھ۔"

"کہاں.....؟"

"میرے گھر....."

"کیوں.....؟"

"بس تمہارے جیسے چڑچڑے لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں۔"

ایک لمحے کے لیے میں نے سوچا کہ واقعی سارا دن سڑکوں پر مارے مارے پھرنا، بھوکے پیاسے رہنا، تقدیر اگر مجھ پر مہربان ہوئی ہے تو ان خاتون سے تھوڑا بہت فائدہ ہی اٹھاؤں۔ میں نے کہا۔

"گھر لے جا کر ماریں گی مجھے؟"

میرے اس بے ساختہ سوال پر خاتون ہنس پڑیں اور پھر بولیں۔

"کیوں ماروں گی کیوں.....؟"

"جو باتیں میں نے کیں ہیں اس کے بعد تو حقیقت میں میری پٹائی ہی ہونی چاہیے۔"

"اچھا ایسا کرو اب اپنی جگہ سے اٹھو۔ گھوم کر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ نہ میں تمہیں ماروں گی نہ تمہاری پٹائی کروں گی نہ تمہاری بے عزتی کروں گی، تم سے کچھ باتیں کروں گی، کھانا کھلاؤں گی تمہیں اس کے بعد اگر میری باتوں سے تمہیں دلچسپی محسوس ہوئی تو تھوڑا بہت تمہارے کام آؤں گی ورنہ تمہیں اپنی کوٹھی سے رخصت کردوں گی۔"

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور ڈرائیور کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پیچھے سے خاتون نے کہا۔

"چلو ڈرائیور گھر چلو"

ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی تھی۔ قیمتی کار کی سیٹ پر بیٹھ کر نجانے میرے اندر کیا کیا احساسات جاگ رہے تھے۔ میں اس وقت ماضی کی کوئی بات سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ دل میں صرف تیجا کا خوف تھا۔ میں نے اس کی حکم عدولی کی ہے اس کے بعد وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ خطرہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی میرے ساتھ بہتر سلوک کرے گا تو تیجا اس کا بھی دشمن بن جائے گا جیسے یہ معزز خاتون ویسے میں نے پلٹ کر تو نہیں دیکھا تھا لیکن میری آنکھوں میں ان کی تصویر گھوم رہی تھی۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ اگر بدتمیزی کا سلوک کیا جائے تو وہ نرم اور خوش اخلاق ہی رہیں۔ خاتون کے بدن سے بڑی اچھی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ کوئی بہت ہی قیمتی سینٹ لگایا ہوا تھا انہوں نے جس کوٹھی میں کار داخل ہوئی وہ بھی اپنی مثال آپ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھی۔ دونوں طرف ہرے بھرے لان۔

"گوپال سے کہہ دو کہ اسے کسی اچھے سے کمرے میں لے جائے۔ سب سے پہلے اسے کھانا دیا جائے۔ اس کے بعد بتا دوں گی کہ کیا کرنا ہے۔"

ڈرائیور نے گردن جھکا دی تو خاتون اتر کر اندر چلی گئیں۔ ڈرائیور نے مجھے دیکھ کر پھر طنزیہ انداز میں کہا۔

"آیئے مہاراج"

میں اس کے ساتھ چل پڑا تھا اب جب یہاں تک آ ہی گیا تھا تو زیادہ نخرے دکھانا مناسب بھی نہیں تھا۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لے گیا اور مجھ سے بولا۔

"بیٹھو! گوپال کو بھیجتا ہوں۔"

مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے ڈرائیور کو میری آمد ناپسند ہوئی ہو یا پھر یہ بات ہو سکتی ہے کہ میں نے ڈرائیور سے جو گفتگو کی تھی اس کا ردعمل اس پر تھا۔ گوپال ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا، نرم طبیعت کا مالک اور نرم چہرے والا مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"بھیا ڈرائیور نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے یہ بتاؤ پہلے منہ ہاتھ دھوؤ گے یا کھانا کھاؤ گے۔"

"پہلے کھانا کھاؤں گا۔"

میں نے جواب دیا اور گوپال باہر چلا گیا اس وقت میرا جو حلیہ ہو رہا تھا وہ قطعی اس قابل نہیں تھا کہ اس شاندار کمرے میں بیٹھوں۔ میں زمین پر بچھے ہوئے قالین پر بیٹھ گیا حالانکہ بہترین مسہری اور میز کرسی وغیرہ بچھی ہوئی تھی لیکن حلیے کا کیا کرنا۔ گوپال ایک بہت ہی عمدہ صاف ستھری ٹرے لے کر اندر آیا اور مجھے قالین پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"ارے رام..... رام..... بھیا کھوپڑی تڑواؤ گے کیا ہماری اوپر آرام سے بیٹھو، ادھر بیٹھ کر کھانا کھاؤ اس نے کھانا میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"گوپال میرے کپڑے ٹھیک نہیں ہیں۔"

"بھیا ابھی انتظام کرتے ہیں۔ تم نے خود ہی کہا تھا کہ پہلے کھانا کھاؤ گے ہاتھ جوڑتے ہیں تمہارے پہلے کھانا کھا لو۔ یہاں بیٹھنا ہوگا تمہیں میرے ساتھ میں نے کہا۔

"ایں تو بیٹھ جائیں گے اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟"

"گوپال تم بھی کچھ کھا لو"

"بھیا پیٹ بھرا ہوا ہے ورنہ ضرور بیٹھ جاتے تمہارے ساتھ۔"

"ہوں....."

میں نے کھانا شروع کر دیا پھر میں نے کہا۔

"میں سڑک پر بیٹھا ہوا تھا تمہاری ان بیگم صاحبہ نے مجھے دیکھا اور اٹھا کر یہاں لے آئیں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا میں حالانکہ میں نے ان سے ایسی باتیں کیں تھیں کہ کوئی مجھے اٹھا کر تو کیا لاتا۔ وہیں ٹھوکریں مار چھوڑ آتا۔ یہ بیگم صاحبہ کس قسم کی ہیں؟"

گوپال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور ایک لمحے کے لیے مجھے ایسا لگا جیسے اس مسکراہٹ میں مکاری ہو لیکن پھر فوراً ہی گوپال کی نرم اور محبت بھری آواز نے میری غلط فہمی دور کر دی، وہ بولا "مالکن کا نام درگا دیوی ہے بڑی بھرماتما ہیں۔ انسانوں کی بہتری کے لیے دن رات کام کرتی ہیں۔ کئی آشرم بنا رکھے ہیں، انہوں نے تھوڑا سا کاروبار ہے بھگوان کا دیا سب کچھ موجود ہے انسانوں سے پریم کرتی ہیں اور انسانوں کے کام آتی ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ تم دکھوں مارے ہو اور دکھوں میں ڈوب کر ایسی باتیں کر رہے ہو۔ برا نہیں مانتی وہ ایسی باتوں کا بس اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"درگا دیوی ہیں وہ۔"

"ہاں....." اس سے زیادہ گوپال سے کچھ پوچھنا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا ان درگا دیوی کو جب یہ بات معلوم ہوگی کہ میں مسلمان ہوں تو چھی ..... چھی کر کے مجھے باہر نکال دیں گی۔ چلو تب تک ہی سہی تھوڑا بہت سکون تو مل جائے گا گوپال بولا۔

"بھیا اگر تم اجازت دو تو ہم تمہارے لیے کپڑوں کا بندوبست کر دیں۔ دیکھو وہ ولایتی غسل خانہ ہے۔ کھانا کھانے کے بعد نہا دھو لینا۔ صاف ستھرے ہو جانا۔ درگاہ جی شام کو تم سے ضرور ملاقات کریں گی۔"

"شام کو.....؟"

"ہاں ابھی ان کے ..... آرام کا وقت ہے صبح بہت جلدی جاگ جاتی ہیں وہ سارے کام نمٹا کر آجاتی ہیں اس وقت تک گھر پر اس کے بعد شام تک آرام کرتی ہیں۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گوپال کے لائے ہوئے کپڑے بے شک عجیب تھے لیکن بہرحال میں نے غسل کرکے پہن لیے کیونکہ مٹی میں اٹا ہوا تھا جو بھی صورتحال تھی اس کے بارے میں بہرحال جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا۔ کم از کم شام تک کی مہمان داری اور سہی پانچ بجے چائے ملی اور چائے ملنے کے بعد طلبی ہوگئی۔ درگا دیوی اپنی کوٹھی کے بائیں سمت والے لان پر اکیلی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس کے ملازم تھوڑے فاصلے پر تھے اور درگاہ دیوی نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا مسکرائی اور ہنس پڑی اس وقت میں نے اس کی شکل وصورت دیکھی کوئی 35 سالہ خاتون تھی۔ بہت ہی خوبصورت جسم کی مالک چہرہ بھی دلکش تھا لیکن آنکھیں ذرا کچھ عجیب سی تھیں۔ ان آنکھوں میں آگ سی جلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ لگتا تھا جیسے شعلے اندر ہی الاؤ بھڑک رہے ہوں۔ اس وقت میں نے ان آنکھوں پر غور کیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ میں وہاں پہنچ گیا اور پھر درگا دیوی نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ....."

"اصولی طور پر مجھے زمین پر بیٹھنا چاہئے تھا چنانچہ میں وہیں بیٹھ جاتا ہوں۔"

"سنو کرسی پر بیٹھو مجھے بے وقوف سمجھتے ہو۔"

درگادیوی کے الفاظ پر میں چونک پڑا۔

"میں سمجھا نہیں دیوی جی۔"

"میڈم کہو مجھے عام طور سے لوگ مجھے میڈم کہتے ہیں۔"

"جی میڈم....."

میں نے کہا۔

"جو کچھ تم بننے کی کوشش کر رہے ہو وہ ہو نہیں۔"

"میں سمجھا نہیں....."

"پڑھے لکھے ہو، سلیقے کی زندگی گزار چکے ہو، تمہارے ہاتھ مشقت کرنے والا یا بھیک مانگنے والے نہیں ہیں۔ تمہاری پیشانی پر غیرت کی لکیر ہے۔ تمہاری آنکھوں میں زندگی جاگتی ہے تمہارے لہجے میں سختی ہے۔ بھکاریوں کا لہجہ سخت ہوتا ہے نا آنکھیں جاندار ہوتی ہیں۔ وہ فطری طور پر بھکاری ہوتے ہیں اور بھکاری ہی رہتے ہیں۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ تم اگر اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ لیکن میں تم سے ایک بات کہتی ہوں۔ بھکاریوں کی طرح سڑک پر آئندہ کبھی نہ بیٹھنا۔ میں اگر تمہاری کوئی خدمت کرسکتی ہوں تو دل جان سے اس کے لیے حاضر ہوں۔"

"آپ نے مجھ سے میرا نام نہیں پوچھا درگا دیوی۔"

میں نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی اور پھر بولی۔

"بتا دو....."

"فرید اللہ ہے میرا نام....."

"ہوں..... میں تمہیں صرف فرید کہوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

وہ بولی اور اب میرے حیران ہونے کی باری تھی۔ میں نے کہا۔

"میں مسلمان ہوں درگاہ دیوی۔"

"یہ بتاؤ انسان ہو یا نہیں؟"

"مطلب.....؟"

"بس اتنا کافی ہے کہ تم انسان ہو، ہندو، مسلمان سکھ، عیسائی کچھ بھی ہو لیکن انسان تو ہو۔" اس سے زیادہ اور کیا سناتا، کسی کو بلاوجہ ذلیل کرنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہوتی۔ میں نے خاموشی اختیار کی اور کچھ دیر تک خاموشی سے درگاہ دیوی کی صورت دیکھتا رہا وہ بولی۔ "گاڑی چلانا آتی ہے۔"

"جی....."

"لائسنس"

"زندگی کا لائسنس نہیں ہے میرے پاس آپ ڈرائیونگ لائسنس کی بات کرتی ہیں۔"

"مل جائے گا میرے پاس رہو گے۔"

"مگر آپ کے پاس تو ڈرائیور موجود ہے۔"

"کبھی بھی کسی اور ڈرائیور کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے میرے کہنے کا مطلب ہے کہ یہاں رہو گے۔ یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں غریب سمجھ کر ٹال رہی ہوں۔ مجھے آدمیوں کی ضرورت رہتی ہے اور تم بھی اگر یہاں رہو گے تو دیوی کا لہجہ محبت بھرا ہوگیا۔ انہوں نے لاڈ بھرے انداز میں یہ الفاظ کہے تھے پھر جلدی سے بولیں۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"برا نہیں ماننا۔ میرا ملازم تمہیں پیچھے ملازموں کے کوارٹروں میں پہنچا دے گا۔ پیچھے ملازموں کے کوارٹروں کی قطار ہے۔ بولو میں نے تم سے تمہارا ماضی نہیں پوچھا۔ نام ٹھیک ہے تم نے خود بتا دیا۔ یہ بھی بتا دیا کہ مسلمان ہو۔ کھانے پینے میں اگر کوئی دقت پیش آئے تو میں تمہیں باقاعدہ اس کے لیے ایک فنڈ دوں گی خود چاہو خود پکا لینا۔ ورنہ باہر کسی مسلمان ہوٹل میں کھانا کھا لیا کرو۔ یا وہاں سے منگوا لیا کرو۔ ادائیگی میں کروں گی۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"اب ایک سوال کرلوں درگا دیوی؟"

"جانتی ہوں کیا سوال کرو گے۔ یہی کہو گے نا کہ میں تمہارے ساتھ یہ سب کیوں کر رہی ہوں؟ مجھے تم سے کیا لالچ ہے تو سنو! مجھے تم سے لالچ ہے لیکن یہ لالچ بتانے کے لیے مجھے تھوڑا سا وقت چاہئے اگر جلد بازی نہ کرو اور یہ جگہ تمہیں مناسب محسوس ہو تو ملازم کے ساتھ چلے جاؤ میں اسے ہدایات دے دیتی ہوں۔ ہری لال یہاں ہمارا خاص ملازم ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ اگر اتنی ہی عظیم ہیں تو میں آپ کے احسان کو ضرور قبول کروں گا۔"

ہری لال چوڑے چکلے بدن کا آدمی تھا لیکن اس کا رویہ بھی میرے ساتھ بہت اچھا تھا حویلی کے عقبی گوشے میں ملازموں کے کوارٹر بنے ہوئے تھے ان کی تعداد چودہ تھی ایک کمرہ اٹیچ باتھ روم باورچی خانہ اور چھوٹا سا صحن، یہ ان کوارٹروں کی کل کائنات تھی۔ ہر کوارٹر دوسرے سے الگ تھا۔ بائیں سمت ایک عمارت بنی ہوئی تھی جس کے بارے میں بعد میں ہری لال نے بتایا۔

"اصل میں یہی پرانی کوٹھی تھی لیکن بعد میں بیگم صاحبہ نے اس کے آس پاس کی زمین خرید کر یہ باقی عمارت بنوائی۔ لیکن پرانی کوٹھی کو انہوں نے اسی طرح قائم رہنے دیا ہے۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہیں۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بہرحال یہاں آرام سے وقت گزرنے لگا۔ کھانے پینے کا کوئی خاص مسئلہ نہیں۔ پوری، بھاجی، ترکاری یہ بھی بہت کچھ ہوتی ہے۔ ویسے ابھی تک میرے دل سے تیجا کا خوف نہیں گیا تھا۔ پتہ نہیں وہ شیطان کا بچہ میری طرف سے غافل تھا یا کوئی اور چال سوچ رہا تھا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ درگا دیوی باقاعدگی سے لوگوں کے ساتھ احسانات کرتی تھیں۔ اکثر غریب افراد ان کے پاس آتے تھے۔ انہیں اپنی دکھ بھری داستان سناتے تھے اور درگا دیوی ان کا دکھ دور کرنے کے لیے بے چین ہو جاتی تھیں۔ بیماروں کے لیے ہسپتالوں سے رجوع کرتیں اور اپنے خرچ پر انہیں علاج کے لیے داخل کرا دیتیں۔ میں نے سوچا کہ کچھ عرصہ اگر یہاں سکون سے گزر جائے تو اچھی بات ہے سب سے بڑی بات کہ درگاہ دیوی نے آج تک میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا اور یہ ایک بڑی بات تھی کیونکہ کوئی بھی انسان کسی اجنبی شخص کو اس طرح اپنے درمیان جگہ نہیں دے دیتا جب تک کہ اس کے بارے میں اسے پوری پوری معلومات نہ حاصل ہو جائیں۔ ابھی تک میں یہاں حرام خوروں کی مانند زندگی گزار رہا تھا نہ درگاہ دیوی نے مجھے کسی کام کے لیے کہا تھا اور نہ میں نے خود کوئی کام کیا تھا لیکن اب میں چھوٹے موٹے کام کرنا چاہتا تھا دل میں یہی آرزو تھی کہ خدا کرے تیجا میری جانب متوجہ نہ ہونے پائے۔ ایک دن درگاہ دیوی نے مجھے لان پر طلب کرلیا۔ سامنے سے گزر رہا تھا کہ انہوں نے مجھے اشارہ کیا اور میں ان کے قریب پہنچ گیا۔

بیٹھو فرید! بے شک تم نے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن آج نجانے کیوں میرے دل میں یہ خواہش ابھری ہے کہ تمہارے بارے میں تم سے کچھ پوچھوں۔ مجھے اپنا ماضی بے شک مت بتاؤ۔ یہ بھی مت بتاؤ کہ تم نے کوئی جرم کیا ہے اپنی زندگی میں بالکل نہیں پوچھنا چاہتی۔ ان تمام چیزوں کے بارے میں صرف اتنا بتا دو کہ تمہاری زندگی میں کوئی ایسا دکھ تو نہیں ہے جو تمہیں بے چین رکھتا ہو تمہارے اپنے عزیز و اقارب ملنے جلنے والے یہاں اس شہر میں ہیں یا نہیں؟ تم کسی سے ملنا چاہتے ہو، کسی کے لیے تڑپتے تو نہیں ہو؟ دیکھو میری کسی بات میں کوئی کھوٹ مت سمجھنا بس میں ایسے ہی سوچتی ہوں کہ کم از کم میری چھت کے نیچے کوئی ایسا دکھی نہ ہو جس کا دکھ میں دور کر سکتی ہوں۔"

بڑے عظیم الفاظ تھے یہ بہت قیمتی تھے میں نے درگاہ دیوی کو دیکھتے ہو کہا۔

"درگاہ جی میری زندگی میں کچھ الجھنیں ہیں لیکن آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں میں ان کے بارے میں تفصیل نہ پوچھیں تو اچھا ہے۔"

"تمہاری مرضی ہے میں نے تم سے پہلے بھی کہہ دیا ہے کہ کوئی ایسا کام مت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرو جو تمہاری مرضی کے خلاف ہو اچھا یہ بتاؤ تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔"

درگا دیوی کا لہجہ پھیکا پڑ گیا تھا میں نے اسے محسوس کیا اب تک اس عورت نے میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کا احسان نہ پا کر میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو دکھ ہوا ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے اصل میں بس میں سوچ رہی تھی کہ شاید تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے لیکن کوئی بات نہیں ہے جب تم محسوس کرلو کہ میں کوئی بری انسان نہیں ہوں اور مجھے اپنے بارے میں بتا کر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تو بتا دینا مجھے اپنے بارے میں اگر اس کے بعد بھی کسی خوف کا احساس ہے تو یقین کرو میں تم سے تمہاری پسند کے خلاف کچھ نہیں پوچھنا چاہتی مجھے اس سے کوئی نفع یا نقصان مقصود نہیں ہے۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

"تو درگا دیوی آپ بھی ایک بات سن لیجئے گا اگر آپ نے میرے جانے کے بعد اپنی دنیا سے دور کر دیا تو یقین کیجئے بڑا دکھ ہوگا مجھے اور اس کے بعد شاید میں کسی سے سچ نہ بولوں۔"

درگا دیوی نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا پھر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا اندازہ غلط تو نہیں تھا؟"

"کیسا اندازہ درگا جی؟"

میں نے سوال کیا

"یہی کے تمہارے اندر کوئی گہرا دکھ پل رہا ہے۔ بیٹھو، بیٹھ جاؤ۔" "مجھے زمین پر بیٹھنے کی اجازت دیں۔"

"نہیں میں انسانوں کی بے قدری نہیں دیکھ سکتی۔ اگر بیٹھ سکتے ہو تو سامنے کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ ورنہ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔"

اس سے زیادہ اور کیا سوچتا ان کے بارے میں۔ ایک کرسی پر بیٹھ گیا دیوی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہری لال بھی یہ بات مجھے بتا رہا تھا کہ تم ایک باسلیقہ نوجوان ہو اور تمہیں دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ تمہارا تعلق اچھے اور کھاتے پیتے گھرانے سے ہے۔ خیر یہ بات تو

میں نے ایسے ہی کہہ دی۔ اب بھی تمہیں اس بات کا پورا پورا حق دے رہی ہوں جو مناسب سمجھو وہ بتانا اور جو بتانا مناسب نہ سمجھو وہ مت بتانا میں تم سے ضد نہیں کروں گی۔"

"درگا جی مجھے بس اس بات کا خطرہ ہے کہ آپ مجھ سے میری داستان سننے کے بعد مجھے اپنے گھر سے نکال دیں گے آپ یقین کیجئے۔ میں خود بھی یہ بالکل نہیں چاہوں گا کہ میری ذات کی وجہ سے آپ کو کسی طرح تکلیف پہنچے۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ جب تک خاموشی سے یہ سلسلہ چلتا رہے اچھا ہے اور جب میری حقیقت آپ پر کھل جائے یا میرے دشمن مجھے نقصان پہنچانے کے لیے یہاں آجائیں تو میں خود یہ جگہ چھوڑ دوں۔ آپ جیسی عظیم شخصیت کو کوئی نقصان پہنچانا میرے لیے بالکل مناسب نہیں ہے۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں۔"

درگا دیوی خاموشی سے مجھے دیکھ رہی تھیں پھر انہوں نے کہا۔

"اگر تم یہ بات سوچ رہے ہو تو پھر بے دھڑک مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ جو کچھ میرے دل میں ہوگا وہ تمہیں پورے خلوص کے ساتھ سچ سچ بتا دوں گی۔"

میں خاموشی سے درگاہ دیوی کی صورت دیکھتا رہا پھر میں نے کہا "داستان کو طوالت دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس میں دلچسپی پیدا کی جائے۔ میں اپنی داستان کو ایک دلچسپ داستان بنا کر آپ کے پاس پیش نہیں کرنا چاہ رہا بلکہ صرف آپ کی محبت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنے بارے میں آپ کو تفصیل بتا رہا ہوں۔ ایک اچھے بھرے پرے گھرانے سے میرا تعلق تھا۔ سلیقے کی زندگی گزار رہا تھا کہ مشکلات میں گرفتار ہوگیا اور اس کے بعد میرا سب کچھ مجھ سے چھن گیا۔ ماں باپ گھر خاندان سب سے جدا ہوگیا میں اور اس کی وجہ سے ایک نیچ ذات، آسیب تھا وہ مجھ سے آج بھی اپنے مقصد کی تعمیل چاہتا ہے، میں کیا کروں اس بات کو درگا دیوی میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان مصیبتوں سے چھٹکارہ حاصل کرلوں لیکن میرا ضمیر مجھے اندر سے وہ برائی کرنے سے روکتا ہے جس سے انسانوں کو دکھ پہنچے۔ وہ آج تک میرے پیچھے پڑا ہوا ہے، وہ شیطان ایک خبیث روح ہے۔ میں آپ کو کیا بتاؤں کہ اس کی وجہ سے کیسے کیسے حالات سے گزرا ہوں۔"

"نہیں مجھے تھوڑی سی تفصیل بتاؤ۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

درگا دیوی نے کہا میں انہیں اپنے بارے میں مکمل تفصیل بتانے لگا۔ درگا دیوی خاموشی سے یہ داستان سن رہی تھی پھر انہوں نے گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لگ رہا ہے کہ تم میرے لیے انتہائی کارآمد ثابت ہوگے۔ خیر ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ جاؤ اپنا کام کرو۔"

"جب آپ نے یہاں تک مجھ سے بات کرلی ہے میڈم تو آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"

"بولو..... بولو"۔

"مجھے کوئی ذمہ داری سونپ دیجئے۔"

"ہاں ہاں میں سوچ رہی تھی اچھا ایک بات بتاؤ، دل میں کوئی حسرت ہے؟"

"صرف ایک۔"

"کیا.....؟"

"ماں، باپ مجھے مل جائیں۔"

"فرض کرو ایسا کام طویل عرصے تک نہ ہو سکے اور بعد میں ہو جائے تو۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

میں نے کہا اور درگا دیوی سوچ میں ڈوب گئیں تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے جاؤ۔"

اور سنو پرسکون رہنا تم اگر یہ سمجھ رہے ہو کہ تمہاری اس مشکل کی وجہ سے میں یا میرا گھر کسی مشکل کا شکار ہو جائے گا تو یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ اگر مجھ پر کوئی آفت آئی تو اس کی ذمہ دار میں خود ہوں گی۔ تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی جائے گی۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

"جی میڈم"

"جاؤ"

درگا دیوی نے کہا اور میں ذہن میں ہزاروں خیالات لیے ہوئے وہاں سے

واپس پلٹ پڑا۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ لیکن ایک تصور میرے دل میں جڑ پکڑتا جا رہا تھا وہ یہ کہ درگا دیوی ایک اچھی عورت ہے اور اپنے اندر بڑی خود اعتمادی رکھتی ہے ویسے بھی میں دیکھ چکا تھا کہ وہ ہمیشہ انسانی فلاح کے کام کرتی تھی اور بہت سے لوگ ایسے تھے جو اس کے پاس اپنی ضرورتیں دور کرنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ پھر مزید کچھ دن پر سکون گزر گئے اب میں یہاں ہر شخص سے شناسائی حاصل کر چکا تھا اور نجانے کیوں میرے اندر ایک اعتماد سا بیدار ہوتا جا رہا تھا کہ تیجا کو یا تو میرے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا یا پھر کسی خاص وجہ سے اس نے میرا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔ ایک دن صبح سویرے سو کر اٹھا تو بادل گرج رہے تھے، شدید بجلی چمک رہی تھی اور انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ بارش ہو رہی تھی۔ پورا ماحول جل تھل تھا۔ بارش ہمیشہ سے میرے لیے ایک پسندیدہ عمل رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ زندگی نے کبھی اتنا موقع نہیں دیا کہ موسم سے لطف اندوز ہو سکتا اس وقت بھی اپنی کھڑکی میں کھڑا بارش کا لطف لے رہا تھا پھر جی چاہا کہ باہر جا کر بارش میں بھیگوں۔ ویسے بارش اتنی تیز تھی کہ تمام لوگ اپنے اپنے کمروں میں دب گئے تھے کوئی بھی باہر نہیں نظر آ رہا تھا۔ میں باہر نکل آیا اور موسم سے لطف اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے لگا اچانک ہی مجھے ہولناک چیخوں کی آواز سنائی دی۔ یہ چنگھاڑیں پرانی کوٹھی کے حصے سے اٹھ رہی تھیں۔ میں ایک دم خوفزدہ ہو گیا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر دوڑتا ہوا پرانی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو گیا میں سوچ رہا تھا کہ شاید دوسرے لوگوں نے بھی یہ چیخیں سن لی ہوں لیکن آس پاس کوئی بھی نہیں تھا وفاداری اور تجسس نے مجبور کر دیا تھا چنانچہ میں برق رفتاری سے دوڑتا ہوا اندر پہنچا۔ بارش کے شور میں چیخیں اب بھی ابھر رہی تھیں۔ ابھی میں ایک راہداری کے ستون سے مڑ ہی رہا تھا کہ میں نے درگا دیوی کو دیکھا ان کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک خوفناک چابک تھا جسے لپیٹے ہوئے وہ بھاری بھاری قدموں سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ ایک دم دل چاہا تھا کہ انہیں روک کر ان چیخوں کا راز معلوم کروں لیکن پھر عقل نے ساتھ دیا اور میں نے سوچا کہ کہیں یہ درگا دیوی کے مزاج کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ اگر انہیں کسی کی ضرورت ہوتی تو کوئی نہ کوئی ان کے ساتھ ہوتا لیکن دل میں سخت حیران تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ چیخیں کیسی ہیں پھر درگاہ دیوی کا یہ روپ چہرہ تو ان کا میں نے نہیں دیکھا تھا لیکن انہوں نے ہاتھ میں جس طرح چابک لپیٹا ہوا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہ مظلوم نہیں۔ یا ان کے ساتھ کسی نے سخت سلوک نہیں کیا ہے پھر اندر کون ہے جو اس بری طرح چیخ رہا تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر فیصلہ کرلیا کہ درگا دیوی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں تو اندر کا جائزہ لوں گا۔ درگادیوی کو چھپ کر دیکھتا رہا وہ بارش میں بھیگتی ہوئی جا رہی تھیں اور ان کے انداز میں لاپرواہی تھی وہ اندر چلی گئیں اور جب مجھے اطمینان ہوگیا کہ ان کی دوبارہ واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے تو میں اندر کی جانب متوجہ ہوا۔ پرانی کوٹھی میں ایسا لگتا تھا جیسے کسی کو داخل نہ ہونے دیا جاتا ہو۔ یہاں تک کہ صفائی کرنے والے کو بھی کیونکہ اندر گرد و غبار کے انبار تھے۔ چاروں طرف ہلکی ہلکی بدبو بھی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے پہلے اس طرف کا رخ بے شک نہیں کیا تھا لیکن یہ امید نہیں تھی کہ یہاں کوئی توجہ نہیں دیتا ہوگا کیونکہ عمارت باہر سے اچھی خاصی نظر آتی تھی۔ بہرحال میں تمام راہداریوں سے گزرتا ہوا ہر کمرے میں جھانکتا ہوا ایک ایسے دروازے پر پہنچا جس کے باہر کنڈی لگی ہوئی تھی۔ میں نے دروازہ کھول کر تھوڑا سا اندر جھانکا اور مجھے محسوس ہوا جیسے کمرے میں کوئی موجود ہے تب میں نے پورا دروازہ کھول دیا اور اندر جو کچھ مجھے نظر آیا وہ ناقابل یقین تھا اس کمرے درمیان ایک انتہائی موٹی سلاخوں والا دروازہ لگا ہوا تھا۔ یہ لوہے کے بڑے بڑے جنگلے کا دروازہ تھا پیچھے چھت کے قریب روشن دان کھلے ہوئے تھے جن سے روشنی اندر آرہی تھی۔ سلاخوں والے جنگلے کے پیچھے میں نے ایک سیاہ وجود کو دیکھا۔ تقریباً 7 فٹ کا قد تھا اور سفید سفید آنکھوں کے ڈیلے چمک رہے تھے۔ یہ ایک بن مانس تھا جس کے جسم سے جگہ جگہ سے خون بہہ رہا تھا اس کے نچے ہوئے بال زمین پر پڑے ہوئے۔ اس کی آنکھوں میں بے کسی تھی وہ خاموش کھڑا ہوا تھا اور اس کے جسم کے زخموں سے کئی جگہ سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں حیرانی سے اسے دیکھتا رہا۔ بن مانس کے چہرے پر خونخواری کے کوئی آثار نہیں تھے بلکہ وہ جس بے بسی سے مجھے دیکھ رہا تھا اس سے میرا دل پگھلنے لگا تھا۔ ہمت کرکے ایک قدم اور آگے بڑھا۔ بدبو یہیں سے اٹھ رہی تھی۔ کھانے پینے کی کچھ اشیاء سوکھے پھلوں کے ٹکڑے، پانی کے برتن یہ ساری چیزیں یہاں رکھی ہوئیں تھیں۔ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"یہ تم چیخ رہے تھے؟ گوریلے نے گردن اس طرح جھکالی جیسے سخت غم زدہ ہو۔

"آہ کاش! تم بول سکتے اور مجھے بتا سکتے کہ یہ سب کیا ہے گوریلے نے گردن

اٹھائی اور مجھے یوں لگا جیسے آنکھوں میں وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہا ہو۔ اس کے ہونٹ بھی عجیب سے انداز میں تھے نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ یقیناً وہ اپنی مظلومی کا اظہار کر رہا تھا۔ میں اسے دیکھتا رہا اور میرے دل میں دکھ کے سائے لرزتے رہے بے شک وہ ایک خونخوار جانور تھا لیکن انسانی ذہن الگ ہی انداز میں سوچتا ہے اس وقت میرے دل میں اس کے لیے ہمدردی کا سمندر موجزن تھا۔ سلاخوں والے دروازے کے جنگلے پر تالا لگا ہوا تھا لیکن اگر تالا نہ بھی لگا ہوتا یا اس کی چابی میرے پاس ہوتی تو میں اسے کھول تو نہیں سکتا تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ درگا دیوی کے ایک ایسے مسئلے میں دخل اندازی کرنا ہوتی جس کے پس منظر میں نجانے کیا ہے ایک ایسی خاتون جو میرے ساتھ مستقل محبت بھرا سلوک کر رہی تھی اور اب تو یہ ظاہر ہو رہا تھا گوریلے کے جسم سے جو خون بہہ رہا ہے وہ اسی چڑے کے چابک کا کمال ہے جو درگا دیوی کے ہاتھ میں لپٹا ہوا تھا۔ درگا دیوی جیسی نرم دل اور نرم طبیعت خاتون آخر اس جانور کو کیوں مار رہی تھیں؟ وہ چیخیں سو فیصدی اسی کی تھیں کیونکہ مجھے اس کے غیر انسانی ہونے کا احساس بھی ہوا تھا۔ بہرحال اس وقت میں اس جانور کی کوئی مدد بھی نہیں کر سکتا تھا اور مجھے کرنی بھی نہیں چاہئے تھی۔ یہ درگا دیوی کا بالکل ذاتی معاملہ تھا اور اس میں مداخلت کا مطلب یہ تھا کہ درگا دیوی کو کوئی شکایت کا موقع دیا جائے۔ میں پھرتی سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد اپنے کوارٹر میں چلا گیا لیکن یہ راز میرے ذہن میں گڑبڑ کر رہا تھا اور میرے دل میں یہ آرزو تھی کہ میں اسے جاننے کی کوشش کروں۔ پھر میں نے خود کو سمجھایا کہ فرید اللہ زندگی میں کتنے الٹ پھیر ہوتے ہیں اگر ایک ہمدرد شخصیت ملی ہے اور اسے تمہارے بارے میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ تمہارے ماں باپ تم سے جدا ہوگئے ہیں اور تم ایک بدروح کا شکار ہو۔ اس کے باوجود وہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہتی ہے تو تم اس کی مخالفت کیوں مول لے رہے ہو۔ اس سے تمہیں فائدہ نہیں نقصان ہی ہوگا۔ بہرحال ویسے تو بہت سے لوگ یہاں موجود تھے کچھ ایسے بھی تھے جن سے میں اچھا خاصا بے تکلف ہو چکا تھا لیکن اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ کسی سے اس گوریلے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے

کی کوشش نہیں کی۔ ہری لال بھی بہت اچھا آدمی تھا میرے ساتھ تو سب کا ہی رویہ اچھا تھا۔ غالباً یہ تیسرے دن کی بات ہے باقی دو دن تک میں اپنے ذہن میں ان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سارے معاملات کو جھٹکنے کی کوشش کرتا رہا تھا اور اس میں کامیاب بھی ہوگیا تھا۔ تیسرے دن اچانک ہی ہری لال نے کہا۔

"میڈم نے تمہیں اندر بلایا ہے۔ میں گردن ہلا کر فوراً چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد اندر پہنچ گیا۔ درگا دیوی اپنے کمرے میں تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ کی مانند نرم انداز میں گردن خم کر کے مجھے اپنے پاس بلایا اور میں معمول کے مطابق ان کے قدموں میں بیٹھنے لگا تو انہوں نے کہا۔

"دیکھو تم بار بار یہ حرکت کر کے مجھے شرمندہ کر دیتے ہو۔ ایسا نہ کرو۔"

"جی....."

میں اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ تو انہوں نے میرے پاؤں دیکھے انہیں دیکھتیں رہیں ان کی نگاہوں کا زاویہ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا پھر انہوں نے کہا۔

"ایک بات پوچھوں بتاؤ گے؟"

"جی میڈم....."

"تم پرانی کوٹھی گئے تھے؟"

میرے پورے وجود میں سرد لہریں دوڑ گئیں۔ میں نے گردن خم کر کے کہا۔

"جی....."

"مجھے یہی اندازہ تھا کب گئے تھے۔"

"اس دن جب بارش ہو رہی تھی۔"

"کیوں گئے تھے؟"

"وہاں مجھے کچھ چیخیں سنائی دیں تھیں اور میں بے اختیار اندر چلا گیا تھا۔ آپ یقین کریں میرے ذہن میں صرف یہی تجسس تھا۔ وہاں کوئی کسی اذیت کا شکار نہ ہو کسی کو میری مدد کی ضرورت نہ ہو۔ بس اسی لیے میں دوڑا ہوا اندر چلا گیا تھا۔

"پھر۔"

"میں نے پوری کوٹھی کی تلاشی لی۔ وہاں ایک کمرے میں مجھے ایک گوریلا ملا جو لوہے کے سلاخوں والے دروازے کے پیچھے بند تھا اور زخمی تھا۔"

"ہوں..... پھر"

"بس اس کے علاوہ میں نے ساری جگہیں تلاش کر لیں لیکن مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔"

میڈم گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہی تھیں میں نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے یہ سوچا کہ میڈم کو یہ پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ میں اسے ہنٹر سمیت باہر نکلتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔ میڈم نے کہا۔

"دیکھو بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا راز میں رہنا ضروری ہوتا ہے تم ایسی باتوں کا تجسس نہ کیا کرو۔"

"آئندہ وہاں نہ جانا۔"

"جی....."

جاؤ.....

"میڈم نے کہا اور میں فوراً ہی اٹھ گیا۔ جب بات ختم ہو جاتی تھی تو وہ اسی انداز میں مجھے جانے کے لیے کہہ دیا کرتی تھی۔ باہر نکل آیا لیکن انسانی ذہن بھی تجسس کا کارخانہ ہے۔ میڈم نے مجھے منع کر دیا تھا لیکن اب میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوگئی تھی جس طرح بھی بن پڑے پرانی کوٹھی کے اس زخمی گوریلے کا راز معلوم کروں۔ البتہ یہ خیال بھی دل میں تھا کہ میڈم کا میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کہیں میرے اس تجسس سے متاثر نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کوئی ایسا راز ضرور اس کے دل میں چھپا ہوا تھا جسے وہ دوسروں سے چھپانا چاہتی تھی اور یہ راز کسی کو نہیں بتانا چاہتی تھی۔ اگر میں اس احساس کے ساتھ اس بات کو نظر انداز کر دوں تو الگ بات ہے ورنہ اصولی طور پر مجھے اس کے بارے میں ضرور معلومات حاصل کرنا چاہئے دو تین دن اسی کھوج میں ڈوب گئے میں دوبارہ پرانی کوٹھی کی جانب جانے کی ہمت نہیں کر سکا البتہ یہ خیال میرے دل میں بار بار آتا رہتا تھا کہ اس کائنات میں اربوں افراد بستے ہیں۔ ان میں سے گنے چنے چند ہی افراد ایسے ہوں گے جو زندگی کی ایسی مشکلات میں گرفتار ہو جاتے ہیں جیسی مشکل میں گرفتار میں ہوا تھا۔ معمولی سے آدمی کا معمولی سا بیٹا تھا۔ چھوٹی سی ایک بات نے ساری زندگی کا احاطہ کر لیا نکلنے کا کوئی راستہ ہی نظر نہیں آتا۔ اگر کوئی مجھے یہ اعتماد دلا دیتا کہ ان ساری مصیبتوں کا خاتمہ اس شکل میں ہو سکتا ہے تو میں ہر وہ قدم اٹھا لیتا جس ہدایت کوئی بھی کرتا عاجز تھا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں اس زندگی سے اپنا کوئی عمل ہی نہیں تھا بس کٹی ہوئی پتنگ کی مانند زندگی ڈول رہی تھی۔ کبھی ادھر کبھی ادھر کوئی ایک جگہ تو ہوتی جہاں سکون سے بسر کر سکتا کئی بار ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ کسی ویرانے میں جا بسوں۔ کسی ایسے دیہات میں جہاں مجھے جاننے والا کوئی نہ ہو کوئی میرا پیچھا نہ کرے لیکن ممکن ہی نہیں ہو رہا تھا گھوم پھر کر کہیں نہ کہیں سے کوئی ایسا پراسرار زندگی میں شامل ہو جاتا جو ساری کوششوں کو ختم کر دیتا تھا۔ اب یہ میڈم ہی تھی ان کا کیا چکر تھا اللہ جانتا تھا میرے ساتھ اگر کوئی برا سلوک ہوتا تو شاید میں اپنی خوشی کے مطابق ہر عمل کر لیتا۔ یعنی درگا دیوی نے تو میرے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا تھا کہ میں ان کے خلاف کوئی بات کرتے ہوئے بھی سوچتا تھا اصولی طور پر انہوں نے مجھے اس تجسس کے لیے منع کر دیا تھا اور کہا تھا کہ آئندہ اس گورلیے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہ کروں اس کے باوجود ابھی تک میرے دل میں یہ خیال تھا کہ جیسے ہی موقع ملا ایک بار پھر پرانی کوٹھی جاؤں گا اور اس گورلیے کا جائزہ لوں گا البتہ اس کا اندازہ

میں نے اچھی طرح لگا لیا تھا کہ پچھلی بار پرانی کوٹھی میں درگا دیوی کو میری موجودگی کا احساس کیسے ہوا تھا؟ اس روز بارش ہو رہی تھی اور میرے پاؤں مٹی میں خراب ہو گئے تھے۔ وہاں اس پرانی کوٹھی کے ہر حصے میں گرد و غبار پڑا ہوا تھا۔ کسی بھی اجنبی کے پیروں کے نشانات اس گرد و غبار میں صاف دیکھے جا سکتے تھے اور انہی نشانات کو دیکھ کر درگا دیوی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ چالاک درگا دیوی نے میری وہاں موجودگی کا اندازہ کر لیا تھا۔ وہ اس تجسس میں مبتلا ہو گئی آخر کون یہاں آیا تھا؟ اور اس کے لیے وہ تلاش میں ہو گی پھر اسے میرے پاؤں اور جوتے نظر آئے ہوں گے اور اس نے ساری بات کا اندازہ لگا لیا ہو گا۔ اب اگر پرانی کوٹھی کا دوبارہ رخ کیا جائے تو یہ لازمی امر ہے کہ ان نشانوں کا خاص طور پر خیال رکھا جائے میں بھی بہرحال ایک چالاک آدمی تھا چنانچہ میں نے طے کر لیا تھا کہ اب جبکہ میں وہاں داخل ہوں گا تو اپنے پیروں میں کپڑا باندھ لوں گا تاکہ کوئی نشان ہی وہاں نہ ملے لیکن پھر خود ہی میں نے اس خیال کی تردید بھی کر دی تھی کپڑا باندھنے کا مطلب یہ ہو گا کہ درگا دیوی یہ بات اچھی طرح سمجھ جائے کہ کیونکہ اس نے پہلے وہاں میری موجودگی کو دیکھ لیا تھا اس لیے اب میں نے یہ کوشش کی چنانچہ سینڈل خریدوں گا چاہے وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو کسی نہ کسی طرح پاؤں کو اس میں فٹ کروں گا اور اس کے بعد

اندر جاؤں گا تاکہ درگا دیوی اس بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکیں۔ پھر میں نے یہ عمل کر بھی ڈالا اور ایک بڑا سینڈل مجھے حاصل ہو گیا میں نے خود بھی اس میں کوئی ترمیم نہیں کی اور اس طرح میں اس بات کے لیے تیار ہو گیا کہ اگر کوئی مناسب موقع مل جائے تو وہاں جاؤں وہ ایک بھری پری دوپہر تھی۔ سورج آج کچھ زیادہ ہی غضب ناک تھا۔ گرمی کی شدت سے گھبرا کر میں نے کھڑکی کھول دی۔ یہ کھڑکی اس کوٹھی کے بغلی حصے میں کھلتی تھی۔ یہاں ایک بہت بڑا ٹاور بنا ہوا تھا اس ٹاور کے بلند ترین حصے میں پانی کی ایک بہت بڑی ٹینکی تھی۔ ٹاور کے اوپری حصے تک پہنچنے کے لیے لوہے کی سیڑھیاں بنی ہوئیں تھیں۔ اس وقت سارے کے سارے افراد گرمی کی شدت کی وجہ سے اپنے اپنے ٹھکانوں میں گھسے ہوئے تھے لیکن ایسے وقت میں میڈم کو ایک عجیب و غریب لباس میں ملبوس اسی پانی کے ٹاور کی جانب جاتے دیکھا مجھے حیرت ہوئی اصل میں میڈم اب میری نگاہوں میں اس قدر مشکوک ہو گئیں تھیں کہ اس کے ہر عمل کو میں شک کی نگاہ سے دیکھتا کہ اب پتا نہیں وہ کیا کرنے جا رہی ہے چنانچہ اس وقت بھی میرا تجسس آخری حد تک پہنچ گیا۔ میں نے اس طرح اپنے آپ کو پوشیدہ کر لیا کہ اگر میڈم کی نگاہ میری رہائش گاہ کی کھڑکی پر پڑ بھی جائے تو اسے یہ اندازہ نہ ہو کہ میرا چہرہ کھڑکی میں نظر آ رہا ہے وہ خود بھی اسی طرح متجسس تھی اور چاروں طرف دیکھتی ہوئی پانی کے ٹینک ٹاور کی جانب جا رہی تھی پھر اس نے سیڑھیاں چڑھنا شروع کر دیں۔ سیاہ رنگ کا ڈھیلا ڈھالا لباس جس میں دوپٹے کے پلو دونوں طرف لٹک رہے تھے ٹاور خاصا بلند تھا۔ میڈم کو اگر کوئی کام بھی تھا تو کسی کو بھی وہ یہ حکم دے سکتی تھی کہ پانی کے ٹاور پر چڑھ کر یہ کام کر ڈالے لیکن وہ خود بڑی پھرتی سے یہ ساری سیڑھیاں طے کر رہی تھی اور میں شدت حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے ایک اور خیال بھی میرے ذہن میں آیا کہیں وہ خودکشی کی کوشش نہ کر رہی ہو آہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے کیا چیختا ہوا دوڑتا ہوا جاؤں اور اسے خودکشی سے باز رکھوں لیکن اس سے بڑی حماقت اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ پہلی بات تو یہ کہ میڈم ایک معمولی ٹائپ ملازم آدمی یعنی مجھ سے اپنے دل کی تو نہیں کہہ سکتی تھی۔ میرے کہنے سے وہ خودکشی سے باز کیوں رہتی۔ پھر یہ کہ اگر میں بلاوجہ اس کے کسی مسئلے میں ٹانگ اڑاؤں گا تو دوسرے ہی دن وہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مجھ سے معذرت کرلے گی کہ اب میں اپنا راستہ ناپوں۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اس کی کوٹھی میں رہوں۔ اگر وہ خودکشی کر بھی رہی ہے تو اس کا اپنا ہی کوئی ذاتی مسئلہ ہوگا۔ بہرحال پچاسیوں قسم کے احمقانہ خیال میرے دماغ سے گزر گئے اور میں نے اسے چند ہی لمحوں کے بعد بلندو بالا ٹاور پر پانی کی ٹینکی کے قریب کھڑے ہوئے دیکھا وہ اب بھی چاروں طرف دیکھ رہی تھی پھر جو منظر میری نگاہوں کے سامنے آیا اسے دیکھ کر تھوڑی دیر کے بعد میں نے آنکھیں بند کرلیں تھیں اور کوئی آدھے گھنٹے تک تصور میں ڈوبا رہا تھا کہ الٰہی یہ کیا معجزہ ہے میڈم نے دونوں ہاتھ پھیلائے تھے اور اس کے بعد اچانک ہی وہ ایک چھلانگ لگا کر خلا میں آگئیں تھیں میرا اندازہ یہی تھا کہ وہ خودکشی کرنے جارہی ہے اور اب چند لمحوں کے بعد اس بلند و بالا ٹاور سے نیچے اتر کر اس کا بدن پاش پاش ہوگیا ہوگا لیکن اس وقت میری آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں جب میں نے اس کے دونوں ہاتھوں اور دوپٹے کو پروں کی طرح پھیلتے ہوئے دیکھا اور اس کے بعد وہ نیچے اترنے کے بجائے اوپر فضا میں پرواز کرتی ہوئی نظر آئی میرے خدا! میری آنکھیں کیا دھوکا کھا رہی ہیں یا میرا دماغ خراب ہوگیا میں نے دل میں سوچا لیکن نہ، آنکھیں دھوکہ کھا رہی تھیں نہ دماغ خراب ہوا تھا۔ میڈم فضا میں پرواز کر رہی تھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ننھے سے سیاہ نقطے کی شکل میں تبدیل ہوگئیں اور میں نے شدت حیرت سے آنکھیں بند کرلیں میرا دماغ واقعی میرا ساتھ چھوڑتا جا رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ دنیا عجائبات کا گھر ہے انسان کی سمجھ میں اگر یہ سارے عجائبات آجائیں تو شاید وہ انسانیت کی حدود سے پرواز کر جائے۔ یہ میڈم آخر ہے کیا چیز.....؟ اب تو اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ یہ کوئی بہت ہی بڑی چڑیل یا بدروح ہے میری تقدیر میں چڑیلوں اور بدروحوں کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھا کیا؟ میں نے دل میں سوچا لیکن میں نے ایک اور بات سوچی وہ یہ کہ میڈم نے آج تک میرے ساتھ کوئی بدسلوکی تو کی نہیں ہے بلکہ انتہائی اچھے سلوک کے ساتھ مجھے یہاں رکھا ہوا ہے میں اس کے بارے میں اس انداز میں کیوں سوچ رہا ہوں متضاد خیالات آتے اور میں اپنے آپ میں چکراتا رہا پھر اچانک ہی میرے ذہن میں گوریلے کا خیال آیا۔ یہ واقعہ نظرانداز کرکے اگر گوریلے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں تو شاید کوئی بہت اہم بات معلوم ہو جائے اس کے علاوہ میں نے یہ بھی محسوس کرلیا تھا کہ پرانی

کوٹھی کی جانب کوئی بھی رخ نہیں کرتا۔ کبھی میں نے کسی کو پرانی کوٹھی کی جانب جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اگر میں اس پرانی کوٹھی کے دروازے میں داخل ہو کر اس پرانی کوٹھی کے اندر میڈم کے لیے سراغ تلاش کروں تو ممکن ہے کہ مجھے کوئی سراغ بھی مل جائے اس خیال نے مجھے ایک لمحے کے لیے خاصا بہتر کردیا اور میں گزرے ہوئے واقعہ کو نظرانداز کرنے میں کامیاب ہوگیا پھر تھوڑی دیر کے بعد میں تیار ہو کر اپنے منصوبے کے مطابق اس طرف جا رہا تھا میں نے طے کرلیا تھا کہ پرانی کوٹھی کے اندر داخل ہونے کے بعد ہی اپنے پیروں میں یہ زنانے جوتے پہنوں گا جو میرے پیروں کے نشان زمین پر مت چھوڑیں گے بلکہ ہو سکا تو میں ان نشانات کو بھی مٹانے کی کوشش کروں گا تاکہ میڈم کے ذہن میں دوبارہ تجسس نہ ہونے پائے۔ بہرحال تمام تیاریاں مکمل کرنے کے بعد میں میڈم ہی کی طرح چاروں طرف کا جائزہ لیتا ہوا۔ پرانی کوٹھی میں داخل ہوگیا۔ روشن دان تھا راہداریاں سنسان پڑی ہوئی تھیں۔

ہر طرف کا اچھی طرح جائزہ لے سکتا تھا۔ تمام چیزوں کو دیکھتا ہوا آخر کار اس کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا جس میں گوریلا موجود تھا اس وقت بھی باہر سے اس کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے دھڑکتے دل پر قابو پا کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ میری نگاہیں جنگلے کے عقب میں پڑیں اور اچانک ہی میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ گوریلا جنگلے کے پیچھے موجود نہیں تھا بلکہ میں چونکہ اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر اندر چلا آیا تھا اس لیے اپنے عقب میں کھڑے ہوئے گوریلے کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ پنجرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور گوریلا آزاد تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر موت میری آنکھوں کے سامنے ناچ گئی۔ میرے برق رفتار ذہن میں یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی کہ چالاک میڈم نے یہ خوفناک کوشش کی ہے یعنی کمرے کا دروازہ تو باہر سے بند تھا۔ گوریلے کو کھول دیا گیا تھا۔ اگر دوبارہ کوئی اندر داخل ہو کر اس گوریلے تک پہنچنے کی کوشش کرے تو خوفناک گوریلا جو عرصے سے قید کی زندگی گزار رہا ہے اس پر حملہ کرکے اسے ہلاک کردے۔ یہ دوبارہ داخل ہونے کی سزا تھی بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں کہ میرے لیے کیونکہ میڈم کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ میں ایک بار اندر داخل ہو چکا ہوں۔ اس نے دوبارہ داخل ہونے کی سزا مقرر کردی تھی میرے لیے۔ میں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے گوریلے کو

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ نیچے لٹکائے خاموش کھڑا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر میں نے احساس کرلیا کہ اس کے اندر کسی جارحانہ کارروائی کا تاثر نہیں ہے بلکہ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں لپک کر ایک گوشے میں چلا گیا تو گوریلے نے دونوں ہاتھ اٹھائے اس طرح جیسے مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔ ایک لمحے تو میری عقل کام نہیں کرسکی لیکن پھر میں نے گوریلے کی کیفیت سمجھ لی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے مجھے اشارے کر رہا تھا۔ پھر وہ پنجرے میں داخل ہوگیا اور اس نے پنجرے کا دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ یہ بات ابھی بھی اگر عقل میں آتی تو ایسے آدمی کا سر پھاڑ دینا چاہئے۔ گوریلا مجھے اپنے تعاون کا یقین دلا رہا تھا اور یہ بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ ظاہر بات ہے یہ میڈم کی مرضی سے نہیں تھا بلکہ گوریلا مجھے اپنے طور پر یہ احساس دلا دینا چاہتا تھا کہ وہ میرا دشمن نہیں ہے میری جان میں جان آئی اور میں نے گوریلے کو دیکھا وہ اب بھی کچھ اشارے کر رہا تھا میں نے وہ اشارے دیکھے سمجھے اب چونکہ ذرا حواس بہتر ہوگئے تھے اس لیے میں ان اشاروں کو سمجھ سکتا تھا اور یہ دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ وہ مجھ سے کاغذ قلم طلب کر رہا ہے۔ بار بار وہ اپنا ہاتھ سیدھا کرکے اس پر کچھ لکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"کیا تم کاغذ مانگ رہے ہو"

جواب میں گوریلے نے زور زور سے گردن ہلا دی تھی۔ آپ خود تصور کرسکتے ہیں کہ ایسے موقع پر ہم اور آپ جیسے انسان کو کس قدر حیرت ہوسکتی ہے۔ میں بھی اس حیرت کا شکار تھا لیکن پھر میرے دل میں آیا کہ گوریلا کیوں کر بول نہیں سکتا۔ یہ مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کرنا چاہتا ہے۔ اب صورتحال جو کچھ بھی ہے لیکن اسے کاغذ قلم مہیا کرنے چاہئے اس کے لیے مجھے واپس نئی کوٹھی میں جانا تھا لیکن اب میں ہر خطرے سے بے نیاز ہوگیا تھا۔ میں نے گردن ہلائی اور واپسی کے لیے پلٹ گیا لیکن اب اس قدر احمق نہیں تھا کہ دروازہ باہر سے بند نہ کرتا جس طرح وہ پہلے بند تھا حالانکہ بڑے خطرے کی بات تھی لیکن نئی کوٹھی پہنچا کافی تلاش کے بعد ایک سادہ کاپی دستیاب ہوسکی اور ایک بال پوائنٹ ظاہر ہے یہاں یہ سب کچھ میرے پاس نہیں تھا اس لے کر ایک بار پھر پرانی کوٹھی میں داخل ہوا اگر دھوپ اس قدر سخت نہ ہوتی اور دوپہر کا وقت نہ ہوتا تو شاید مجھے اتنی

آسانی حاصل نہ ہوتی پھر درگا دیوی میرے سامنے ایک عجیب وغریب انداز میں گئیں تھیں۔ دونوں ہی واقعے سنسنی خیز تھے۔ گوریلے کا یہ انداز جس کے بارے میں میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا اور درگادیوی کی چیل بن کر پرواز ساری باتیں ناقابل یقین تھیں۔ گوریلے نے میرے ہاتھ میں کاپی اور قلم دیکھا تو اس کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ غالباً اسے اس بات کی خوشی تھی کہ میں نے اس کی بات سمجھ لی پھر اس نے یہ دونوں چیزیں میرے ہاتھ سے لے لیں اور میں شدت حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے کاپی پر کچھ لکھتے دیکھتا رہا۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ جو کچھ وہ لکھ رہا ہے کم از کم لکھنے کا انداز صحیح ہے پھر اس نے کاپی سے ایک کاغذ پھاڑ کر میری جانب بڑھا دیا اور میں نے سنسنی خیز نگاہوں سے کاغذ کو دیکھا پہلی لائن میں لکھا تھا۔"

"میں جانور نہیں انسان ہوں۔"

دوسری لائن میں لکھا تھا۔ میرا نام زموکا ہے، پروفیسر زموکا۔ افریقہ کا رہنے والا ہوں۔ تیسری لائن میں لکھا تھا میری زندگی ایک کہانی ہے بہت عجیب وغریب کہانی میں اپنے قبیلے کا وچ ڈاکٹر ہوں۔ چوتھی لائن میں لکھا تھا۔ درگا دیوی بری عورت ہے وہ ایک جادوگرنی ہے۔ اس نے ایک طلسمی کھیل کھیلا ہوا ہے اور وہ میرے ذریعے قبیلے کو ختم کرنا چاہتی ہے اور وہاں کی حکمران بننے کی خواہش مند ہے۔ وہ اسی کے لیے تیاریاں کر رہی ہے وہ یہ تمام چیزیں اس نے اس کاغذ پر لکھی ہوئی تھیں۔ جب میں حیرتوں کے سمندر سے نکلا تو میں نے سوال کیا۔

"لیکن کیا درگا دیوی نے تمہیں جانور بنایا ہے۔"

اس نے زور زور سے ہاں میں گردن ہلائی میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا میں تمہاری کچھ مدد کرسکتا ہوں۔"

اس نے چند لمحوں تک مایوسی سے میری صورت دیکھی پھر مجھ سے رکنے کا اشارہ کرکے دوبارہ کاپی کے کاغذ پر کچھ لکھنے لگا، دوسرا کاغذ بھی اس نے پھاڑ کر میرے حوالے کیا تھا اس پر لکھا تھا۔

"بہت جلد وہ ایک سفر کرے گی اس سفر میں اگر تم ایک مددگار کی حیثیت سے میرے ساتھ ہوگے تو میں یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ یہاں تم میری کوئی مدد نہیں کر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سکتے لیکن میرے قبیلے میں جانے کے بعد اگر تم میری مدد کر سکو گے تو مجھے بے حد خوشی ہوگی اور وہاں تم اس میں کامیاب بھی ہو سکتے ہو، میرے لیے زندگی کا یہ سب سے انوکھا واقعہ تھا۔ اب تک تو جو صورتحال پیش آئی تھی وہ اپنی جگہ تھی لیکن اب یہ سارا کھیل بڑا عجیب تھا۔ میں نے اس سے سوال کیا۔

"تم وچ ڈاکٹر ہو؟"

اس نے ایک بار پھر گردن زور زور سے ہلا دی تو میں نے اس سے کہا۔

"میرے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو۔"

وہ مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے آنکھیں بند کرلیں کچھ دیر تک خاموشی سے اسی طرح کھڑا رہا اس کے بعد تیسرے صفحہ پر لکھ کر میری طرف بڑھایا اور میں نے وہ تحریر دیکھی۔ اس پر لکھا تھا۔

"تم جادو کے زیر اثر ہو ایک شیطان کالے جادو کا ماہر تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے میں تمہیں ایک ایسی ترکیب بتا سکتا ہوں کہ تم اسے ہمیشہ کے لیے فنا کر دو لیکن تمہیں اسے ساتھ لگا کر اپنے پیچھے لے جانا ہوگا اور اس کی ترکیب میں تمہیں بتا سکتا ہوں۔ تیسری بار جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں تمہیں کاغذ پر وہ ترکیب لکھ دوں گا یا پھر ایسا کرو تم یہ سمجھ لو کہ وہ تمہارے ساتھ جائے گا پہلی تو یہ ہے کہ جب ایک سرزمین پر تم سمندر کا سفر کرو گے تو تمہارے اوپر جتنے طلسم ہیں سب ختم ہو جائیں گے۔ صحرائے اعظم افریقہ کا یہ سفر کرتے ہوئے تم جادو کے اثر سے آزاد ہو جاؤ گے پھر اس کے بعد تمہیں میری مدد کرنا ہوگی اور اگر میں درگا دیوی پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا تو پھر اس سے تمہاری جان چھڑا دوں گا جو تمہارے پیچھے پڑا ہوا ہے یہی ایک ترکیب ہے تمہارے بچنے کی دوسری صورت میں شاید تم اس کے سحر سے کبھی آزاد نہ ہو سکو اور مختلف جادوگروں کے جال میں پھنستے رہو۔"

میں نے کاغذ کی یہ طویل تحریر پڑھی تو میری آنکھیں بند ہوگئیں، اصل میں دماغ پر جب سفر و اثرات مرتب ہوتے ہیں تو اس کے اثرات آنکھوں پر بھی پڑتے ہیں بہت دیر تک پریشانی کے عالم میں سوچتا رہا تو گورلیے نے پھر ایک کاغذ پر لکھا۔

"میرے خیال میں اب تمہیں واپس چلے جانا چاہئے۔ یہ کاپی قلم اور میرے

لکھے ہوئے کاغذ لے جاؤ۔ براہ کرم انہیں ضائع کر دینا۔ اسے اگر ذرہ برابر بھی شبہ ہوگیا کہ کوئی میری مدد پر آمادہ ہو تو وہ کوئی دوسری ترکیب سوچ لے گی تم اس سے مکمل طور پر احتیاط برتو اور یہ ظاہر مت ہونے دو کہ تم مجھ سے ملے ہو۔ میں نے اس ہدایت پر عمل کیا مجھے خود بھی خطرہ تھا کہ اگر وہ واپس آ گئی تو پروفیسر زموکا کی تو جو کیفیت ہوگی لیکن میرے ساتھ بھی یہ اچھا سلوک نہیں کرے گی کیونکہ پہلے مجھے وارننگ دے چکی ہے چنانچہ میں نے کہا۔

"پروفیسر زموکا یہ سب کچھ جو ہوا ہے وہ میرے لیے انتہائی سنسنی خیز اور ناقابل یقین ہے لیکن پھر بھی میں نے تم پر یقین کرلیا ہے۔ بعد میں کیا صورتحال ہوگی اس کا اندازہ تو بعد میں ہی ہو سکے گا لیکن اس وقت میں تمہیں یہ بتاؤں کہ میں تمہاری مدد پر آمادہ ہوں۔"

میں نے گورلیے کی آنکھوں میں خوشگواری کے آثار دیکھے تھے اور اس کے بعد میں تمام حفاظتی کارروائی کر کے باہر نکل آیا تھا جس سے درگا دیوی کو میری یہاں بار بار آمد کی اطلاع نہ ہو سکے۔ وہاں واپس آ کر سب سے پہلے میں نے وہ سارے کاغذات وغیرہ غائب کر دیئے جس پر پروفیسر زموگا نے اپنے بارے میں تفصیلات لکھی تھیں۔ اس کے بعد میں ایک بستر پر لیٹ کر تقریباً نیم جان سا ہوگیا۔ یہ ساری کارروائی اور اس کے نتیجے میں ہونے والی معلومات نے میرے ہوش و حواس گم کر دیئے تھے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنے اچھے اخلاق کی مالک درگا دیوی نے اس طرح کی عورت ہوگی۔ پروفیسر زموکا کی بقیہ داستان سننے سے محروم رہا تھا لیکن بہرحال یہ چاہتا تھا کہ پروفیسر زموکا کے بارے میں ساری تفصیلات کا علم ہو جائے جو باتیں اس نے بتائیں تھیں ان سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ پروفیسر زموکا بھی واقعی جادوگر ہے اس نے مجھے میرے مسئلے کا حل بھی بتایا تھا اور وہ واقعی سچ تھا۔ میں نے سنا تھا کہ کہیں پانی کو عبور کرنے سے یا دریا پار کرنے سے جادو کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں لیکن میری زندگی پر جو اثرات قائم تھے اس قدر معمولی تو نہیں تھے کہ اس طرح ختم ہو جائیں۔ ہاں اگر کوئی طویل ترین سمندری سفر ہو تو پھر شاید مجھے اس کا کوئی فائدہ حاصل ہو جائے۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ایک مستحکم حیثیت رکھتی تھیں اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ مزید کچھ تفصیلات اگر میرے علم میں آجائیں تو میرے لیے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نہایت بہتر ہو۔ غرض یہ کہ وہ دن گزر گیا پھر دوسرا دن مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ دن یا رات کے کسی حصے میں درگا دیوی پرانی کوٹھی گئی ہے یا نہیں البتہ جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکتا تھا میں پرانی کوٹھی کے بیرونی دروازے پر نگاہ رکھتا تھا۔ تیسرے دن پھر دوپہر کے وقت درگا دیوی مجھے پرانی کوٹھی میں داخل ہوتی ہوئی نظر آئی اور اس دن میں آدھی رات تک جاگتا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ شاید درگاہ دیوی مجھے طلب کرے پھر اس کے بعد میں سو گیا۔ تیسرا دن بھی گزر گیا تو میرے دل میں سکون کی لہریں پیدا ہوئیں اور میں سمجھ گیا کہ درگا دیوی سمجھ نہیں سکی ہے۔ بہرحال پھر دو تین دن اور گزر گئے۔ چوتھے دن درگا دیوی نے مجھے طلب کیا اب صورتحال بدل چکی تھی۔ اب جبکہ میں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا تھا ایک عورت چیل کی طرح بلندی سے فضا میں پرواز کر سکتی ہے اور پھر پروفیسر زموکا نے جو کہانی مجھے اس کے بارے میں سنائی تھی اسے سننے کے بعد یہ تصور کر لینا کہ درگا دیوی معصوم عورت ہوگی حماقت کے سوا اور کچھ نہیں تھا لیکن اس کے باوجود میں بڑی سادہ سی اور معصوم سی صورت بنا کر اس کے پاس پہنچا تھا۔ درگاہ دیوی اس وقت تک اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی گود میں ایک بل ڈوگ بیٹھا ہوا تھا۔ بل ڈوگ کی چھوٹی نسل کا چہرہ انتہائی خوفناک تھا۔ درگا دیوی نے مجھے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولی ''تم مسلمان ہو۔ فرید اپنے عقائد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔''

''میں نیم مذہبی آدمی ہوں اور وہ بھی اس لیے کہ وقت نے مجھے موقع نہیں دیا لیکن دل سے میں اپنے دین دھرم کا شدت کے ساتھ احترام کرتا ہوں۔ کوئی میرا دائیاں بازو کاٹ دے تو بے شک میں اس تکلیف کو برداشت کر جاؤں گا لیکن اگر میرے دین کی توہین کی جائے تو شاید میں اسے برداشت نہ کر سکوں۔''

''اپنے دین دھرم میں اتنا ہی پکا ہونا چاہیے۔ عقیدہ چاہے کچھ بھی ہو میں تمہاری بات سن کر خوش ہوئی خیر چھوڑو میں تم سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ دل میں کوئی آرزو ہے۔ تمہیں یاد ہے میں نے تم سے ایک بار کہا تھا کہ تمہیں تمہارے ماں باپ ضرور مل جائیں گے کیونکہ وہ تمہاری آرزو ہیں لیکن ان میں اگر کچھ دن لگ جائیں تمہیں یاد ہیں میرے وہ الفاظ؟''

''ہاں کیوں نہیں درگا دیوی۔''

''وہ الفاظ میں نے بے مقصد نہیں کہے تھے۔ اصل میں مجھے تمہاری ضرورت ہے تم سے ایک بہت ہی اہم کام لینا چاہتی ہوں میں۔''

''درگا جی کیا میں وہ اہم کام سرانجام دے سکتا ہوں؟''

''ہاں! کیوں نہیں، بات اصل میں یہ ہے کہ صحرائے اعظم افریقہ میں بہت سے قبیلے ایسے ہیں جو بڑے جادوٹونے جانتے ہیں۔ اگر تم نے صحرائے اعظم افریقہ کے بارے میں کبھی تفصیلات پڑھی ہیں تو تمہیں اس بات کا علم بھی ہوگا کہ وہاں آدم خور قبیلے بھی ہوتے ہیں اور ان کی بڑی بڑی ہولناک داستانیں ہیں۔ یہ بھی پڑھا ہوگا تم نے کہ وہاں سونے چاندی اور ہیرے کے انبار بھی ہیں بہت سے ایسے ذریعے ہیں وہاں جن میں چمکدار پتھر اس طرح لڑھکتے پھرتے ہیں جیسے مٹی کے ڈھیلے یا کنکر بس ان علاقوں تک پہنچنا ہوتا ہے۔ مجھے بھی وہاں ایک کام ہے۔ ایک ایسا کام جس کے بارے میں ابھی میں تمہیں تفصیل سے بتا بھی نہیں سکتی۔ تم یہ سمجھ لو کہ میں وہاں جانا چاہتی ہوں اور مجھے کچھ بہت اچھے ساتھیوں کی ضرورت ہے۔ جن میں سے ایک تم ہوگے۔ صحرائے اعظم افریقہ سے کامیاب واپسی کے بعد میرا صرف ایک مشن ہوگا وہ یہ کہ تمہارے ماں باپ کی تلاش کر کے تمہارے حوالے کر دوں۔ لیکن صحرائے اعظم میں تمہیں میرے لیے ایک مضبوط انسان کی حیثیت سے کام کرنا ہوگا۔ آج میں تمہیں ایک بات بتا دوں۔ فرید اللہ کہ تمہارا انتخاب میں نے بعد میں نہیں کیا بلکہ بہت پہلے کر لیا تھا تمہاری شخصیت کے اندر چھپی ہوئی ایک شخصیت کو میں نے بہت پہلے جان لیا تھا اور میں یہ بات جانتی ہوں کہ تم میرے لیے ایک انتہائی کار آمد انسان ثابت ہوگے کیونکہ تمہارے اندر ایک انوکھی قوت پوشیدہ ہے۔ اب خلوص دل کے ساتھ مجھے میری بات کا جواب دو۔ کیا تم میرے ساتھ صحرائے اعظم چلنے کے لیے تیار ہو؟''

لمحوں کے اندر فیصلہ کرنا تھا ایک طرف پروفیسر زموکا کی آرزو صحرا اعظم میں جانے کا منصوبہ بے مقصد نہیں ہوگا یہ فیصلہ تو بعد میں کرنا ہوگا مجھے کہ کس کا ساتھ دوں۔ پروفیسر زموکا کا یا درگا دیوی کا۔ میں نے زیادہ انتظار نہیں کیا اور کہا۔

''اصل میں یہ ہے کہ میڈم کہ آپ نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے وہ میرے لیے دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے قیمتی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حیثیت رکھتا ہے میں خلوص دل سے آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں اور اس امید کے ساتھ کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے گا آپ مجھے میرے ماں باپ سے ملا دیں گی۔ اس کے علاوہ نہ مجھے خزانوں کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی اور چیز کی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے میرے اور تمہارے درمیان یہ معاہدہ رفتہ رفتہ میں تمہیں اور بھی اپنے رازوں سے آگاہ کروں گی کیونکہ تم ان رازوں کو امانت رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہو لیکن سنو کچھ اور لوگ بھی میرے ساتھ ہوں گے وہ سارے کے سارے گدھے خزانوں کے متلاشی ہوں گے یہ خزانے بے شک انہیں ملیں گے لیکن میرا مقصد بالکل مختلف ہوگا جس کے راز دار صرف تم ہو گے منظور ہے؟"

"ہاں مجھے منظور ہے۔"

"نہیں ایسے نہیں اپنا داہنا ہاتھ سامنے کرو۔"

میں نے اس کی اس ہدایت پر عمل کیا اور اس نے اپنے ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی انگلی میں ڈال دی۔ اس انگوٹھی کے اوپری سرے پر بندر کا ایک سر بنا ہوا تھا اس نے کہا۔

"یہ میرے اور تمہارے درمیان عہد کی نشانی ہے اور اس طرح یہ عہد مکمل ہوتا ہے۔"

میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی تو وہ بولی۔

"اور اب تمہارا درجہ اور بھی بڑھ گیا ہے تم دیکھو گے کہ میری اس قدر قربت حاصل کرنے کے بعد تمہیں کیا حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔"

میں نے نہایت عاجزی سے کہا

"میڈم حقیقت ہے کہ آپ نے ویسے بھی مجھے جو مقام بخش دیا ہے وہ میرے لیے کسی طرح کم نہیں ہے میں درجوں کی بات نہیں کرتا نہ مجھے اپنے درجے میں کسی اضافے کی ضرورت ہے بس میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ پر اعتماد کریں اور مجھے اپنے اچھے دوستوں میں شمار کریں۔"

"ایسا ہی ہوگا میں تمہیں اپنا نائب بنا چکی ہوں کل پورا چاند ہوگا پورے چاند میں تمہیں میں اپنی صلاحیت دکھاؤں گی۔ اپنی حقیقت بتاؤں گی۔ سمجھ رہے ہو نا۔ کل تم مجھ

سے مکمل طور پر واقف ہو جاؤ گے اور یہ بات ذہن نشین کرلو۔ فرید کہ جب انسان کسی کا راز جان لیتا ہے تو اس پر بہت بڑی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں تم ان ذمہ داریوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکو گے۔ تمہیں یہ ذمہ داریاں پوری کرنا ہوں گی۔"

"لیکن میں یہ چاہوں گا میڈم کہ آپ ہر قدم پر میری رہنمائی کریں۔"

"ایسا ہی ہوگا، بالکل ایسا ہی ہوگا تم اس کی فکر مت کرو۔ ہمیں نہایت ذہانت کے ساتھ کچھ کارنامے سرانجام دینا ہوں گے۔ تم دیکھو گے میں کیا کرتی ہوں۔ رات کی تنہائیوں میں میں نے اپنی اس نئی زندگی کے بارے میں سوچا۔ کیا ہی انوکھی داستان تھی میری زندگی میں کتنے الٹ پھیر، کتنے نشیب و فراز آئے تھے اگر میں کسی کو اپنی زندگی کی داستان سنانے بیٹھتا تو مشکل سے ایسے ہمت والے لوگ مجھے نظر آتے جو میری داستان کو برداشت کر سکتے تھے۔ کم زور دل والے افراد اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے تھے لیکن میں تھا کہ اپنی مشکلات کی منزلوں سے گزر رہا تھا۔ زندہ بھی تھا اور ثابت قدم بھی یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ پروفیسر زموکا کا ساتھ دوں یا اس خوفناک عورت کی باتوں کو مانتا رہوں حالانکہ اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ ابھی تک مجھے درگا دیوی کی طرف سے بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی لیکن نجانے کیوں پروفیسر زموکا کی داستان نے بھی مجھے متاثر کیا تھا اور میں اس رابطے کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اچانک ہی میرے دل میں ایک خیال آیا۔ پرانی کوٹھی میں داخل ہونے کے لیے میں نے جو راستے اختیار کیے وہ عام راستے تھے۔ راہداریوں میں سے گزرتے ہوئے اگر درگا دیوی میرے نشانات پا گئی تو اچانک ہی اس کا مجھ پر اعتماد ختم ہو جائے گا اور ساری کہانی گڑ بڑ ہو جائے گی کیوں نہ کوئی ایسا خفیہ راستہ تلاش کیا جائے جس سے اندر داخل ہوا جائے اور دوسرے دن میں نے یہی تمام کوششیں شروع کر دیں جب انسان کسی چیز کی تلاش میں نکلتا ہے وقت اور تقدیر اس کی مدد کرتی ہے۔ کوٹھی کے بائیں سمت بڑ کا ایک چوڑا درخت نظر آیا جس کی کچھ شاخیں پرانی حویلی کے اندر گھسی ہوئی تھیں اور بآسانی اس درخت پر چڑھ کے ان شاخوں کے ذریعے حویلی کے اندر اترا جا سکتا تھا لیکن دوسرے دن مجھے محتاط رہنا تھا درگا دیوی نے کہا تھا کہ وہ مجھے اپنی اصلیت بتائے گی۔ میں اس اصلیت کو جاننا چاہتا تھا اور کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہتا تھا جس کی وجہ سے درگا دیوی میری بدنصیبی سے واقف ہو جائے۔ پراسرار اور خطرناک عورت نے میری ساری

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی اور میں اس سے بہت زیادہ متاثر تھا اس دہرے کھیل میں مجھے لطف آرہا تھا۔ ماضی کی گزری ہوئی داستانوں میں بڑی پراسراریت اور سنسنی تھی لیکن موجودہ ماحول ان میں سے زیادہ سنسنی خیز تھا۔غرض یہ کہ میں نے انتظار کیا۔شام کو سورج ڈھلے مجھے درگا دیوی کا پیغام ملا۔اس وقت وہ نئی کوٹھی کے لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی تنہا تھی۔میں قریب پہنچا تو اس نے کہا۔

''نہیں میں تمہیں اپنے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے کی دعوت نہیں دے سکتی اس کی وجہ یہ ہے کہ کوٹھی کے دوسرے ملازمین تمہارے بارے میں فضول باتیں کرنے لگیں گے۔ تم رات کو ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے کوٹھی کے عقبی لان میں آجاؤ۔اس جگہ جہاں درختوں کا حصار ہے کبھی گئے ہو اس طرف؟''

''بالکل نہیں.....''

''وہ حصار دیکھا ہے؟''

''ہاں! ملازموں کے کوارٹر سے وہ بالکل صاف نظر آتا ہے۔''

''بظاہر اس میں کوئی دروازہ نہیں ہے لیکن آج کی رات اس میں دروازہ پیدا ہو جائے گا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے وہاں پہنچ جاؤ۔ سارا مطلب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔''

درگا دیوی پراسرار انداز میں بولی۔

''ٹھیک ہے جو آپ کا حکم.....''

''جاؤ.....''

اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور میں بھی رکے بغیر وہاں سے پلٹ پڑا۔ خطرناک عورت کے سامنے زیادہ دیر رکنا خطرات کے مول لینے کے برابر تھا۔ میں پھر اپنی رہائش گاہ میں آگیا۔ ساڑھے گیارہ بجے تک کا وقت کاٹنا مشکل ہوگیا۔ چاند کی چودہ تاریخ تھی اور آسمان پر روشنی کا طوفان برپا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجنے میں صرف دو منٹ رہ گئے تو میں پراسرار چاندنی میں باہر نکل آیا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا درختوں کے حصار کی جانب

چل پڑا۔ میرے ذہن میں لاتعداد خیالات تھے۔ پتہ نہیں آنے والا وقت کیا صورتحال پیش کرنا چاہے درختوں کے حصار کے قریب پہنچا تو باقاعدہ ایک چھوٹا سا درہ بنا ہوا نظر آیا اس سے پہلے درختوں کا یہ حصار کئی بار دیکھ چکا تھا کوئی خاص خیال ذہن میں ابھرا ہی نہیں تھا لیکن اس وقت درختوں کے حصار کے درمیان اس دروازے کو دیکھ کر حیران رہ گیا کچھ لمحے کھڑا رہا۔ جھک کر اس دروازے سے اندر داخل ہوا تو یوں لگا جیسے دنیا ہی بدل گئی ہو۔ یقین نہیں آتا تھا کہ درختوں کے حصار کی ایک جانب ایسا کوئی عجیب وغریب ماحول نظر آئے گا۔ ناقابل یقین مناظر تھے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں؟ بہت ہی عجیب وغریب منظر میں نے دیکھا کہ دوسری جانب لاتعداد درخت سر ابھارے کھڑے ہوئے تھے اور دریا کے جیسے پاٹ نظر آرہے تھے۔ اس پاٹ کے پار عظیم الشان چٹانیں اس طرح کھڑی تھیں جیسے بلند و بالا مینار تراشے گئے ہوں۔ کافی دور جا کر ایک پہاڑی سرنگ نظر آرہی تھی اور اس طرح کے دیکھنے والے اسے دیکھ کر دیوانے ہو جائیں۔ چاروں طرف سے چاند کی روشنی نے ان چٹانوں کو گھیر رکھا تھا اور ان کے درمیان ایک تخت نظر آرہا تھا۔ دیکھنے والے دیکھتے تو ہوش کھو بیٹھتے اور اس قدر زر و جواہر جڑے ہوئے تخت پر حسن و جمال کا ایک ایسا مجسمہ نظر آرہا تھا جس کی ایک ایک تفصیل بے مثال انسانی آنکھ اسے دیکھے تو بینائی کھو بیٹھے۔ ایک ایک نقش مکمل یاقوت سے تراشے ہوئے ہونٹ اتنے سرخ کہ یاقوت کی چمک ان کے آگے ماند پڑ جائے، دمکتے ہوئے رخسار رنگ یوں جیسے چاند پر موم کی تہہ چڑھا دی گئی ہو۔ بدن اتنا سڈول کہ سنگ مرمر کے مجسمے اس کی چکناہٹ اور تراش کے آگے سر جھکا لیں۔ یہ حسن و جمال تو ایسا تھا کہ اسے دیکھ کر موت مانگ لی جائے وہ خاموش بیٹھی ہوئی تھیں میں اس طرح پتھرا گیا تھا جیسے میرے وجود میں زندگی ہی نہ ہو۔ تب اس کے سفید موتیوں جیسے دانت جھانکے۔ وہ مسکرائی اور اس کی آواز ابھری۔

''مقدس مہمان! اتنے فاصلے کیوں اختیار کیے ہوئے ہو۔ یہ فاصلے کم کرو اور میرے قریب آجاؤ۔''

میرے علاوہ وہاں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا اور دوبارہ دیکھا اور تیسری بار اور اس کے بعد میرے قدم اس کی جانب اٹھ گئے پھر وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور میں نے دیکھا کہ میرے اور اس کے درمیان پانی کا ایک حوض

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہے، پانی اس حوض پر لہریں لے رہا تھا اور چاند کی کرنیں اس پانی کو سنہرے رنگ بخش چکی تھیں۔ تب اس نے آگے بڑھ کر پانی پر قدم رکھا اور بڑے اطمینان سے چلتی ہوئی آگے آئی۔ پھر وہ پانی پر ہی کھڑی ہوگئی اور اس نے کہا۔

"تم نے مجھے دیکھا میرا یہ رنگ و روپ دیکھو اور اسے اپنی نگاہوں میں اتار لو۔"

اس کے چہرے پر اداسی کی لکیریں دوڑ گئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی تھی پھر اس نے آہستہ آہستہ اپنے رنگین لباس کا ایک حصہ اپنے چہرے پر ڈالا اور رخ تبدیل کر کے اسی پانی میں کھڑی ہوگئی یہاں تک کہ میرے دل میں بے اختیار یہ جذبے ابھرے کہ میں اسے رخ بدلنے کے لیے کہوں تو میں نے اپنے دل کی بات مان لی۔ میں نے کہا۔

"اے عظیم حسن و جمال کی مالک تو نے رخ کیوں بدل لیا۔"

"اس انتظار کے لیے تم مجھے رخ تبدیل کرنے کے لیے کہو۔"

وہ بولی اور واپس پلٹی پھر اس نے اپنے چہرے سے وہ رنگین لباس ہٹایا تو میں بری طرح چونک پڑا۔ یہ تو درگا دیوی کا چہرہ تھا۔ درگا دیوی بذات خود بھی بدشکل نہیں تھی لیکن کہاں وہ حسن بے پناہ اور کہاں درگا دیوی۔ درحقیقت حسین صورتیں اس طرح حواس پر اثر انداز ہوتی ہیں کہ انسان عقل کھو بیٹھتا ہے۔ میری کیفیت بھی اس وقت ایسی ہی تھی۔ درگا دیوی نے کہا۔

"تم نے دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں اس بارے میں۔"

میں چونکا اور پھر میں نے درگا دیوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کے بارے میں کچھ کہنا میڈم دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ ایسی صورتیں دیکھ کر بس موت کی آرزو کی جا سکتی ہے کہ اس کے بعد اور کچھ نہ دیکھا جائے۔"

درگا دیوی نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور پھر بولی۔

"یہ میں ہوں، ہاں فرید یہ میں ہوں۔ میں وہی تھی لیکن وہ نہ رہی یہ بنا دی گئی۔ میری حکمرانی تھی ایک قبیلے پر میں تمہیں دل کی تمام باتیں بتا رہی ہوں جو میں نے کبھی کسی کو نہیں بتائیں۔ یہ میری دنیا نہیں ہے میری دنیا کہیں اور تھی۔ میرا ایک قبیلہ تھا۔

جس کا نام ناروا تھا ناروا قبیلے کی دیوی تھی۔ میرے قبیلے کا بچہ بچہ مجھ سے محبت کرتا تھا۔ جان دیتے تھے وہ مجھ پر لیکن اس کے بعد میرے قبیلے کے جادوگروں نے میرے خلاف سازشیں کیں۔ ان کا سربراہ زموکا تھا۔ زموکا جو جدید دنیا سے بھی واقف تھا۔ اس نے میرے خلاف سازش کی ہے اور اپنے جادو کے زیر اثر مجھے قبیلے کی دیوی سے یہاں تک پہنچا دیا۔ یہاں آنے کے بعد میں بڑی مشکل میں پڑ گئی۔ یہ دنیا میرے لیے اجنبی تھی میں نہیں جانتی تھی کہ یہاں کیا ہے بے یارو مددگار پھر رہی تھی میں۔ میری شکل و صورت تک تبدیل کر دی گئی تھی۔ پھر مجھے ایک مہان گیانی ملا۔ اس نے مجھے سہارا دیا میں نے اس سے جادو سیکھا اور آخر کار اس قابل ہوگئی کہ اپنے بڑے دشمن پر قابو پا سکوں۔ میرا بڑا دشمن اب میرے قبضے میں ہے میں تمہیں ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی اور براہ کرم مجھ سے اس کے بارے میں پوچھنے کی کوشش بھی نہ کرنا لیکن ابھی تک میں اپنی وہ قوتیں حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ قوتیں حاصل کرنے کے لیے مجھے صحرائے اعظم افریقہ کا ایک سفر کرنا ہوگا اور ایک بار پھر میں اپنے قبیلے میں پہنچ جاؤں گی۔ وہاں پہنچ کر میں اپنے بڑے دشمن کا راز انکشاف کروں گی اور آخر کار قبیلے کے لوگ مجھے اپنی دیوی تسلیم کر لیں گے۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے اور اسی کے لیے میں زندہ ہوں۔ تم یقین کرو فرید تمہاری ذات سے مجھے بہت امیدیں وابستہ ہیں۔ میں ایک بار پھر تمہیں یہ بات کہہ رہی ہوں کہ میں نے بلا وجہ تمہارا انتخاب نہیں کیا۔ مجھے میرے علم نے بتایا ہے کہ تم میرے لیے انتہائی کار آمد ہو سکتے ہو اور تم میری ساری مشکلات کا حل ہو۔ میرا علم مجھ سے یہی کہتا ہے کہ مجھے ان تمام مصیبتوں سے تم ہی نجات دلاؤ گے۔ فرید آج میں نے تم پر اپنا راز منکشف کر دیا ہے جس کے لیے میں نجانے کتنے عرصے تک کوششیں کرتی رہی ہوں اور سنو میرے پاس تمہارے لیے بہت کچھ ہے دولت کے انبار لگا دیئے ہیں۔ میں نے تمہارے لیے اور وہ تمہارے حوالے کر دوں گی۔ ایک اچھے انسان کی حیثیت سے تم یہ فیصلہ کرو گے کہ خلوص دل سے میرے لیے کچھ کر سکتے ہو یا نہیں؟ اگر تمہارا دل اس بات کی گواہی نہ دے تو ایک اچھے انسان کی حیثیت سے تم مجھ سے معذرت کر کے چلے جانا اور کھلے الفاظ میں کہہ دینا کہ درگا دیوی میں تیری مدد نہیں کر سکتا۔ یقین کرو میں تمہارے مستقبل کے لیے اتنا کچھ کر دوں گی پھر تمہیں کوئی پریشان نہیں ہوگی اور اس کے بعد میں یہ سوچ لوں گی کہ تقدیر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ابھی میرے لیے سازگار نہیں ہے اور وقت نے ابھی مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ میرا مقام واپس مل جائے۔ دوسری صورت میں اگر تم میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاؤ تو میں اپنے قبیلے میں پہنچنے کے بعد تمہارے لیے وہ کچھ کروں گی جو تمہیں ہمیشہ یاد رہے گا میں یہ نہیں کہہ رہی کہ میں تمہیں اپنے قبیلے میں رکھ لوں گی کیونکہ واپس آ کر میں نے تمہارے ماں باپ کو تلاش کر کے تمہارے حوالے کرنا ہے کیونکہ یہ میری ذمہ داری ہے۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے اور اس کے لیے بھی جلد بازی نہیں میں تمہیں موقع دے رہی ہوں تین دن کے بعد تم مجھے اپنے فیصلہ سنا سکتے ہو۔ جاؤ اس نے کہا اور مسکرا دی۔ اپنے مخصوص انداز کو اس نے آج بھی نہیں چھوڑا تھا اور میں وہاں سے چل پڑا لیکن میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اپنی رہائش گاہ میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ غور کرتا تھا سوچتا تھا۔ اچھی طرح سوچنا تھا۔ پہلے تو دماغ کو پرسکون کیا اور یہ سوچا کہ میں بذات خود کیا ہوں پھر یہ سوچا کہ ایک ایسی عورت نے جو اپنے آپ کو ایک قبیلے کی حکمراں کہتی ہے۔ اپنی حکمرانی کی واپسی کے لیے مجھ جیسے شخص کا انتخاب کیوں کیا۔ بظاہر تو ایسی خاص بات میرے اندر نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ زندگی پراسرار واقعات سے دو چار رہا تھا اور عام لوگوں سے مختلف انداز میں جیتا رہا تھا۔ چلو خیر یہ اس کا معاملہ ہے کہ اس نے میرے اندر ایک ایسی خاص بات پائی جس کی وجہ سے اس نے مجھے اپنے اس کام کے لیے منتخب کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب اسے کیا جواب دوں وہ مجھے صحرائے اعظم افریقہ لے جانا چاہتی ہے۔ سرزمین افریقہ کی داستانیں میں نے سنی تھیں اس پراسرار خطے کے بارے میں بے شمار کہانیاں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ میں بذات خود اس پراسرار خطے کی کسی داستان سے منسوب ہو سکتا ہوں لیکن وقت مجھے اس کا موقع دے رہا تھا تو کیا کرنا چاہئے اس سلسلہ میں کئی باتیں تھیں اگر درگا دیوی سے تعاون نہیں کرتا تو نہیں کہہ سکتا کہ اس کا ردعمل کیا ہوتا اس نے جو کہانی سنائی تھی وہ بڑی سنسنی خیز تھی لیکن وہ روپ جو اس نے مجھے دکھایا تھا وہ بھی میرے لیے نہ بھلانے والا تھا وہ حسین چہرہ کیا واقعی وہ درگا دیوی کا دوسرا روپ تھا۔ یا پھر اس کے پس منظر میں بھی کوئی اور کہانی ہے کیا کہا جا سکتا ہے اس کے علاوہ اس نے اپنے ایک بڑے دشمن کا بھی تذکرہ کیا۔ کیا وہ بڑا دشمن پروفیسر زموکا ہو سکتا ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو کہانی بڑی سنسنی خیز ہو جاتی ہے۔ یہ بات بھی میری نگاہوں

کے سامنے تھی کہ درگا دیوی ایک بہت بڑی جادوگرنی تھی اور اس نے اس بات کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے چیل کی مانند اڑتے ہوئے دیکھا۔ بہرحال یہ بھی سارے عوامل مل گئے تھے۔ پہلی بات یوں یہ کہ میں خود اپنی مدد نہیں کر پا رہا تھا تو کسی اور کی مدد کیا کرتا۔ درگا دیوی نے مجھے اس مدد کے لیے اظہار کیا تھا اور دوسری شخصیت پروفیسر زموکا کی تھی۔ درگاہ دیوی کے خلاف پروفیسر زموکا کی مدد کم از کم یہاں رہ کر تو نہیں کر سکتا تھا البتہ ایک بات ذہن میں آئی وہ یہ کہ درگا دیوی اگر سفر کرنا چاہتی ہے تو میرے لیے بھی کار آمد ہے۔ تیجا اگر میری تلاش میں بھی ہے تو مجھے نہ پا کر مایوس ہو جائے گا اور اس کے بعد وہ میری تلاش چھوڑ دے گا۔ اگر درگا دیوی کا کام بن گیا تو میرے ماں باپ کی تلاش میں بھی مجھے مدد ملے گی۔ فرض کرو ایسا نہ بھی ہوا تو کم از کم پروفیسر زموکا کی مدد بھی ہو جائے گی کیونکہ درگا دیوی اپنے اس بڑے دشمن کو ختم کرنے کی بات نہیں کرتی تھی اور اگر وہ کرنا چاہتی تو پروفیسر زموکا اس وقت اس کے پاس جس حال میں موجود ہے وہ درگا دیوی سے کوئی جنگ نہیں کر سکتا۔ بہرحال ان تمام باتوں کو سوچنے کے بعد میں نے یہی فیصلہ کیا کہ بڑے خلوص کے ساتھ درگا دیوی کو اس سارے کام پر اپنی آمادگی کا اظہار کر دوں۔ دوسرے ہی دن وہ صبح ہی صبح مجھے لان پر چہل قدمی کرتی ہوئی نظر آئی اور میں جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی جانب چل پڑا درگا دیوی نے مجھے دور سے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی جب میں قریب پہنچا تو اس نے کہا۔

''آؤ! کیا تم بھی صبح جلدی اٹھنے کے عادی ہو''

''ہاں کیوں نہیں؟''

''صبح کو اٹھنا بہت اچھا ہوتا ہے میں نے تو یہ عادت بچپن ہی سے اپنائی ہوئی ہے جب میں اپنے قبیلے میں تھی۔ تو میرے اردگرد بے شمار پہرے ہوا کرتے تھے لیکن تمہیں ہنسی آئے گی کہ میں نے ایک ایسا خفیہ دروازہ دریافت کر لیا تھا کہ کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا اور میں باہر نکل جاتی تھی اور اس کے بعد پہاڑوں میں دور تک گھومتی تھی بلکہ اس وقت میں نے ایک دلچسپ کھیل بھی کھیلا تھا اور وہ کھیل یہ تھا کہ ہمارے قبیلے کے ایک بوڑھے شخص نے مجھے دیکھا اور حیران رہ گیا اس نے مجھ سے بات کی تو میں نے کہا کہ میں وہ نہیں ہوں جو وہ مجھے سمجھ رہا ہے بلکہ میں تو ایک عام لڑکی ہوں اور پھر یہ کھیل کافی عرصہ

تک چلتا رہا۔ بوڑھے نے کئی بار اس عام لڑکی کو دوبارہ تلاش کیا لیکن وہ اسے نہ ملی کیونکہ میں نے اپنی چہل قدمی کی جگہ بدل دی تھی۔ خیر چھوڑو ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ ماضی کی یادیں صرف دل کو دکھ ہی دیا کرتی ہیں۔ میں درحقیقت اس وقت متاثر ہوگیا تھا وہ جس طرح اپنے قبیلے کی بات کر رہی تھی۔ بچپن کے جو واقعات سنا رہی تھی اس سے یہ ہی ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے اپنے بارے میں جو کچھ کہا ہے ٹھیک ہی کہا ہے اور یہ سچ ہے کہ اگر کسی سے اس کا گھر چھن جائے تو وہ اس گھر کے حصول کے لیے سارے اطوار بھلا دیتا ہے میں نے کہا۔

"میڈم! آپ نے مجھے سوچنے کے لیے تین دن کا وقت دیا تھا۔"

"ہاں! اصل میں میری خواہش ہے کہ تم جو فیصلہ کرو بہت سوچ سمجھ کر کرو۔ اس سفر میں زندگی کے لیے مشکلات بھی پیدا ہوں گی۔ بہت سے ہنگامے بھی ہو سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں کہیں تم اس احساس کا شکار نہ ہو جاؤ کہ جلد بازی میں غلطی کر بیٹھے ہو۔ لیکن جب تم مجھے اپنی آمادگی کا یقین دلا دو گے تو تم پر ایک ذمہ داری عائد ہو جائے گی اور اگر اچھی طرح سوچ سمجھ کر کام کرنے کے بعد تم نے اس ذمہ داری سے بچنے کی کوشش کی تو میں معافی چاہتی ہوں تم سے اپنے ان الفاظ کی کہ اس کے بعد میں تمہیں بھی اپنے دشمنوں میں شمار کروں گی کیونکہ یہ میری زندگی کا سب سے اہم اور مشکل مرحلہ ہے یقیناً تم میری بات سمجھ گئے ہو گے۔"

میں نے گردن ہلا کر کہا۔

"ہاں میں آپ کی بات اچھی طرح سمجھ گیا ہوں میڈم، اور اس وقت میں آپ کو جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ پوری طرح سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ میں آپ کے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آپ کی خواہش کے مطابق آپ کے وفادار کی حیثیت سے، میڈم ایک دم رک گئیں۔"

مجھے دیکھتی رہی اس کے چہرے پر عجیب سے آثار پیدا ہوگئے تھے ان میں خوشی بھی تھی اور ایک جذباتی کیفیت بھی پھر اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑا اور پھر بولی۔

"تین دن تو ابھی پورے بھی نہیں ہوئے۔"

"جو کام کرنا ہے میڈم اس کے لین دن کا انتظار کیوں اور پھر مجھے کون سا کسی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے مشورہ کرنے جانا ہے فیصلہ تو خود ہی کرنا ہے مجھے اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ آپ جیسی مہربان خاتون کے لیے ہر کام کیا جا سکتا ہے۔"

میڈم نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"تمہیں مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ گویا انہیں اس بات کا اقرار تھا کہ ہمارے درمیان معاہدہ مکمل ہوگیا پھر اسی دوپہر میڈم نے مجھے کھانے پر طلب کیا صرف میں اور وہ تھیں انہوں نے کہا۔

"میں تمہیں چند لوگوں سے ملاؤں گی۔ آج ہی رات وہ تمہارے دست راست ہوں گے پھر ہمیں ایک سمندری سفر کرنا پڑے گا۔ سمندری سفر ہر طرح کے جادو کا توڑ ہوتا ہے۔ میں جانتی ہوں تم سحر زدہ ہو اور تم پر کسی شیطان نے اپنے اثرات ڈالے ہوئے ہیں۔ میں اس شیطان سے سب سے پہلے تمہارا پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں اور یہ کام مشکل نہیں ہوگا بے فکر رہو۔ جس کے بارے میں تم نے مجھے بتایا ہے وہ تم سے بہت دور ہو جائے گا اور تم سکون کے ساتھ اپنا کام سرانجام دے سکو گے۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات اس لیے ان لوگوں میں ہوائی جہاز سے ایک مخصوص جگہ بھیج رہی ہوں۔ وہاں پہنچ کر یہ انتظامات کریں گے اور تم اس کی سربراہی کرو گے۔"

"میں نے کہا نا آپ مجھے جو حکم دیں گی میں آنکھیں بند کر کے اس کی تعمیل کروں گا۔"

"آنکھیں بند کر کے نہیں آنکھیں کھول کر۔"

میڈم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ بہت خوش نظر آرہی تھی جن لوگوں سے میری ملاقات کرائی گئی ان میں ایک گوونڈا تھا۔ جسمانی طور پر وہ بہت طاقتور نظر آتا تھا لیکن اس کے چہرے پر داڑھی مونچھیں نہیں تھیں بلکہ ایسا لگتا تھا جیسے کبھی داڑھی مونچھیں اگی ہی نہ ہوں۔ آواز بھی کچھ زنانہ ٹائپ کی تھی۔ دوسرا ہنس راج تھا۔ ہنس راج بھی ایک خطرناک شکل آدمی تھا۔ تیسرا بشیر خان تھا۔ جس کا چہرہ دھوپ میں جھلسا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ بشیر خان کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ ایک انتہائی تجربہ کار ملاح ہے۔ میڈم نے ان تینوں سے میرا تعارف کرا کر کہا۔

"اور یہ تینوں تمہاری ماتحتی میں کام کریں گے۔ بڑے کام کے لوگ ہیں یہ میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

انہیں ایک مخصوص جگہ پر روانہ کر رہی ہوں جس کے بارے میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گی۔ وہاں جا کر یہ انتظامات کریں گے اور ہم وہاں سے اپنے سفر کا آغاز کریں گے۔"

ساری باتیں طے پا گئیں۔ وہ لوگ رخصت ہوگئے اور اس رات میں نے نجانے کیسے کیسے تصورات اپنے ذہن میں قائم کیے ساری باتیں اپنی جگہ ذہنی طور پر میں کسی سفر کے لیے تیار نہیں تھا میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس انداز میں مجھے کوئی سفر کرنا پڑے گا لیکن بہت سی باتیں ایسی تھی جو مجھے اس بات کا احساس دلا رہی تھیں کہ یہ سفر میرے لیے انتہائی بہتر رہے گا۔ بزرگوں سے بھی سنا تھا کہ سمندر پار کر لینے سے ہر طرح کے جادو کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ میں تو ویسے بھی مصیبت زدہ تھا اور اپنے اوپر سے ہر طرح کے اثرات ختم کرنا چاہتا تھا یہاں سے بے شمار یادیں وابستہ تھیں۔ بہت سے خیالات دل میں تھے لیکن کیا ملا تھا مجھے یہاں رہ کر سوائے عذاب کے یہاں تک کہ ماں باپ بھی کھو گئے تھے۔ ایک منحوس دشمن مسلسل میرا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ مجھے جن راستوں پر لگانا چاہتا تھا میں ان راستوں سے بچنے کا خواہش مند تھا لیکن تقدیر مجھے انہی الجھنوں میں ڈالے ہوئے تھی۔ ہو سکتا ہے میری ان الجھنوں کا خاتمہ ہو جائے ہو سکتا ہے کہ صحرائے اعظم افریقہ مجھے نئی زندگی مل جائے اپنے آپ کو مطمئن کرنا ضروری تھا۔ گوندہ، بشیر اور ہنس راج شاید چلے گئے ہوں گے۔ میڈم بہرحال ایک بااثر عورت تھی۔ پھر تقریباً دس دن ہمیں گزارنے پڑے۔ گیارہویں دن کے صبح ہی صبح میڈم نے مجھ سے میرے کوارٹر میں ملاقات کی اور میں حیران رہ گیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب وہ میرے کوارٹر میں آئی تھی۔ اس نے مجھے جگایا اور بولی۔

"فوراً تیار ہو جاؤ۔ بس منہ ہاتھ دھولو اور اپنا حلیہ سنوار لو۔"

"میں سمجھا نہیں میڈم.....؟"

"چلنا ہے....."

"کہاں.....؟"

"کیا؟"

"میں اچھل پڑا۔"

"ہاں....."

"م..... میں مگر....."

بالکل کچھ بھی نہیں۔

سارے انتظامات میں نے خود کر لیے ہیں۔

"جی....."

ناشتہ بھی نہیں کیا اور خاموشی سے اٹھ کر واش روم میں چلا گیا۔ منہ ہاتھ دھوئے بال سنوارے باہر میڈم کی کار کھڑی ہوئی تھی ڈرائیور مستعد تھا۔ میں دروازہ کھول کر ڈرائیور کے پاس بیٹھ گیا اور میڈم پیچھے۔ خود اس نے بھی اپنے ساتھ کچھ نہیں لیا تھا۔ کار سفر کر کے ایک عمارت تک پہنچی۔ ڈرائیور واپس چلا گیا تو میڈم نے یہاں پہنچ کر ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر چل پڑی۔ کچھ پراسرار سا انداز تھا اس کا غالباً وہ کسی پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ کہیں دور جا رہی ہے۔ اس کے پاس صرف ایک چھوٹا ہینڈ بیگ تھا جس میں ظاہر ہے اس کی ضرورت کی چیزیں ہوں گی ٹیکسی کا سفر بندرگاہ تک کا تھا۔ آخر کار ہم بندرگاہ پر اتر گئے۔ یہاں دو افراد میڈم کو ملے اور انہوں نے نہایت عزت اور احترام کے ساتھ ہمیں ایک ایسے سمندری جہاز میں پہنچا دیا جو روانگی کے لیے تیار تھا۔ جہاز کے سائیٹ پر بڑا بڑا لفظ دوسا لکھا ہوا تھا۔ پوری زندگی میں پہلی بار میں نے کسی سمندری جہاز پر قدم رکھا تھا۔ پانی پر تعمیر یہ عمارت میرے لیے بڑی دلچسپی کا باعث تھی۔ پھر مجھے ایک کیبن میں پہنچا دیا گیا۔ درگا دیوی نے مجھ سے کہا۔

"یہ تمہارا کیبن ہے۔ میرا کیبن یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے۔ لیکن جہاز کی اپنی الگ ایک زندگی ہوتی ہے۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی کیا تم نے پہلی بار سمندری سفر کیا ہے۔"

"جی ہاں۔"

اصل میں تم سے یہ ہی کہنا چاہتی تھی میں کہ ذرا بھی کسی الجھن کو دل میں جگہ نہ دینا سب ٹھیک ہے۔ ایک خوبصورت سفر تمہارا منتظر ہے اور اس خوبصورت سفر سے پوری طرح لطف اٹھاؤ۔ پریشانی کا کوئی عمل درمیان میں نہیں ہے اس لیے پریشان نہ ہونا۔"

اس کے بعد وہ چلی گئی میں نے اپنے اس کیبن کو دیکھا۔ جہاز کے سفر کے بارے میں بہت سی باتیں سنی تھیں۔ زندگی کا حسن ہوتا ہے اس سفر میں اور واقعی جب جہاز

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے سمندر کا کنارہ چھوڑ دیا اور گہرے سمندروں میں سفر کرنے لگا تو زندگی کا ایک الگ ہی حسن نظر آیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ میرے اس کیبن میں الماری میں میرے لیے لباس، جوتے، شیو کا سامان اور تمام چیزیں موجود تھیں۔ یہ بات میں بھی جانتا تھا کہ یہ اشیاء جہاز والے مہیا نہیں کرتے بلکہ مسافروں کی اپنی ہوتی ہیں اور ایک جادوگر عورت کے لیے یہ تمام چیزیں مہیا کر دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا البتہ میں محتاط تھا مجھے یہاں پہنچانے کے بعد میڈم نے مجھ سے کوئی ملاقات نہیں کی تھی۔ جہاز کے سفر میں تقریباً چھ گھنٹے گزر چکے تھے میں اپنے کیبن میں ہی تھا اور مجھے کھانے پینے کی تمام اشیاء مہیا کر دی گئیں تھیں۔ جہاز کے ملازم بڑے مستعد تھے کچھ اور دیر گزری تو میں نے دل میں سوچا کہ میڈم تو مصروف ہوگئی ہے میں اس طرح کیوں اپنے آپ کو قید کرلوں ذرا باہر نکل کر تو دیکھوں کہ سمندر پر سفر کرنے والوں کی دنیا کیا ہوتی ہے۔ جو کچھ ان کے بارے میں سنا ہے سب کچھ وہی ہوتا ہے یا اس زندگی میں کوئی تبدیلی بھی ہوتی ہے۔ باہر نکل کر عرشے پر پہنچ گیا اوپر شام پھیل گئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ جہاز کے تمام مسافر عرشے پر نکل آئے ہیں اور سورج اور سمندر کی کشمکش سے لطف اندواز ہو رہے ہیں۔ بہت دور نگاہوں کی آخری حد تک سمندر کی لکیر سورج سے جنگ کر رہی تھی۔ سمندر کی مہیب لہریں سورج کو نگلنے کے لیے بلند ہوتیں ایک لمحے کے لیے سورج ان میں چھپ جاتا لیکن دوسرے لمحے ہنستا ہوا کسی گیند کی طرح پھر اچھل کر اوپر ہو جاتا۔ غور کرنے پر احساس ہوا کہ نہ سورج اپنی جگہ سے ہٹ رہا ہے نہ سمندر، بس یہ جہاز کے ہچکولے ہیں جو کبھی پانی کو اونچا کر دیتے ہیں اور کبھی سورج کو نیچا تاحد نگاہ حسین لباس، حسین لوگ بکھرے ہوئے تھے میڈم ان میں نظر نہیں آرہی تھیں۔ بہرحال رات تک میں سمندر کے سحر سے لطف حاصل کرتا رہا۔ اپنی تنہائی کا احساس بھی تھا لیکن میں اکیلا ہی تنہا نہیں تھا اور بھی بہت سے لوگوں کو میں نے عرشے کی ریلنگ کے ساتھ اکیلے کھڑے ہوئے دیکھا تھا۔ بہرحال زندگی کا ایک بہت ہی پرلطف تجربہ تھا اور میں واقعی بڑا دلچسپ ماحول محسوس کر رہا تھا۔ غرض یہ کہ خوب گہری رات ہوگئی مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کھانے کا کیا بندوبست ہوگا لیکن ایک پورٹر نے مجھ سے کھانے کے بارے میں پوچھا اور میں نے اس سے کھانا اپنے کیبن میں ہی طلب کرلیا۔ کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ اچھی خاصی رات ہوگئی تھی۔ میرے ذہن میں بہت

سے خیالات آرہے تھے۔ انہی میں ایک خیال بیچارے پروفیسر زموکا بھی آیا۔ ایک بات بڑی حیران کن تھی۔ پروفیسر زموکا کو میڈم نے وہیں چھوڑ دیا۔ آخر کیوں کیا اس کا بڑا دشمن پروفیسر زموکا نہیں تھا؟ بہرحال ابھی ایسے بے شمار راز تھے جن کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں تھا۔ میں صرف اپنے طور پر سوچ ہی سکتا تھا اس وقت رات کے دو یا تین بجے ہوں گے۔ صحیح اندازہ نہیں تھا کہ اچانک ہی مجھے یہ محسوس ہوا کہ کوئی میری گردن کے پاس کچھ کر رہا ہو میں نے چونک کر دیکھا اور دوسرے لمحے میرے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی جو کچھ میں نے دیکھا وہ ناقابل یقین تھا۔ غور نہ کرنے کے قابل یا نہ سمجھنے کے قابل ایک چھوٹا سا گوریلا جو بالکل کھلونا معلوم ہوتا تھا میری گردن کے پاس میری کھال نوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا قد چار انچ سے زیادہ نہیں تھا۔ غور سے دیکھا تو بالکل پروفیسر زموکا معلوم ہوا لیکن گوریلے تو سب ایک ہی شکل کے ہوتے ہیں۔ البتہ جب اس نے ایک مڑا ہوا کاغذ میری طرف بڑھایا تو مجھے یقین ہوگیا کہ یہ پروفیسر زموکا ہی ہے۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ میں نے کیبن کی روشنی نہیں بجھائی تھی اور سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس کے بارے میں علم ہی نہیں تھا کہ روشنی بجھائی ہوتی ہے میں نے ایک بار پھر پروفیسر زموکا کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر وہ کاغذ کھول کر پڑھا اس پر ایک باریک سی تحریر لکھی ہوئی تھی لکھا تھا۔

"مہربان دوست میں اسی جہاز پر ہوں۔ درگا دیوی نے مجھے مختصر کر کے اپنے ہینڈ بیگ میں رکھا ہوا تھا۔ اس وقت وہ سو رہی ہے اور میں بھرپور کوشش کر کے ہینڈ بیگ کھول کر باہر نکل آیا ہوں۔ مجھے ساری باتوں کا علم ہے اور یہ بات میرے علم میں ہے کہ تم ہمارے ساتھ جہاز میں سفر کر رہے ہو۔ میرے دوست ابھی میں تم سے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ مجھے یوں لگ رہا ہے وقت تمہیں میری کہانیاں سنانے کے لیے تیاریاں کر رہا ہے میں تمہیں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ میں اس سفر میں تمہارے ساتھ ہوں اور ابھی چونکہ میں درگا دیوی کے قبضے میں ہوں اس لیے اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتا۔ اس وقت میں نکل آیا ہوں اگر میں چاہوں تو جہاز ہی میں چھپ کر وقت گزار سکتا ہوں لیکن اگر میں ایسا کروں گا تو درگا دیوی کا پورا منصوبہ بدل جائے گا اور میری وجہ سے وہ کچھ نہیں کر سکے گی لیکن میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مجھے درگا دیوی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے پرس میں موجود سمجھنا اور اگر تمہیں کبھی اس کا موقع مل جائے تو میری ذرا سی خبر گیری کرلینا۔ میں وہیں واپس جا رہا ہوں۔ پرس وہ خود بند کرے گی جب وہ مجھے نکال کر دیکھے گی اور پرس کھلا دیکھے گی تو میں اسے سوتا ہوا ملوں گا جس سے اسے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ اتفاق سے پرس کھلا رہ گیا تھا۔ اور پرس میں بھی سوتا رہا ہوں اس لیے میں نے نکلنے کی کوشش نہیں کی لیکن ظاہر ہے اگر میں نکلنے کی کوشش کروں بھی اور اپنے آپ کو گم کرلوں تو فائدہ کیا ہوگا وہ اپنے جادو سے مجھے تلاش کرلے گی اچھا دوست تحریر لمبی ہوگئی میں بس تمہیں یہ یاد دلانا چاہتا تھا کہ تم نے مجھ سے میری مدد کا وعدہ کیا ہے اور میری خوش قسمتی ہے کہ تم اس سفر میں شامل ہو اس لیے ذرا میرا خیال رکھنا اور اگر حقائق یہ ثابت کریں کہ میں مظلوم ہوں تو میری مدد کرنا۔ تحریر ایک دم ختم ہوگئی تھی کیونکہ اس چھوٹے سے کاغذ پر اس سے زیادہ جگہ بھی نہیں تھی۔ اس نے مجھے دیکھا اور اس طرح گردن ہلائی جیسے واپسی کی اجازت چاہ رہا ہو۔ میری جگہ اگر کوئی کچے دل کا مالک ہوتا تو ان پراسرار واقعات اور اس عجیب وغریب چیز کو دیکھ کر اس کے حواس گم ہو جاتے لیکن میری تو زندگی ہی ایسے واقعات سے بھری ہوئی تھی۔ مجھے بھلا اس چھوٹے سے واقعہ سے کیا ہوتا۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا میرے بستر سے کیبن تک کا فاصلہ اس بچارے نے کافی تیز رفتاری سے دوڑ کر طے کیا تھا اور پھر وہ کیبن کے کھلے دروازے سے باہر نکل گیا تو میں جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھا میں نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو راہداری سنسان پڑی ہوئی تھی دروازہ بند کرکے واپس آیا ایک بار پھر اس کاغذ کی تحریر کو بڑے غور سے پڑھا اور اس کے بعد سر پکڑ کر بیٹھ گیا کیا ہے یہ سب کچھ اور کیا ہونا ہے آگے لیکن واقعات کی دلچسپی سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پتہ نہیں کون ظالم ہے اور کون مظلوم بہتر یہ ہے کہ وقت کی کہانی وقت کے کندھوں پر سفر کرتی رہے اور اس کے بعد اللہ کی جو مرضی ہو اور وقت گزرتا رہا۔ پانچ دن کا سفر بڑی خاموشی سے طے ہوا تھا۔ جہاز کی زندگی واقعی بڑی خوبصورت ہوتی ہے اور پھر میری زندگی کا تو یہ پہلا سفر تھا ان پانچ دنوں کے درمیان ایک بار بھی میں نے درگا دیوی کو نہ تو عرشے پر دیکھا نہ اس نے مجھ سے ملاقات کی کوشش کی البتہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کی نگاہ مجھ پر ضرور ہوگی اور اس نے مجھے نظر انداز نہیں کیا ہوگا۔ چھٹی رات کو وہ میرے پاس خود بخود پہنچ گئی اور اس کے بعد اس نے کہا۔

''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم سے بالکل بے تعلق ہوگئی تھی تو یہ تمہاری بھول ہے ایسا تو ممکن ہی نہیں ہوسکتا البتہ یہ اندازہ میں لگا چکی تھی کہ تم نہایت سکون سے یہ سفر کر رہے ہو اور تمہیں کوئی مشکل پیش نہیں آرہی۔ ہمارا یہ سفر مزید دو دن کا ہے اور اس کے بعد جہاز ایک ساحل سے جا لگے گا۔ یہ صحرائے اعظم افریقہ کا ایک شہر ہے یہاں سے دوسرے انتظامات کرنے کے بعد ہم آگے بڑھیں گے۔ گووندا، ہنس راج اور بشیر خان یہاں پہنچ چکے ہیں۔ میں مختصراً تمہیں بتا چکی ہوں کہ بشیر خان ایک ملاح ہے اور ہنس راج ایک مہم جو۔ اسے جنگلات وغیرہ کا کافی تجربہ ہے جبکہ گووندا ایک شاندار ڈاکٹر ہے اور باقاعدہ اس نے ایم بی بی ایس کیا ہے۔ تھوڑا سا سادہ لوح ہے لیکن جب کسی بات پر اڑ جائے تو خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ ان لوگوں کو میں نے مکمل طور پر ہدایت دے کر یہاں بھیجا ہے اور وہ لوگ یہاں اپنا بہت سا کام کر چکے ہوں گے۔ میری مراد اس افریقی شہر سے ہے جس کے ساحل پر ہم لوگ پہنچنے والے ہیں اب میں تمہیں وہ سب سے اہم بات بتاؤں جو بتانا ضروری ہے۔ یہ تینوں خزانے کا لالچ رکھتے ہیں۔ ہنس راج کو میں نے بتایا ہے کہ میرے پاس ایک ایسے خزانے کا نقشہ بتایا ہے جو بے مثال ہے اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ صحرائے اعظم افریقہ کے پوشیدہ خزانوں کے سلسلے میں صدیوں سے مہمات ہو رہی ہیں اور میں سمجھتی ہوں صدیوں تک ہوتی رہیں گی۔ مہم جو کبھی تھکتے نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ان لوگوں کو بھی میں نے یہی لالچ دیا ہے اور اپنے قبیلے میں پہنچنے کے بعد میں ان کو خزانہ دوں گی۔ اتنا کہ ان کی بقیہ زندگیاں عیش و آرام سے گزر جائیں بہرحال تمہیں اس بات کا خیال رکھنا ہے وہ لوگ جانتے ہیں کہ تم سب سے بڑے مہم جو ہو اور خزانے کا صحیح علم تمہیں ہی ہے چنانچہ اب اس کے بعد تم ان باتوں کا خاص خیال رکھو گے کوئی ایسی بات جو تمہاری توقع اور پسند کے خلاف ہو''

''تمہاری خوبیوں سے انکار نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تم واقعی ایک شاندار انسان ہو ہر لحاظ سے اپنی طبیعت کے لحاظ سے بھی اور ویسے بھی اب ایسا ہوگا کہ جب میں شہر پہنچ جاؤں گی تو تم سے نہیں ملوں گی۔ میں تم سے ذرا الگ ہی رہوں گی البتہ وہ تینوں تمہارا استقبال کریں گے اب تم پورے اعتماد کے ساتھ ہر وہ عمل کرو جو اس سلسلے میں مناسب ہو۔ میں تمہیں اس کی اجازت بھی دیتی ہوں اور تم پر اعتماد بھی کرتی ہوں۔''

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"میں نے ایک گہری سانس لی بہرحال زندگی میں یہ ساری دلچسپیاں پیدا ہوگئی تھیں اور یہ تبدیلی مجھے بڑی خوبصورت لگ رہی تھی چنانچہ میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا جہاں تک پروفیسر زموگا کا تعلق تھا تو یہ بھی ایک بڑی سچائی ہے کہ میں ابھی تک اسے مظلوم ہی سمجھتا تھا اور میں نے دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ حالات جو رخ اختیار کریں کم از کم اس وقت تک زموکا کو ذہن سے نہیں نکالوں گا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ زموکا فراڈ ہے اور میڈم درست ہے۔ ہاں اگر اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ میڈم ظالم ہے اور زموکا کے خلاف عمل کرتی ہے تو پھر مجھے میڈم کے خلاف ہی کام کرنا گا۔ کم از کم انسان کے اندر اتنی تو اخلاقی جرأت ہونی چاہئے یہ نہ ہو تو انسانیت کا معیار بہت نیچے چلا جاتا ہے۔ مزید دو دن کا سفر بھی طے ہوگیا اور کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی کیونکہ ایک یا دو بار دل چاہا تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے میڈم کا وہ ہینڈ بیگ کھول کر دیکھوں جس کے بارے میں زموکا نے مجھے بتایا ہے لیکن میڈم ہی دستیاب نہیں ہوتی تھیں۔ میں کیا کرتا پھر خاصہ وقت گزر گیا اور تیسرے دن صبح ہی صبح جہاز ساحل سے جا لگا رات کو میں نے کچھ ہنگامہ آرائیاں محسوس کیں تھیں لیکن باہر نہیں نکلا تھا۔ اب اندازہ ہوا کہ جہاز کے خلاصی وغیرہ جہاز کی رنگارنگ تیاریوں میں مصروف ہیں جہاز ساحل سے جا لگا ضروری کارروائیاں ہوئی اور جیسے ہی بھنکتا ہوا باہر نکلا مجھے وہ تینوں مل گئے سب سے آگے شبیر خان تھا، تینوں ایک بہت ہی شاندار کار میں بٹھا کر مجھے لے چلے۔ میں نے اس شاندار شہر کو دیکھا سرسبز شاداب پھول اور درخت اتنے کہ سڑکیں ڈھکی ہوئیں تھیں۔ لمبے لمبے قدوقامت کے سیاہ لوگ، خوبصورت دکانیں صحرائے اعظم افریقہ کے بارے میں اگر یہ تصور آج تک قائم ہے کہ وہ جنگلوں اور درختوں کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے تو افریقہ کے قرب و جوار کے وہ شہر جو آباد ہے دیکھ لیے جائیں ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ صحرائے اعظم کے پسماندہ لوگوں کو یورپ اور دوسرے مغربی ممالک نے ابھرنے نہیں دیا۔ قدرت نے ان سیاہ فاموں کی زندگی میں بڑی جدوجہد رکھی ہے اور جہاں انہیں یہ جدوجہد کامیاب کرنے کا موقع ملا ہے وہاں انہوں نے زندگی کا وہ حسن یاد رکھا کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں بند ہو جائیں۔ ہم ایک شاندار ہوٹل میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک کمرہ میرے لیے مخصوص تھا۔ میڈم کے بارے میں وہ لوگ مطمئن تھے کہ وہ یہاں پہنچ چکی ہے ہنس راج

نے کہا۔

"میں نہیں جانتا فرید اللہ صاحب کہ میڈم سے آپ کا کیا تعلق ہے لیکن ایک بات میں آپ سے کہے بغیر نہیں رہ سکوں گا یہ کہ میڈم بڑی پراسرار عورت ہے اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کی اصل شخصیت کیا ہے۔ بہرحال ہم رات کے کھانے پر اکٹھے ہوں گے۔"

ہوٹل کے اس کمرے میں مجھے جس طرح آسائشیں ملیں الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ بہرحال رات کے کھانے پر وہ تمام لوگ جمع ہوگئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تینوں اپنی مثا آپ تھے۔ گووندا جس کا اصل نام گووند راج تھا بلاشبہ ایک بہترین ڈاکٹر تھا۔ اس کے علاوہ ہنس راج چوڑے چکلے بدن، بلند و بالا قد و قامت کا مالک شخص بھی ایک ذہین آدمی معلوم ہوتا تھا۔ میڈم نے واقعی بڑے شاندار لوگوں کو پھانسا تھا۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ اس نے مجھے ان سب کا سربراہ کیوں بنا دیا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد ہم لوگ اس مہم کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ میں نے کہا۔

"دوستو! کسی بھی مہم کو راز میں رکھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اسے اپنی زبان پر نہ لایا جائے ہم لوگ جو کچھ کریں گے اس پر نہایت راز داری سے عمل کریں گے۔ میڈیم نے جہاں تک مجھے ہدایات دیں ہیں میں اس وقت وہ آپ لوگوں کے سامنے لانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہماری قوت ارادی اور بہادری یہی ہے کہ اپنے راز کو سینے میں چھپا کر رکھیں اور اس کے علاوہ ہمیں اپنے گرد زیادہ بھیڑ جمع نہیں کرنی چاہئے۔ ہم یہاں سے چند مزدوروں کا انتخاب بھی کریں گے جنہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔

"یہ ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں"

شبیر خان نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا پھر بولا۔

"لیکن میں یہ چاہتا ہوں دوست کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے اس کے بارے میں ہمیں پتہ چل جائے۔

"مثلاً.....؟"

میں نے سوال کیا۔ "مثلاً یہ خزانہ....."

"ہاں ضرور....."

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اگر ہم سب کو اس خزانے کے حصول میں کامیابی ہو جائے تو اس خزانے کے چھ برابر حصے ہوں گے جن میں پانچ حصے ہم لوگوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور ایک حصہ ان مزدوروں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جو ہمارے ساتھ اس مہم میں شریک ہوں گے اس کے بعد اگر خدانخواستہ ہم اس مہم میں ناکام رہے تو آپ میں سے تمام افراد کو دس دس لاکھ روپے دیئے جائیں گے۔ آپ لوگوں کے یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے یہ رقم یہاں کے بینکوں میں جمع کر دی جائے گی آپ لوگوں کے نام سے یہ ہے سارا سلسلہ اور کوئی بات ہو تو آپ لوگ بتا دیجئے۔"

"نہیں ..... میڈم نے ہم سے یہی کہا تھا اور ہم اس بات کے لیے تیار ہیں۔"

"بس تو ٹھیک ہے اب بقیہ انتظامات کے لیے مجھے بھی میڈم نے یہی بتایا تھا کہ آپ لوگوں کو مخصوص کر دیا گیا ہے اور آپ کو یہ کام کرنا ہوگا۔"

"بالکل درست"

ہنس راج نے کہا اور باقی ساری گفتگو بھی طے ہوگئی ان لوگوں سے رخصت ہونے کے بعد میں نے ایک بار پھر دھڑکتے دل سے ان واقعات کے بارے میں سوچا۔ خدایا! یہ کیا ہو رہا ہے میری پراسرار زندگی کی کہانی نے یہ کیا رخ بدلا ہے لیکن بہرحال اس رخ کے بھی پراسرار ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اب حالات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے جن لوگوں کو ساتھ رکھا گیا تھا۔ سارے کے سارے اعلیٰ کارکردگی کے مالک تھے میں چونکہ ان کا انچارج تھا اس لیے وہ اپنی ساری رپورٹیں دیتے گئے۔ دوسرے دن ہنس راج نے کہا۔

سر میں نے مزدوروں کا انتظام کر لیا ہے۔ اب اگر کوئی اور ہدایت ہو تو مجھے بتائے گا۔ ویسے میڈم سے میری ملاقات ہوئی تھی۔

"ملاقات ہوئی تھی؟"

"ہاں"

"خوفناک طور پر"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں خود حیران ہوں۔"

"تفصیل بتاؤ۔"

"سر مزدوروں کے حصول کے لیے میں ایک نواحی بستی میں گیا تھا۔ یہ بستی یہاں سے کافی دور ہے۔ میڈم نے کسی کو زیادہ تفصیل نہیں بتائی لیکن وہ اگر کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو ضرور ہماری مدد کرتی ہیں۔ بہرحال بستی میں ایک ٹھیکدار کا پتہ معلوم ہوا اور میں اسی کے پاس پہنچ گیا۔ میں ٹھیکدار سے ملنے کی خواہش کی تو پتہ چلا کہ وہ دو گھنٹے کے بعد آئے گا۔ میں انتظار کرنے لگا کہ اچانک میڈم یہاں پہنچ گئی اور جس وجہ سے میں ٹھیکیدار سے بات نہیں کر سکا یہ ایک بددیانت اور خطرناک آدمی ہے۔ میڈم کے لیے دوسری جگہ بتائی اور میں نے مزدوروں کے لیے بات کی۔ باقی اور کوئی خاص بات نہیں۔ مزدوروں کا بندوبست ہو چکا ہے اور کیا ہدایت ہے۔

"تھوڑا سا انتظار کرو۔"

اس سلسلے میں میڈم سے میٹنگ کے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نے جواب دیا۔ بہرحال اب میں اس پراسرار اور سنسنی خیز سفر کے لیے تیار تھا۔

☆.....☆.....☆

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایک سفر کے سلسلے میں میرے ذہن میں لاتعداد پراسرار خیالات تھے۔ اب تک جتنا سفر طے کیا تھا وہ بھی میری زندگی میں ایک نئی داستان تھی۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن یہ نہیں سوچا تھا کبھی کہ زندگی کا کوئی دور ایسا بھی ہوگا۔ جس میں ایسی عجیب و اور نت نئی کہانیاں ہوں گی۔ بہرحال پراسرار واقعات سے تو واسطہ پڑتا ہی رہا تھا۔ انوکھے اور ناقابل یقین کردار ساری زندگی پر مسلط تھے لیکن میڈم بھی اپنی جگہ ایک ایسا ہی کردار تھیں۔ جس کے بارے میں مکمل طور سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کی کیا حیثیت ہے؟ اب تک جو سنسنی خیز واقعات پیش آ چکے تھے' وہ اپنی مثال آپ تھے اور آگے کے بارے میں دعوے سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ میڈم سے کسی وقت بھی جنگ چھڑ سکتی تھی۔ کیونکہ ان ساری باتوں کے باوجود اپنی فطرت میں ایک کمزوری کو ہمیشہ محسوس کیا تھا اور وہ کمزوری یہ تھی کہ ذہن جس طرف راغب ہو جائے اس کے خلاف کام کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ تیجا سے بھی یہی جھگڑا چلا ہوا تھا۔ اگر تیجا کے ساتھ مفاہمت کر لیتا تو آج شاید زندگی بالکل ہی مختلف ہوتی لیکن کیسے کر سکتا تھا؟ جس چیز کو دل و دماغ ہی قبول نہیں کرتے وہ کیسے کر لیتا اور اب بھی اس قدر مشکلات اٹھانے کے باوجود اپنے وجود میں وہی تڑپ' وہی زندگی اور وہی اختلاف پایا جاتا تھا۔ ماں باپ گم ہو چکے تھے' زندگی کے سارے راستے بدل چکے تھے' کہاں سے کہاں آ پڑا تھا لیکن دل میں یہی تھا کہ اگر میڈم غلط ہے اور پروفیسر زمو کا مظلوم تو کچھ بھی ہو جائے۔ پروفیسر زموکا کا ساتھ دوں گا اور میڈم کے ساتھ جنگ کروں گا اور اگر وہ افریقی جادوگر مجھے بے وقوف بنا رہا ہے تو پھر میڈم کو مجھ سے اچھا مددگار اور ساتھی دوسرا نہیں مل سکتا تھا جو کچھ بھی ہوگا کروں گا۔ یہ تمام سوچیں ذہن میں آتی تھیں اور آخری سوچ یہ ہوتی

تھی کہ چاہے کچھ بھی ہو' صورتحال اچھی خاصی دلچسپ ہے اور اس طرح سے جینے میں کچھ لطف بھی آ رہا ہے۔ ویسے یہ بات بھی بالکل سچ تھی کہ سمندر عبور کرنے کے بعد بہت سی آسانیاں مل جاتی ہیں۔ خاص طور سے کسی ایسے سحر زدہ انسان کو جو جادوگروں کی جادوگری کا شکار ہو۔ ہوسکتا ہے میری تقدیر کے ستاروں میں بھی یہیں سے کوئی تبدیلی رونما ہو جائے۔ بہرحال وہ جو کہتے ہیں کہ انسان کو بہتری کی پوری پوری توقع رکھنی چاہئے۔ چنانچہ میں بھی انہی سوچوں میں ڈوبا رہتا تھا کہ شاید میرے لئے بھی بہتری کا کوئی سامان پیدا ہو جائے۔ وہ تینوں ساتھی جو میڈم نے میرے ساتھ بھیجے تھے' بڑی خوش اسلوبی سے اپنا اپنا کام سرانجام دے رہے تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی ڈیوٹی کے لئے مستعد تھا۔ چنانچہ میڈم سے تو خیر کوئی تفصیلی ملاقات بعد میں نہیں ہوئی وہ تو ایک دم گم ہوگئی تھی لیکن ہنس راج نے بتایا کہ اس نے باقی تمام انتظامات کر لئے ہیں تو اس نے کہا:

"میڈم وہ لانچ دیکھ چکی ہیں جس سے ہمیں سفر کرنا ہے۔ شبیر خان کا بھی یہی کہنا ہے کہ لانچ بہت اچھی ہے اور تمام ضروریات سے آراستہ۔ ابھی گووندا اس سلسلے میں کام کر رہا ہے' مزدوروں کا تو بندوبست کر ہی لیا گیا ہے۔ گووندا وہ تمام چیزیں مہیا کر رہا ہے جو کھانے پینے میں کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔ سر! ہم تمام کام فائنل کرنے کے بعد آپ کو وہ لانچ دکھائیں گے تاکہ آپ اس کے بارے میں آخری فیصلہ دے دیں۔"

میں نے گردن ہلا دی۔ بڑا عجیب لگ رہا تھا یہ سب کچھ۔ میں یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ میں آسانی سے یہ سارے کام سرانجام دے لوں گا۔ میڈم نے مجھے جو ذمہ داری سونپی تھی نجانے کیوں میرا دل بھی اسے قبول کرتا تھا اور اس کے بعد پروفیسر زموکا کی جو کہانی میرے سامنے آئی تھی وہ بھی میرے لئے باعث دلچسپی تھی۔ بات اصل میں وہی ہو جاتی ہے' زندگی ایسے انوکھے واقعات سے دوچار ہوگئی تھی کہ اب سادہ سی زندگی گزارنے کی کوشش بھی کرتا تو شاید میرے لئے ممکن نہ ہوتا؟ انسان کی اپنی ایک فطرت بن جاتی ہے اور یہ سب کچھ اب میری فطرت میں شامل ہوگیا تھا لیکن بہرحال ان ساری باتوں کے ساتھ ایک تصور ذہن میں ضرور تھا' وہ یہ کہ اگر ماں باپ مل جائیں تو زندگی بھر کی کوفت دور ہو جائے اور سب کچھ سوچنا چھوڑ دوں۔ بہرحال اس کے بعد میرے ان تینوں ماتحتوں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے مجھے وہ لانچ دکھائی اور میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بڑی شاندار لانچ تھی' مجھے امید نہیں تھی کہ اس سفر کے لئے ایسی اعلیٰ درجے کی لانچ حاصل کر لی جائے گی۔ ایک اور احساس بھی ہو رہا تھا۔ بظاہر ان تینوں افراد کو میری ماتحتی میں دے دیا گیا تھا لیکن درگا دیوی نے ان لوگوں سے براہ راست رابطے بھی قائم رکھے تھے۔ لانچ کے حصول کے سلسلے میں جو طریقہ کار اختیار کیا گیا ہوگا وہ لازمی بات ہے معمولی نہیں ہوگا۔ کسی دوسرے ملک میں آ کر اس طرح اپنے لئے آسائش حاصل کر لینا آسان کام نہیں ہوتا۔ غرض یہ کہ لانچ کو دیکھ کر میں مکمل طور سے مطمئن ہو گیا تھا۔ درگا دیوی کا دور دور تک کچھ پتا نہیں تھا یہاں تک کہ جب باقی تمام معاملات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ہم لانچ تک پہنچے اس وقت بھی درگا دیوی ہمارے درمیان موجود نہیں تھی۔ باقاعدگی کے ساتھ شبیر خان نے لانچ کو سنبھال لیا تھا اور وہ اس وقت لانچ کا کپتان تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد شبیر نے لانچ کا اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ مزدور مستعد تھے' انہیں مطمئن کر دیا گیا تھا' تھوڑی دیر کے بعد لانچ نے ساحل چھوڑ دیا۔ یہ سفر ہم نے رات کو شروع کیا تھا۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں افریقہ کے اس شہر کا ساحل نمایاں نظر آ رہا تھا اور ہم ساحل کی روشنیاں سمندر میں غرق ہوگئی ہوں یا پھر ہم اتنی گہرائیوں میں اتر گئے ہوں کہ اب ہمیں روشنیاں نظر نہ آئیں ایک عظیم الشان سمندری سفر کا آغاز ہو گیا تھا۔ میرے ذہن میں عجیب عجیب سے تاثرات اٹھ رہے تھے۔ اب تک کا سفر تو خیر ایک شاندار جہاز میں ہوا تھا۔ جس میں ایک زبردست عملہ موجود تھا اور ہماری کوئی ذمہ داری نہیں تھی بلکہ اس عظیم و شان جہاز میں ہونے والا سفر تو بہت ہی دلکش گزرا تھا' بڑی پراسرار کیفیتوں کا حامل لیکن اب ہم ذمہ داری کے ساتھ ایک ایسے نامعلوم حصے کی جانب جا رہے تھے جس کے بارے میں ہم نہیں کہہ سکتے تھے کہ کیا وہ البتہ شبیر خان سے میں نے تمام تفصیلات معلوم کیں۔ سمندروں میں سفر کیسے طے کیا جا سکتا ہے۔ سمندر میں جہاں چاروں طرف پانی کا راج ہوتا ہے' راستوں کا تعین کیسے کیا جا سکتا ہے' لانچ تمام جدید ترین آلات سے آراستہ تھی اور اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ شبیر خان نے مسکراتے ہوئے کہا:

"سر! اب ہمیں ایک طویل و عریض سمندر سے جنگ کرنی ہے اور ہم اس جنگ کے لئے آپ کو تیار پاتے ہیں۔"

گووندا' ہنس راج اور باقی تمام مزدور خوش نظر آ رہے تھے' مزدوروں نے خلاصیوں کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ شبیر خان بے شک ایک اچھا کپتان ثابت ہو رہا تھا۔ وہ خلاصیوں کو ہدایت بھی دیتا جا رہا تھا۔ جس سمت وزن زیادہ تھا اس سمت وزن کم کیا جا رہا تھا اور چیزوں کو مختلف طریقوں سے رکھا جا رہا تھا۔ لانچ کا چھوٹا سا سائبان ہم سب کی پناہ گاہ تھا۔ اس کے علاوہ دو کیبن بھی بنے ہوئے تھے۔ اس سائبان کے نیچے آرام دہ نشستیں لگی ہوئی تھیں اور اگر انسان ذاتی طور پر فارغ ہو تو یہ باقاعدہ ایک سمندری پکنک سمجھی جا سکتی تھی۔ جس پر بہترین سفر ہو رہا تھا۔ آسمان بدستور تاریک تھا۔ میں شبیر خان کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کی مہارت دیکھ رہا تھا۔ شبر خان نے آسمان کو دیکھا اور پرخیال انداز میں ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے' ہواؤں پر غور کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب..."

"سمندر کی کہانی الگ ہوتی ہے۔ اور یہاں ہواؤں کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے' آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں کو دیکھ رہے ہیں سر! ممکن ہے بارش ہو جائے۔"

"اوہ... بارش میں کیا یہ چھوٹی سی لانچ ہمارے لئے خطرناک ہو جائے گی؟"

"سمندر کسی کا غلام نہیں ہوتا' آسمان ایک لمحے میں رخ بدل لیتا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ شبیر خان!"

"جی سر!"

"کیا طوفان کا خطرہ ہے؟"

"نہیں سر! یہ طوفان کا موسم نہیں ہے لیکن آپ فکر نہ کریں کچھ بھی ہو اپنی منزل تک پہنچانے کی ذمہ داری میرے سپرد ہے۔"

"نہیں شبیر خان! پریشان ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ظاہر ہے ہمیں ان مشکلوں سے دوچار تو ہونا ہی پڑے گا۔"

بہرحال یہ سارا سفر طے ہوتا رہا' دن کی روشنی میں میں نے شبیر خان سے لانچ کی ڈرائیونگ کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور وہ مجھے تفصیلات بتانے لگے۔ میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے اس سے اسٹیرنگ مانگ لیا تھا اور پھر میں نے بہت دور تک بڑے اطمینان سے ڈرائیونگ کی۔ شبیر خان ہنس کر بولا:

"مجھے تو بڑی آسانی حاصل ہو جائے گی بلکہ اب تو میں یہ کہتا ہوں کہ گووندا اور ہنس راج کو بھی تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے یہ مشق کرنی چاہئے۔"

"ہم سب تیار ہیں۔"

اور پھر یہ نئی دلچسپی شروع ہوگئی۔ مزدور ہر طرح سے تعاون کر رہے تھے اور باقی لوگ مزے سے ہنستے مسکراتے یہ سفر کر رہے تھے' بہترین قسم کی کافی' کھانے پینے کی دوسری اشیاء سمندر کا نیلا پانی روشن ہوگیا تھا۔

مزدوروں نے ناشتہ تیار کر لیا تھا۔ ویسے بادل بھی اب صاف ہوگئے تھے اور آسمان نظر آ رہا تھا۔ بہرحال سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد شبیر خان نے کہا:

"اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں تھوڑی دیر آرام کر لوں؟"

"ہاں! میں لانچ سنبھال سکتا ہوں۔"

ہنس راج نے کہا:

"تو ٹھیک ہے میں آرام کرنے چلا۔ میرا نیا سفر شروع ہوا تھا۔ سب ہی کو دلچسپی تھی اسی دوران ان سب نے لانچ کا اسٹیرنگ سنبھالنے اور لانچ کو آگے بڑھانے کا طریقہ سیکھ لیا تھا اور بہرحال یہ ایک اچھی بات تھی۔ چونکہ اس طرح ایک ہی آدمی پر کسی ایک مسئلہ کی ذمہ داری نہیں رہ جاتی تھی۔ اب اس وقت تھوڑی سی کوشش ہوئی تھی اور ہنس راج اور گووندا بڑے اطمینان سے لانچ کو سنبھالے ہوئے تھے۔ لانچ کے دونوں کیبنوں میں سے ایک کیبن میں تالا لگا ہوا تھا۔ دوسرا کھلا ہوا تھا' باقی سائبان تھا۔ جس کیبن میں تالا لگا ہوا تھا' اس کی بند ہونے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میرے ذہن میں بہت سے خیالات تھے اور میں لانچ کے گوشے میں کھڑا ہنس راج اور گووندا کو دیکھ رہا تھا۔ ان تینوں کی شخصیتوں کا مجھے اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا۔ گووندا تو خیر بہت ہی سلجھا ہوا آدمی تھا۔ کیونکہ پڑھا لکھا بھی تھا اور پھر ڈاکٹر تھا۔ ہنس راج بھی برا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ جن لوگوں کا درگا دیوی نے انتخاب کیا تھا ان میں سے کوئی بھی معمولی حیثیت کا حامل نہیں تھا سوائے میرے۔ یعنی میں جو صرف اتفاقیہ طور پر درگا دیوی کے ہاتھ لگ گیا تھا اور اس نے نجانے کیوں مجھے اس

قدر اہمیت دے دی تھی۔ خیر یہ اس کا اپنا ذاتی معاملہ تھا۔ میں بھلا اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا تھا۔ مگر میرے ذہن میں اس وقت بہت سے خیالات آ رہے تھے۔ درگا دیوی نے ہمیں اس خوفناک سفر پر روانہ کر دیا ہے۔ آگے چل کر نجانے حالات کیسے ہوں؟ تاحد نظر پھیلے ہوئے سمندر کو دیکھ کر دل کو کبھی کبھی خوف کا احساس بھی ہوتا تھا اگر سمندر میں کبھی ہلکا سا طوفان بھی آ جائے تو یہ لانچ کتنی ہی شاندار سہی' کیا اس طوفان کو سنبھال سکے گی؟ اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا لیکن بہرحال ہم لوگ چل رہے تھے اور درگا دیوی کا کہیں کوئی پتا نہیں تھا۔ جہاز کے سفر کی بات کچھ اور تھی وہ ایک محفوظ سفر تھا اور اس کے علاوہ بات جہاز کی تھی لیکن یہ لانچ' یہ بڑی مشکوک حیثیت کی حامل تھی۔ اگر کوئی مشکل پیش آ جائے گی تو بھلا درگا دیوی کو کیا پڑی ہے کہ وہ یہاں آ کر اس مشکل کو سنبھالنے کی کوشش کرے گی۔ دیکھو کیا ہوتا ہے خود نجانے وہ کہاں ہے؟ میرے دل میں خیال آیا کہ تھوڑی دیر کے لئے میں بھی اس دوسرے کیبن میں جا کر آرام کر لوں۔ آرام کی جگہ سائبان کے نیچے بھی تھی۔ بلکہ زیادہ بہتر تھی کیونکہ یہاں خوشگوار ہواؤں کا راج تھا اور موسم پوری طرح حسین تھا لیکن پھر بھی تنہائی اور خاموشی نہیں تھی جبکہ کبھی کبھی تنہائی اور خاموشی انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ بہرحال میں آگے بڑھتا چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد کیبن کے پاس پہنچ گیا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ کیبن کے تالے کی چابی کس کے پاس ہوگی؟ کیبن میں کچھ کھڑکیاں بھی بنی ہوئی تھیں۔ میں نے پیچھے پہنچ کر ایک کھڑکی سے اندر جھانکا۔ کھڑکی میں شفاف شیشہ لگا ہوا تھا۔ میں نے شیشے سے اندر دیکھا تو ایک عجیب و غریب منظر نظر آیا۔ کیبن میں ایک خوبصورت مسہری بچھی ہوئی تھی' تھوڑا بہت دوسرا سامان بھی تھا۔ مسہری پر سلک کی شفاف چادر بچھی ہوئی تھی لیکن مسہری کے عین درمیان کالے رنگ کی ایک بلی بیٹھی ہوئی تھی۔ عام جسامت سے خاصی بڑی جسامت کی بلی۔ کیبن میں اس بلی کا وجود میرے لئے بڑا ہی حیرت انگیز تھا لیکن صرف چند لمحات تک مجھ پر حیرت طاری رہی کیونکہ اس کے بعد مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ صورتحال کسی اور نوعیت کی حامل ہے۔ ظاہر ہے ان تمام معاملات کا تعلق درگا دیوی سے تھا اور درگا دیوی وہ تھی جنہیں میں نے اپنی آنکھوں سے بلندیوں میں پرواز کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ایک عورت اس انداز میں نظر آئے تو آپ کیا سوچ سکتے ہیں؟ اس بارے میں۔ کچھ دیر تک میں شیشے سے اندر جھانکتا رہا پھر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مجھے یہ احساس ہوا کہ کہیں وہ مجھے خود نہ دیکھ لے۔ اب اس بات میں تو کوئی شک و شبہ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ بلی یہاں بلامقصد نہیں ہے اور کیبن کے باہر جو تالا لگا ہوا ہے وہ یونہی نہیں لگا ہوا ہے۔ وہاں سے ہٹ گیا اور ایک گوشے میں آ کر پناہ لی۔ سوچ کا طوفان ذہن پر نازل ہوگیا تھا۔ ان تینوں افراد کے بارے میں درگا دیوی نے مجھے بتایا تھا کہ یہ تینوں اس کی دریافت ہیں اور ان کے ذہنوں میں صرف خزانہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی مجھے اب یوں لگا تھا جیسے ان تینوں کے اختیارات بھی محدود نہ ہوں۔ بلکہ درگا دیوی نے سب کو الگ الگ اپنے جال میں پھانس رکھا ہو۔ کسی سے کچھ کہہ کر اور کسی سے کچھ کہہ کر سو فیصدی یہی بات تھی اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں مثلاً یہ قیمتی لانچ جو ہنس راج نے حاصل کی تھی۔ ظاہر ہے اس لانچ کا حصول اتنا آسان تو نہیں ہوگا۔ بے شک ہنس راج ایک مہم جو تھا لیکن پھر بھی اخراجات کا معاملہ تو ہوتا ہے۔ درگا دیوی نے اس سلسلے میں اسے اختیارات سونپ دیئے تھے۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ مستحکم حیثیت رکھتا تھا۔ میں نے رات کو چالاکی سے ان تینوں کے ساتھ بیٹھ کر یہ سوال کر ڈالا۔

"حیرانی کی بات ہے کہ خود درگا دیوی ہمارے ساتھ نہیں ہے' اچھا ایک بات بتاؤ۔ تم لوگوں کو انہوں نے براہ راست کوئی خاص ہدایت دی تھی؟"

"بالکل نہیں۔"

"یہ بھی نہیں کہا تھا کہ اگر ضرورت پیش آئی تو وہ ہمارے پاس ہوں گی اور ہمیں خود ہدایات دی گئیں۔"

"نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں کہی تھی۔"

"کیا یہاں ان کا وجود ہوسکتا ہے۔ میں نے سوال کیا۔ پوری لانچ ہماری دیکھی بھالی ہے۔ بھلا یہاں ان کا وجود کیسے ہوسکتا ہے۔" لیکن ایک کیبن بند ہے۔ اس میں کیا رکھا ہوا ہے؟"

"کم از کم درگا دیوی نہیں رکھی ہوئی ہیں۔"

شبیر خان نے ہنستے ہوئے کہا:

"نہیں' میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ اصل میں میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اگر کوئی ایسی غیر متوقع بات پیش آ جائے جس کے بارے میں ہمیں معلوم نہ ہو تو ہمیں کیا کرنا

ہوگا؟"

"ہم تینوں سے صرف ایک بات کہی گئی ہے وہ یہ کہ ایسی کوئی بات جو ہماری سمجھ میں نہ آئے' پیش آ جائے تو صرف اور صرف فرید اللہ صاحب سے بات کی جائے۔"

"اوہ! بہرحال کیا کہا جا سکتا ہے؟"

رات گزر گئی' دوسری صبح ہم جس علاقے سے گزر رہے تھے اس کی سمت نگاہیں دوڑائیں تو ایک عجیب سی شے آئی۔ یہ کالے رنگ کے بے شمار کوہان تھے۔ جو سمندر میں متحرک نظر آ رہے تھے اور ان کا رخ اسی موٹر بوٹ کی جانب تھا۔

"شارک"

شبیر خان کے منہ سے آواز نکلی اور ہم غور سے پانی کے نیچے تیرتی ہوئی شارک مچھلیوں کو دیکھنے لگے۔ مجھے شارک مچھلیوں کے بارے میں بہت سی کہانیاں یاد آ گئیں۔ اور شبیر خان نے فوراً ہی کہا:

"یہ شارک مچھلیاں ہیں' انتہائی خوفناک۔ سمندر میں یہ سب سے خوفناک حیثیت رکھتی ہیں۔"

"مگر یہ تو ہماری ہی طرف آ رہی ہیں' کہیں ہماری کشتی کو تھوڑا سا نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"ہوشیار ہو جاؤ میں رخ تبدیل کر رہا ہوں۔"

شبیر خان نے کہا اور لانچ کا رخ تبدیل کر دیا۔ مچھلیوں کا غول اس طرح دوڑتا ہوا نظر آ رہا تھا جیسے ہماری لانچ کو نگل ہی جائے گا پھر آن کی آن میں وہ ہمارے قریب پہنچ گئیں اور لانچ کو شدید جھٹکے لگنے لگے۔ ان جھٹکوں سے مزدور بھی پریشان ہوگئے تھے۔ شبیر خان نے پریشان لہجے میں کہا:

"انہوں نے لانچ پر حملہ کر دیا ہے اور اسے ٹکریں مار رہی ہیں۔ یہ اکثر ٹکریں مار کر لانچوں کو ڈبو دیتی ہیں اور پھر اچانک ہی شبیر خان چیخا۔"

"اے پیچھے ہٹو' پیچھے ہٹ جاؤ۔ بے وقوف آدمی کیوں زندگی کو موت کے حوالے کر رہے ہو؟"

یہ الفاظ اس نے ایک مزدور سے مخاطب ہو کر کہے تھے جو لانچ کے کنارے کھڑا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوا تھا۔ وہ بے چارہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ مچھلیاں لانچ سے ٹکرا جاتیں تو یوں لگتا جیسے لانچ ایک جانب کو اٹھ رہی ہو۔ یہ صورتحال کافی خطرناک ہے' ایک بات بتاؤ۔'' کیا ہم رائفلوں سے ان کا مقابلہ کریں؟

''یہی میں کہنے والا تھا۔ اب مجبوری ہے۔''

چنانچہ میں نے اور باقی افراد نے رائفلیں اٹھا لیں اور اس کے بعد شبیر خان کے اشارے پر پہلا فائر کیا گیا۔ شارک مچھلی کا کوہان زخمی ہوگیا تھا۔ وہ تڑپ کر نیچے گئیں اور پھر ابھریں اس بار اس کا ہولناک منہ ہماری آنکھوں کے سامنے تھا۔ یقین نہیں آتا تھا کہ اتنا بڑا منہ پھیلایا جا سکتا ہے۔ اس نے پانی میں غوطہ مارا اور آ کر موٹر بوٹ سے ٹکرائی۔ موٹر بوٹ زور سے ہلی اور شبیر نے اسٹیرنگ کو ذرا سا گھما دیا۔ زخمی مچھلی کے خون کی بو پھیل گئی تھی دور دور سے بھی مچھلیاں اس سمت آ کر کھڑی ہوگئیں تھیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ شارک مچھلیوں کا پورا خاندان اب ہم سے انتقام لینے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ یہ صورتحال خاصی خوفناک تھی۔ شبیر خان نے اس کی تصدیق کی اور کہنے لگا:

''شارک مچھلیاں عموماً زخمی ہو کر بھاگ جاتی ہیں لیکن ان کا یہ غصہ بڑا عجیب ہے۔ ویسے ایسا لگتا ہے جیسے یہاں ان کا قبیلہ آباد ہے۔''

''قبیلہ؟''

''ہاں! شارک مچھلیوں کے قبیلے سمندر میں جگہ جگہ آباد ہوتے ہیں۔ جہاز تو بے شک بچ جاتے ہیں لیکن اوہو! دیکھو موٹر بوٹ کو کیسے جھٹکے لگ رہے ہیں اگر جوش میں بھری ہوئی مچھلیوں نے اسے الٹنے کی کوشش کی تو انہیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔''

سب کے چہروں پر شدید تشویش کے اثرات تھے۔ دفعتاً ایک شارک مچھلی نے لانچ کے بالکل کنارے پر سر ابھارا اور تقریباً چار' پانچ فٹ اونچی ہوگئی۔ خوش قسمتی تھی کہ اس وقت کنارے پر کوئی موجود نہیں تھا۔ ورنہ یقینی طور پر خوفناک حادثہ پیش آ جاتا۔ مچھلی کا منہ کنارے پر پھنس گیا تھا اور لانچ اتنی ٹیڑھی ہوگئی تھی کہ اگر کوئی دوسری مچھلی اندر آنا چاہتی تو با آسانی آ سکتی تھی۔ لانچ کا کنارہ پانی کو چھونے لگا تھا میں نے اندھا دھند مچھلی پر فائرنگ شروع کر دی۔ کئی گولیاں کھانے کے بعد وہ پیچھے سمندر میں الٹ گئی۔ لانچ کو شدید جھٹکا لگا اور دوسری جانب تمام لوگ لڑھک گئے۔ مچھلیاں اتنی تعداد میں جمع ہوگئی تھیں

کہ اب خطرہ یہ پیدا ہوگیا تھا کہ وہ یقینی طور پر لانچ کو تباہ کر دیں گی۔ تب شبیر خان نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا:

'براہ کرم اسٹیرنگ سنبھال لیجئے۔ اب میں ایک دوسرا کھیل کھیلنے جا رہا ہوں۔ حالانکہ میں نے زندگی میں کبھی ایسے کسی کھیل کا تصور نہیں کیا لیکن سمندری زندگی میں رہ کر تھوڑی بہت معلومات حاصل کی ہیں' میں نے۔''

''اب براہ کرم سر اسٹیرنگ سنبھال لیجئے میں آپ کو ہدایات دیتا جاؤں گا۔ معاف کیجئے اس وقت میں ایک ملاح کی حیثیت سے یہ بات کر رہا ہوں۔ شبیر خان تیزی سے دوڑتا ہوا لانچ کے پچھلے حصے پر پہنچ گیا۔ اس نے لانچ پر رکھے ہوئے چھوٹے چھوٹے پٹرول کے ٹین اٹھائے اور پھر ان میں سے تین ٹین کھول کر پٹرول کو پانی پر اچھال دیا۔ تین الٹے گئے تھے اور پٹرول پانی کی سطح پر پھیل گیا تھا۔

''لانچ کو تھوڑا سا پیچھے کر لیں۔''

شبیر خان نے مجھے ہدایت کی اور میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ تب شبیر نے پٹرول کا ایک اور ٹین پانی پر ختم کر دیا اور یہ کام اس نے بڑی مہارت سے کیا تھا کیونکہ پانی پر جانا نہایت مشکل تھا۔ پٹرول کو چھوٹے سے ٹین کے ذریعے پانی پر پھینکنا بہت مشکل کام تھا اگر کنارے پر پہنچ کر وہ یہ کام کرتا تو یقینی طور پر کسی نہ کسی شارک مچھلی کا شکار ہو جاتا اور اگر ٹین ذرا بھی بے احتیاطی سے اٹھایا جاتا تو پٹرول لانچ کے کنارے پر بھی پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے لانچ کو بچانے کی کوشش کی اور تین چار ٹین پھینکنے کے بعد پیچھے ہٹ کر خود لانچ کا اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ اس کی یہ حرکت میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن اسٹیرنگ سنبھال کر اس نے لانچ کو تھوڑا اور پیچھے کیا اور اسے ایک مخصوص زاویے پر لا کر لانچ کا اسٹیرنگ پھر میرے حوالے کر دیا۔ پھر اس نے جلدی سے کپڑا اٹھایا اسے بھگویا اور اس کا گولہ سا بنا کر ہاتھ میں پکڑ لیا پھر اس نے ہنس راج کو ہدایت کی کہ اس کپڑے میں آگ لگا دی جائے ارہنس راج نے جیب سے لائٹر نکال کر اس پر عمل کیا۔ صورتحال سب کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ جلتا ہوا کپڑے کا گولہ سمندر میں پھینکا گیا اور پانی کی سطح پر پٹرول نے آگ پکڑ لی۔ مچھلیوں کا غول کیونکہ بہت زیادہ تعداد میں تھا اس لئے زیادہ تر وہ اس آگ کی لپیٹ میں آ گئیں۔ اور دوسرے لمحے ان میں افراتفری پھیل گئی۔ اس واقعے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے شاید وہ ڈر گئیں تھیں۔ لانچ کو اس مہارت سے پیچھے کی طرف لے جایا گیا تھا کہ سمندر میں پڑا ہوا پٹرول اسے نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس کے بعد لانچ کی رفتار تیز کر دی گئی۔ کچھ مچھلیاں لانچ کے پیچھے لپکیں۔ لیکن پھر جب انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کا خاندان پیچھے رہ گیا ہے تو وہ خود بھی اپنی جگہ تبدیل کرنے پر مجبور ہوگئیں۔ سمندر پر شعلے ابھر رہے تھے اور ایک انوکھا اور دلچسپ منظر ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ بہرحال شبیر خان نے ایک ملاح کی مہارت کا ثبوت دے کر اس وقت تقریباً سب ہی کی جان بچائی تھی اور اس بات کو سب محسوس کر رہے تھے۔ بہرحال لانچ اب کافی دور نکل آئی اور میں نے شبیر خان سے کہا:

''ہمارے راستے تو مناسب ہیں کوئی ایسی صورتحال تو نہیں پیش آئے گی جس سے ہم راستہ بھٹک جائیں؟''

''نہیں یہ آلات ہماری رہنمائی کر رہے ہیں' انہیں ہم نے صحیح راستوں پر سیٹ کر رکھا ہے۔''

اس کے بعد کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا اور رفتہ رفتہ ہم ان شارک مچھلیوں کے حادثے کو بھول گئے۔ حالانکہ کئی جگہ ہمیں شارک مچھلیاں نظر آئیں لیکن غول کی شکل میں نہیں غول زیادہ خطرناک ہوتے ہیں وہ تھوڑی دیر تک ہماری لانچ کے پیچھے دوڑیں اور اس کے بعد رخ بدل کر چلی گئیں۔ غالباً ایک یا دو مچھلیاں کبھی ایسی چیز پر حملہ آور نہیں ہوتیں جن سے انہیں خطرہ درپیش ہو۔ سورج ڈھل چکا تھا' آسمان پر ایک بار پھر بادل امنڈ آئے۔ رات کو تقریباً نو یا ساڑھے نو بجے کا ٹائم ہوگا جب بوندیں پڑنے لگیں۔ شبیر خان ایک ماہر کپتان ہونے کا ثبوت دے رہا تھا۔ چنانچہ اس نے انتظامات شروع کر دیئے اور لانچ کے سائبان وسیع کر لئے گئے اور اس میں ہمیں بہت آسانیاں ہوگئیں۔ بارش آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ تاریکی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ شبیر خان کے چہرے پر تشویش کے آثار محسوس کئے جاتے تھے۔ اس وقت رات کے تقریباً بارہ بجے ہوں گے کہ دفعتاً تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے اور کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ شبیر نے ایک لمحے آرام نہیں کیا تھا۔ میں نے پہلے ہی اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس وقت کا منتظر ہو اس نے سرگوشی کے انداز میں مجھ سے کہا:

''سر! صورتحال کچھ سنگین ہوگئی ہے۔ تیز ہواؤں کا اندازہ بتاتا ہے کہ یہ طوفانی شکل بھی اختیار کر سکتی ہیں حالانکہ یہ طوفان کا موسم نہیں ہے لیکن سمندر پر اتنا بھروسہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔''

''کیا طوفان خطرناک ہو سکتا ہے؟''

میں نے پوچھا۔

''آثار ایسے ہی ہیں' جناب!''

''اگر سمندری طوفان آ گیا تو کیا یہ چھوٹی سی لانچ اس کا مقابلہ کر سکے گی؟''

''تقدیر پر بھروسہ کرنا ہوگا' سر! ویسے میرا خیال ہے سب لوگوں کو اس بارے میں بتا دیا جائے تاکہ وہ ہوشیار رہیں۔ آپ سے اجازت لینا چاہتا ہوں۔''

''ہاں! کسی سے کچھ چھپانا مناسب نہیں ہوگا۔''

میں نے کہا اور سب کو یہ بات بتا دی گئی سب محتاط ہوگئے تھے اور شبیر خان ضروری تیاریوں میں مصروف تھا۔ سب کو ان تیاریوں میں شامل کر لیا گیا لانچ کے انجن بند کر دیئے گئے اور ایسی تمام چیزوں کو رسوں اور لوہے کی موٹی زنجیروں کے ساتھ بندھوایا جانے لگا۔ جن کے سمندر میں گر جانے کا خطرہ تھا۔ ہنس راج نے میرے کان میں کہا:

''میں نے پوری زندگی مہم جو میں گزاری ہے' بڑے بڑے خطرناک واقعات میرے ساتھ پیش آئے ہیں مگر کبھی بھی کسی سمندری مہم میں حصہ لینے کا موقع نہیں ملا۔ یہ شخص مجھے کافی ماہر نظر آتا ہے۔ اسے جہاز رانی کا کافی تجربہ ہے۔'' میں نے گردن ہلا دی تھی۔ ہوائیں تیز ہونے لگیں' سمندر کا رنگ بدلنے لگا اونچی اونچی لہریں کشتی کی طرف دوڑنے لگیں اور اگر طوفان آ گیا' موجیں کشتی سے ٹکرائیں تو پانی اچھلتا اور کوئی کشتی پر سے پرواز کرتا ہوا دوسری طرف جا پڑتا۔ کشتی اب مکمل طور پر سمندر کے رحم و کرم پر تھی۔ تمام جدوجہد ختم ہو چکی تھی۔ اور اب خاموشی سے اپنے بچاؤ کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ مزدوروں نے موٹے رسے کو اپنی کمر سے کس کر گرہیں لگا دی تھیں۔ یہ رسہ کشتی کے ایک بادبان سے بندھا ہوا تھا اور کشتی اب بری طرح لہروں میں ڈول رہی تھی۔ کبھی ایک طرف مڑ جاتی یوں لگتا کہ اب ڈوبی تب ڈوبی۔ کبھی کوئی زبردست لہر اس کا ایک سرا کھڑا کر دیتی اور کشتی بالکل الف کھڑی ہو جاتی۔ میں نے بھی اپنے آپ کو اس سے کس لیا تھا اور اس

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سنگین صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا' نجانے کیوں میرے دل میں اب خوف کا کوئی ایسا گزر نہیں تھا۔ حالانکہ یہ سب کچھ میرے لئے بھی اجنبی اور تعجب خیز تھا۔ میں نے تو ایسی زندگی کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ طوفان شدت اختیار کرتا رہا۔ کشتی اس طرح سمندر کے رحم و کرم پر تھی کہ کسی بھی لمحے اس کے درمیان سے ٹوٹ جانے یا ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ لہریں مسلسل اٹھ رہی تھیں اور کشتی میں پانی بھرتا جا رہا تھا لیکن اس وقت پانی باہر نکالنے کی کوشش بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ ہم لوگ خاموش کھڑے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ شبیر خان بھی ساکت تھا' کوئی کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ سمندر کا شور اتنا تھا کہ کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے' پوری کشتی منتشر ہوگئی تھی۔ پورے دو گھنٹے گزر گئے اور یہ دو گھنٹے ایسے تھے کہ کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کہ کون سا لمحہ میرے لئے موت کا لمحہ ثابت ہو۔ طوفان کی قیامت خیزی مسلسل جاری تھی لیکن پھر دو گھنٹوں کے بعد طوفان میں کمی آنے لگی۔ ہوائیں جیسے اپنا مشن پورا کر کے پرسکون ہوگئیں اور سمندر کا غضب کم ہونے لگا' کچھ دیر کے بعد آسمان پر چاند ابھر آیا اور ماحول پر پراسرار چاندنی پھیل گئی۔ تب شبیر خان کی آواز نکلی۔

''چلو پانی نکالو' جتنی جلدی ہو سکے پانی نکالو۔''

شبیر خان کی اس آواز نے جیسے زندگی پیدا کر دی۔ مزدوروں نے رسے کھولے۔ جس کے ہاتھ جو لگا اسے لے کر پانی کے خلاف صف آرا ہوگیا۔ کشتی خالی ہونے لگی اور اس کام میں کافی دیر لگ گئی۔ جب کشتی اندر سے خالی ہوگئی تو شبیر خان نے سمندر کا مزاج دیکھ کر کشتی کا انجن سٹارٹ کر دیا لیکن کافی دیر تک کوشش کے باوجود اسے کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ شبیر خان کے چہرے پر شدید پریشانی کے آثار نظر آ رہے تھے اس نے تشویش زدہ لہجے میں کہا:

''پانی خشک ہونے پر انجن سٹارٹ ہوں گے اگر ایسا نہ ہوا تو ہمیں بڑی مشکلات پیش آ جائیں گی۔''

''کیا انجن میں پانی چلا گیا ہے؟''

میں نے سوال کیا۔

''شاید اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انجن کس طرح متاثر ہوا ہے۔ ممکن ہے لانچ

کو لگنے والے جھٹکوں نے اس میں کوئی اور خرابی پیدا کر دی ہو۔ میں اس سلسلے میں معلومات نہیں رکھتا تھا' اس لئے میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ یہ بات میری سمجھ میں بھی آ رہی تھی کہ لانچ کو جس طرح زبردست جھٹکے لگے تھے اور وہ جس طرح پانی کی لہروں پر اوپر نیچے ہوتی رہی تھیں' اس سے اس بات کے امکانات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ لانچ کا انجن کہیں سے ٹوٹ پھوٹ گیا ہو اور اس کی وجہ سے لانچ بند ہوگئی ہو۔ شبیر خان بہت دیر تک کوشش کرتا رہا۔ صبح کی روشنی آہستہ آہستہ نمودار ہوتی جا رہی تھی اور آسمان پر اجالے کی کرنیں پھیلنے لگی تھیں۔ ساری رات جاگتے رہنے کی وجہ سے ہم سب کے چہرے اترے ہوئے تھے لیکن بہرحال ہم سب مستعد تھے کیونکہ یہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔ وہ سارا سامان جوں کا توں بندھا رہنے دیا تھا جس کے سمندر میں گر جانے کا خطرہ تھا۔ سامان کی اسی طرح حفاظت کی جا رہی تھی۔ کشتی کا چاروں طرف سے جائزہ لیا گیا اور یہ اندازہ لگا لیا گیا کہ اس میں اور کوئی خرابی نہیں پیدا ہوئی ہے۔ ہر چند کہ چند چیزیں ٹوٹ گئیں تھیں۔ بادبان کا ایک بہت بڑا ڈنڈا ٹوٹ گیا تھا جس پر کس کر رسہ باندھ دیا گیا اور اس کی وجہ سے یہ مستعول مضبوط ہوگیا یہ تمام کارروائیاں جاری رہیں اور شبیر خان اپنی کوشش میں مصروف رہا۔ لیکن انجن سٹارٹ نہیں ہوا۔ تب اس نے مایوسی سے کہا:

''انجن کا سٹارٹ ہونا مشکل ہے ویسے میں اسے کسی نہ کسی طرح درست کر ہی لوں گا لیکن وقتی طور پر ہمیں بادبانوں سے کام چلانا پڑے گا۔''

''سارے بادبان بھیگے ہوئے ہیں۔''

ہنس راج نے کہا۔

''ہاں! لیکن انہیں کھول دیا جائے گا۔ ہوا انہیں خشک کر دے گی اس دوران میں انجن درست کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ چنانچہ دو بادبان چڑھا دیئے گئے۔ ان کے رخ وغیرہ درست کئے گئے' پانی سے بھیگے ہوئے وزنی بادبانوں کو چڑھانا ایک مشکل مرحلہ تھا' مزدوروں نے شدید محنت کی اور اپنی کوششوں میں کامیاب ہوگئے۔ شبیر خان مستعول پر چڑھا اور اس نے بادبان درست کرنا شروع کر دیئے پھر وہ نیچے اتر آیا اور کشتی نے آخرکار ایک رخ اختیار کر لیا لیکن بادبان زیادہ عرصے تک ساتھ نہیں دے سکے کیونکہ لانچ ان کی نسبت کافی بڑی تھی اور وہ صرف عارضی طور پر کارآمد ہو سکتے تھے۔ بہرحال کام کیا جاتا رہا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور لانچ کے سفر کو ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ایک ہولناک آواز کے ساتھ ایک مستعول ٹوٹ گیا۔ بادبان کی قوت وزنی لانچ کو آگے بڑھانے کے لئے ناکافی ثابت ہوئی اور ہوا کا دباؤ بڑھ گیا جس کی وجہ سے مستعول ٹوٹ گیا۔ ایک بادبان مستعول میں لٹک کر رہ گیا تھا۔ دوسرا بادبان کام کر رہا تھا اور اسے ہی لانچ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دینا تھے لیکن شبیر خان نے اس بادبان کو نیچے اتار لیا اور کشتی کی رفتار ایک دم رک گئی لیکن شبیر خان نے دوسرا عمل یہ کیا کہ اس نے مزدوروں کو بیس بیس فٹ لمبے چپوؤں کو سنبھالنے کے لئے کہا جو کشتی کے دونوں کناروں پر کندوں میں بندھے ہوئے تھے۔ تین تین آدمی ان چپوؤں میں مصروف ہوگئے اور انہیں چلایا جانے لگا لیکن یہ صورتحال بھی زیادہ دیر برقرار نہیں رہ سکتی تھی کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد مزدور بھی تھک جاتے۔ شبیر خاں اپنی جیسی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا اس کے بعد اس نے کشتی ایک بار پھر لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دی اور لہریں اسے آہستہ آہستہ آگے دھکیلنے لگیں۔ سفر کی رفتار تقریباً رک چکی تھی اور انجن کے درست ہونے کا ابھی تک کوئی امکان نہیں تھا۔ چنانچہ عارضی طور پر کشتی کو لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا لیکن سب ہی تشویش زدہ تھے اور چونکہ تمام تر وقت طوفان سے پیدا ہونے والی تباہ کاریوں پر صرف ہوگیا تھا۔ اس لئے کھانے پینے کا بھی مسئلہ بن گیا تھا اور سب اس وقت بھوک محسوس کر رہے تھے چنانچہ تھکے ہوئے مزدوروں نے اور ہم سب نے کھانا کھایا تو بدن پر شدید کسل مندی طاری ہونے لگی اور سب ایسی کیفیت میں آ گئے کہ جیسے اپنے کسی ڈرائنگ روم میں پڑے ہوئے ہوں۔ کشتی لہروں کے رحم و کرم پر تھی اور ہم سب اس میں لمبے لمبے دراز ہوگئے تھے۔ اچانک ہی میری نظر مستعول کے آخری سرے پر پڑی یہ وہ مستعول تھا جو باقی رہ گیا تھا لیکن اس پر میں نے ایک چیل کو بیٹھے ہوئے دیکھا اور حیران رہ گیا۔ سمندر کے اس حصے میں یہ چیل کہاں سے آ گئی۔ دفعتاً ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال گزرا۔ کیا کوئی خشکی قریب ہے۔ ہوسکتا ہے خشکی قریب ہو اور یہ چیل اڑ کر یہاں آ بیٹھی ہو۔ میں نے اس کو اڑ کر آتے ہوئے دیکھا ہو اور نہ ہی میرے کسی ساتھی نے لیکن باقی ساری باتیں بڑی حیران کن تھیں۔ چیل تھوڑی دیر تک اسی طرح بیٹھی رہی پھر مستعول پر سے اڑ گئی۔ میرے برابر میں گووندا لیٹا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ اس سے چیل کے بارے میں بات کروں لیکن نجانے کیوں زبان بند ہوگئی پھر وہ

بند کیبن یاد آیا اور نجانے کیوں ایک دم دل میں یہ خواہش بیدار ہوئی کہ ذرا اس کیبن کا جائزہ تو لیا جائے۔ تھوڑا سا ذہن ہی بٹے گا کیبن کی چابی پتا نہیں کس کے پاس تھی۔ ایک لمحے کے لئے سوچا کہ شبیر خان اور ہنس راج وغیرہ سے معلوم کروں۔ لیکن بس احتیاط کے پیش نظر ایسا نہیں کیا اور خود اپنی جگہ سے اٹھ کر کیبن کے قریب پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کیبن کا دروازہ کھلا ہوا تھا' تالا ایک طرف نظر آ رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اندر کوئی موجود ہے۔ میں اس شیشے کے پاس پہنچ گیا جہاں سے پہلے میں نے کیبن کے اندر کا جائزہ لیا تھا یہاں سے میں نے جھانک کر اندر دیکھا۔ کیبن بہت بڑا نہیں تھا لیکن اس میں ہر چیز نظر آ رہی تھی۔ کوئی اندر موجود نہیں تھا۔ پھر یہ تالا کس نے کھولا؟ تجسس کا شکار ہو کر واپس پلٹا مزدور وغیرہ تو سب سو ہی رہے تھے۔ ویسے بھی میں انچارج کی حیثیت رکھتا تھا اور کہیں بھی داخل ہوسکتا تھا۔ چنانچہ کیبن میں داخل ہوگیا۔ اندر قدم رکھتے ہی مجھے ایک پراسرار سناٹے کا احساس ہوا۔ ایسا لگا جیسے کہ ماحول میں کوئی خاص بات ہو لیکن یہ خاص بات کیا ہوسکتی ہے۔ بہت دیر تک سوچتا رہا اور پھر تمام خیالات کو جھٹک کر چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ کیبن میں ایک الماری بھی تھی میں اس الماری کے قریب پہنچا' اسے کھول کر دیکھا تو مجھے درگا دیوی کا پرس نظر آیا۔ اس پرس کو میں اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اپنا تجسس نہ روک سکا اور تیزی سے پرس کے پاس پہنچا اسے کھول کر دیکھا تو گوریلا پرس میں موجود تھا۔ پروفیسر زموکا اور اس وقت وہ پھرایا ہوا نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ بلکہ بالکل ٹھیک حالت میں تھا۔ تین انچ کا گوریلا جو زندہ سلامت تھا' مجھے دیکھ کر اس کے اندر جنبش ہوئی اور اس نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے مجھ سے کاغذ اور قلم کی فرمائش کی یہ فرمائش میں پوری نہیں کرسکتا تھا۔ اور ویسے بھی لانچ پر اب ان چیزوں کا وجود نہیں تھا لیکن ہمت کر کے میں نے گوریلا کو ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ لیا اور پھر اس سے کہا:

''پروفیسر زموکا! یہاں میں تم سے گفتگو نہیں کرسکتا کیونکہ میرے پاس کاغذ اور قلم موجود نہیں ہے۔ میں تم سے کچھ سوالات کر رہا ہوں۔ ہاں یا نہیں میں گردن تو ہلا سکتے ہو؟

اس نے آنکھیں بند کر کے ہاں میں گردن ہلائی۔

''یہ بتاؤ تم خیریت سے تو ہو؟''

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس نے پھر ہاں میں گردن ہلا دی۔

"کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ سمندر میں طوفان آیا تھا؟"

اس نے پھر ہاں میں گردن ہلائی۔

"پروفیسر زموکا کشتی کا انجن خراب ہو چکا ہے اور بادبان ٹوٹ چکے ہیں۔ کیا ہم کسی ساحل تک سفر کر سکتے ہیں؟"

زموکا نے پورے اعتماد سے پھر گردن ہلا دی۔

"کیا درگا دیوی اس لانچ پر موجود ہے؟"

زموکا ہر بات پر گردن ہلا رہا تھا۔ میں نے پھر کہا:

"فکر مت کرنا زموکا میرا تم سے رابطہ رہے گا اور اگر تمہاری زندگی کو کوئی خطرہ لاحق ہوا تو میں تمہاری مدد کروں گا۔ اس کے لئے تم بالکل بے فکر رہنا۔"

زموکا کی آنکھوں میں میں نے شکر گزاری کے آثار دیکھے تھے۔ پھر میں نے کہا:

"تم کہتے ہو کہ وہ لانچ پر موجود ہے۔ اس لئے میں زیادہ دیر تمہارے پاس نہیں رک سکتا۔ مجھے اجازت دو۔"

زموکا پرس میں رکھ کر میں نے الماری میں رکھا اور خاموشی سے دروازے سے باہر نکل آیا۔ جیسے ہی میں باہر نکلا ایک مزدور کو میں نے کیبن کے دروازے کے پاس دیکھا وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی میں نے ایک جگہ پوشیدہ ہو کر مزدور کو کیبن میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ کیبن میں چلا گیا تھا۔ نجانے کیوں میرے اندر پھر ایک تجسس جاگ گیا تھا۔ کیبن کا دروازہ کس نے کھولا تھا اور مزدور کیبن میں کیا کرنے گیا تھا کیا پہلے سے اسے اس بارے میں معلومات حاصل تھیں۔ اچانک ہی میں نے اس کالے رنگ کی بلی کو جسے میں پہلے بھی کیبن کے بستر پر بیٹھے دیکھ چکا تھا' کیبن سے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ میرا تجسس مجھے آگے لے آیا۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیبن کے اندر کیا ہوتا ہے؟ میں کیبن کے دروازے کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اچانک ہی مجھے اندر سے آواز سنائی دی۔ یہ آواز درگا دیوی کی تھی۔ میں رک گیا اور اس آواز کو سننے لگا۔ درگا دیوی کہہ رہی تھی:

"کیسے آئے اندر؟"

"وہ... وہ ارے... رے باپ رے... تم کون ہو؟ یہاں لانچ پر کہاں سے آ گئیں۔"

"فرید اندر آ جاؤ۔"

"فرید! اندر آ جاؤ۔ میں نے تم سے کہا ہے نا؟"

میں پھرتی سے اندر داخل ہو گیا۔ مزدور دیوار سے لگا خاموش کھڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔ درگا دیوی نے پھر کہا:

"دروازہ بند کر دو۔"

میں نے بے اختیار کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ مزدور بولا:

"صاحب جی! معافی چاہتے ہیں ہم ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہاں کوئی عورت موجود ہے۔ ہم تو بس ایسے ہی ٹہلتے ہوئے ادھر نکل آئے تھے۔ پہلے اس کیبن میں تالا پڑا ہوتا تھا۔ اب نہیں تھا بلکہ کھلا ہوا تھا تو ہم نے سوچا کہ ذرا اندر دیکھ لیں۔"

"اور تم ہر چیز کھول کر دیکھنے لگے۔ یہ الماری تھی۔"

"وہ تو جی بس ,,,"

"ٹھیک ہے جاؤ دفع ہو جاؤ۔"

درگا دیوی نے کہا اور مزدور تیزی سے دروازے کی طرف لپکا تو درگا دیوی بولی:

"ادھر سے نہیں اس دروازے سے جاؤ۔"

اس نے ایک دوسرے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور مزدور نے گردن ہلا دی پھر وہ تیزی سے اس دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ میں نے یہ دروازہ پہلے نہیں دیکھا تھا۔ دوسری بار اس کیبن میں آیا تھا۔ حالانکہ میں نے کیبن کا جائزہ اچھی طرح لیا تھا لیکن اس دروازے پر پہلے نظر نہیں پڑی تھی۔ مزدور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تو درگا دیوی میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی:

"کہو سفر کیسا جا رہا ہے؟"

"سفر تو جیسا بھی جا رہا ہے' درگا جی لیکن مجھے شدید حیرت اس بات پر ہے کہ آپ یہاں موجود ہیں اور ہم میں سے کسی کو اس کے بارے میں پتا ہی نہیں۔"

"کیا پتا ہونا ضروری تھا؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

درگا دیوی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"نہیں میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ کم از کم مجھے تو پتا ہوگا اس کا مطلب ہے کہ طوفان کے دوران بھی آپ لانچ پر ہی تھیں آپ کو اس شدید طوفان کا اندازہ ہے نا؟"

درگاہ دیوی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا:

"سمندر پر میری جاگیر نہیں بسی ہوئی ہے۔ لانچ میں تمہارے ساتھ سفر کر رہی ہوں۔ شارک مچھلیوں نے جب لانچ پر حملہ کیا تھا تب بھی میں یہیں لانچ پر تھی اور طوفان کے دوران تم جو جدوجہد کرتے رہے ہو اس میں بھی یہاں موجود تھی۔"

"لیکن درگا جی!"

"یہ تم نے میڈم کے بجائے مجھے درگا جی کیوں کہنا شروع کر دیا؟"

"سوری میڈم! میرا مطلب یہ ہے کہ لانچ کا انجن خراب ہوگیا ہے اور بادبان بھی ٹوٹ چکے ہیں۔ اب ہم کیا کریں؟"

"لانچ اپنا سفر کر رہی ہے' اسے یہ سفر کرنے دو۔ حادثات تو زندگی کا حصہ ہوتے ہیں ہوسکتا ہے اور بھی حادثے پیش آئیں لیکن بہرحال منزل تقدیر ہے اور وقت کہتا ہے کہ ہمیں منزل تک پہنچنا ہے۔ میں سمجھتی ہوں اطمینان ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اعتماد بھی۔"

"جی میڈم!"

"جاؤ کچھ جگہیں اپنے لئے ہوتی ہیں اور کچھ دوسروں کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنی جگہوں سے سروکار رکھو اور دوسروں کے معاملات میں مداخلت نہ کرو۔ ویسے تمہاری اب تک کی کارکردگی قابل فخر ہے اور میں نے تمہارے بارے میں غلط نہیں سوچا تھا۔ یعنی یہ کہ تمہیں دوسروں پر فوقیت ملنی چاہئے تھی۔ اس کی اہلیت کا اظہار کر رہے ہو جاؤ۔"

میڈم نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور میں برق رفتاری سے کیبن سے باہر آ گیا۔ میرے بدن پر ایک سنسنی طاری تھی۔ میڈم نے میرے بارے میں نہیں سوچا تھا اور بات اس مزدور پر ٹل گئی تھی۔ شاید وہ اس پر بہت زیادہ اعتماد کرنے لگی تھی یا پھر اس نے مصلحت اختیار کی تھی جس کی بظاہر کوئی ضرورت نظر نہیں آتی تھی۔ بہرحال میرے لئے سوچنے کو بہت کچھ تھا۔ واقعی بے حد پراسرار عورت تھی۔ اور نجانے کیوں مجھے یہ محسوس ہو رہا

تھا کہ آنے والے لمحات انتہائی سنسنی خیز ہوں گے اور کافی دلچسپیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ البتہ کسی قسم کی کوئی پریشانی کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ بہرحال زندگی اور موت کا ایک فاصلہ ہوتا ہے۔ یہ فاصلے جب بھی مختصر ہو جائیں انہیں نہ تو کم کیا جا سکتا ہے اور نہ ختم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ پریشانی اور الجھن بے کار سی چیز ہے۔ سب کچھ اللہ کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہئے۔ البتہ کچھ عجیب باتیں جو سامنے آتی ہیں۔ ان پر تجسس تو ہوتا ہی ہے۔ چنانچہ یہ سارے معاملات میرے لئے بڑے تجسس کا باعث تھے۔ میں نے ان تمام واقعات کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ وقت گزرتا رہا پھر شبیر خان ہی نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ ہنس راج اور گووندا وہاں موجود تھے' ایک مزدور مجھے بلانے آیا تھا کیونکہ میں لانچ کے عقبی حصے میں کھڑا بہت دیر سے ماحول کا نظارہ کر رہا تھا۔ مزدور کے ساتھ میں ہنس راج کے پاس پہنچ گیا۔ باقی مزدور بھی وہاں موجود تھے اور پریشانی کا شکار نظر آ رہے تھے۔ میں نے ہنس راج سے پوچھا:

"کیا بات ہے' خیریت کوئی خاص بات ہوگئی کیا؟"

"ہاں ہمارا ایک مزدور غائب ہے۔"

"کون؟"

"گروجر ہے اس کا نام اور وہ کافی دیر سے نظر نہیں آیا۔ لانچ کا کونہ کونہ چھان مارا گیا ہے۔"

"گروجر"

میں نے ان تمام مزدوروں کے چہرے دیکھے واقف تو خیر میں سب سے ہی تھا لیکن کبھی کبھی نام ذہن سے اتر جاتے تھے۔ ایک لمحے کے اندر اندر اندازہ ہوگیا کہ گروجر وہی مزدور تھا جو کیبن میں داخل ہوا تھا۔ سنسنی کی ایک لہر میرے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ میں نے کہا:

"کب سے نہیں دیکھا گیا ہے اسے؟"

"کئی گھنٹے ہوگئے ہیں صاحب! پہلے تو ہم نے توجہ نہیں کی تھی لیکن جب اتنی دیر ہوگئی اور وہ ہمیں نظر ہی نہیں آیا تو ہمیں تشویش ہوئی اور ہم نے پوری لانچ کا جائزہ لیا وہ ہے ہی نہیں۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"کہاں جا سکتا ہے وہ؟"

میں نے پرخیال لہجے میں کہا حالانکہ میرے سارے وجود میں عجیب سی اینٹھن ہوگئی تھی۔ گروجر اور میڈم کا سامنا ہوا تھا اور اس کے بعد میڈم نے گروجر کو نکال دیا تھا۔ میں نے پھر کہا:

"ایک بار پھر پوری لانچ کا جائزہ لو۔"

"صاحب لانچ ہے ہی کتنی بڑی؟ ہم نے اس کے ایک ایک چپے کا جائزہ لے لیا ہے۔ وہ نہیں ہے' لانچ پر ہے ہی نہیں۔"

ایک مزدور نے رندھی ہوئی آواز میں کہا:

"خدانخواستہ کہیں وہ' میرا مطلب ہے اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچ گیا۔"

"اب تو یہی لگتا ہے صاحب!"

مزدوروں نے کہا۔

"وہ کیبن جو باہر سے بند ہے کیا اس کا بھی جائزہ لے لیا ہے؟"

"اندر سے تو نہیں دیکھا صاحب' پر شیشے سے جھانک کر دیکھا ہے۔ وہ پورے کا پورا خالی پڑا ہوا ہے پھر بھی وہاں ایک مسہری ہے۔ حالانکہ دروازہ اب بھی باہر سے بند ہے اور کیبن میں جانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"اس کی چابی کس کے پاس ہے؟"

"میرے پاس" گووندا نے کہا۔

"اوہ ہو... اچھا گووندا احتیاطاً اگر تم مناسب سمجھو تو"

"آپ ہمیں حکم دیجئے' ہم کھول کر دیکھ لیں کیبن۔ ویسے میڈم کی اجازت نہیں ہے لیکن اگر آپ کہیں گے تو پھر دیکھا جا سکتا ہے۔"

"ہم یہی چاہتے ہیں صاحب! آخری جگہ وہی رہ گئی ہے اسے بھی دیکھ لیا جائے۔ ہمارے دل کو تسلی ہو جائے گی۔ ویسے صاحب یہ بہت برا ہوا ہے۔ ہمارا ایک ساتھی۔"

مزدور اپنے ساتھی کے لئے بہت غمزدہ تھے لیکن میرے دل و دماغ میں ایک ہیجان برپا تھا۔ آخر یہ کیا ہوا۔ کیا درگا دیوی نے اس مزدور کو کوئی سزا دے دی۔ ویسے تو وہ

زیادہ سخت نہیں نظر آتی تھی۔ اور اس نے مزدور کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا تھا۔ بہرحال گووندا سے چابی لی گئی' صرف شبیر خان اسٹیرنگ پر رہ گیا کیونکہ لانچ کو سنبھالے رکھنا ضروری تھا۔ ہنس راج بھی ہمارے ساتھ تھا اور گووندا بھی۔ کیبن کا دروازہ کھول کر ہم سب اندر داخل ہوگئے۔ مزدور چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ ویسے تو انہوں نے شیشے سے سارا جائزہ لے لیا تھا لیکن کچھ مزدور مسہری کے نیچے بھی جھانک کر دیکھنے لگے۔ میری نگاہیں الماری کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ ایک مزدور نے الماری بھی کھول کر دیکھی' الماری میں اس پرس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اس وقت میں الماری کے قریب موجود تھا۔ ظاہر ہے مزدور کو پرس میں نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ چنانچہ مزدوروں کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ پھر اچانک ہی میری نظر اس دروازے پر پڑی جس دروازے سے مزدور کو اندر جانے کے لئے کہا گیا تھا اور ایک بار پھر میری آنکھوں میں تاریکی پھیل گئی۔ مجھے اپنے قرب و جوار بالکل تاریک اور سنسان نظر آئے۔ کیونکہ میڈم نے مزدور کو خاص طور سے اس دوسرے دروازے سے جانے کو کہا تھا جبکہ پہلے میں نے اس دروازے پر کبھی توجہ نہیں دی تھی اور اس وقت' اس وقت بھی وہاں دروازہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ آہ! واقعی میرا دماغ بالکل خراب نہیں تھا۔ وہ وقت' وہ لمحات' وہ الفاظ' وہ ماحول' وہ عمل سب کچھ مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ سب کچھ ہوش و حواس کے عالم میں ہوا تھا لیکن وہ دروازہ اب وہاں موجود نہیں تھا' اس کا نشان بھی نہیں تھا۔ میں نے لانچ کی بناوٹ کا جائزہ لیا اور ذہن ہی ذہن میں اس کا تجزیہ کرنے لگا۔ دوسری طرف تو صرف سمندر تھا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ دروازہ کہاں کھلتا ہوگا۔ باقی لوگوں سے تو میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ ٹٹولتا ہوا کیبن کی دیوار تک پہنچا مگر کہاں صاحب' وہاں کوئی باریک سا درز بھی نہیں تھا۔ میری کیفیت کافی خراب ہوگئی تھی۔ لیکن اس وقت مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ بھول کر بھی اس دروازے یا پیش آنے والے واقعہ کا تذکرہ نہ کروں ورنہ افراتفری پھیل جائے گی۔ ہوسکتا ہے مزدور بغاوت پر تل جائیں اور لانچ کی واپسی کے لئے کہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم کیبن کے سے باہر نکل آئے' تالا اسی طرح لگا دیا گیا۔ مزدور بہت غمزدہ تھے اور خاصے افسردہ نظر آ رہے تھے۔ بے چارے گمشدہ مزدور کے بارے میں یہی سوچا گیا کہ ہوسکتا ہے وہ سمندر میں گر گیا ہو۔ بہرحال وہ مزدور کافی خوفزدہ ہوگئے تھے اور کچھ وقت کے لئے فضا بڑے تکدر کا شکار ہوگئی تھی' باقی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لوگ بھی خاموش تھے۔ شام کو ہوا کا رخ بدل گیا اور وہ کسی قدر تیز ہوگئی لیکن اس کے باوجود ہوائیں اتنی تیز نہیں تھیں کہ سمندر میں طوفان کا خطرہ پیش آ جاتا۔ ہم تو بقول اس شخص کے دودھ کے جلے ہوئے تھے۔ بہرحال یہ تیز ہوائیں کشتی کو اچھی خاصی رفتار سے لے کر بھاگ رہی تھیں اور کشتی اب تیزی سے ایک سمت بڑھ رہی تھی۔ ہم سب بڑی الجھنوں کا شکار ہوگئے تھے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ مزدور کی گمشدگی نے ساری شگفتگی چھین لی تھی اور رات کو کھانے میں بھی بس ایسی ہی دکھی دکھی سی کیفیت نظر آتی تھی۔ ستارے نکل آئے' چاند روپوش تھا' ستاروں کی مدھم چھاؤں میں ہم سمندر کی چمکتی ہوئی موجوں کو دیکھتے رہے۔ ساری رات کوئی سکون سے نہیں سو سکا تھا۔ اگر کسی کی آنکھ لگ بھی جاتی تو وہ چونک کر آنکھ پھاڑنے لگتا۔ بے یارومددگار سمندر کے سینے پر وقت گزارنے کا تصور سب ہی کے لئے ہولناک تھا۔ خاص طور پر شبیر خان بہت پریشان نظر آتا تھا۔ کیونکہ سمندر کی پراسرار زندگی کے بارے میں وہ ہی سب کچھ جانتا تھا۔ اسے یقینا علم تھا کہ اگر کشتی اسی طرح بے یارومددگار سمندر کے سینے پر بھٹکتی رہی تو آخرکار ایک دن وہ آ جائے گا جب خوراک ختم ہو جائے گی اور پھر وہ تمام سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ یہ سب قصے کہانیوں کی باتیں ہیں' کہا جاتا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا یا کم از کم وہ تو قطعی نہیں جو کسی نہ کسی طرح سمندر میں کسی ہولناک کیفیت کا شکار رہ چکا ہو۔ رات گزر گئی اور دوسری صبح پوری طرح روشن بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ ہمارے لئے خوشیوں کا پیغام لے آئی۔ دور افق کے سرے پر ہم نے ایک سیاہ لکیر ابھرتی دیکھی تھی اور یہ بھی شبیر خان کی باریک نگاہیں ہی تھیں جس نے اس لکیر کو پہچان لیا تھا۔ اور وہ خوشی سے چیخ اٹھا تھا:

''زمین... زمین... زمین''

سب لوگوں کی نگاہیں اس طرح جمی ہوئی تھیں اور کشتی کو وہاں تک پہنچانے کے لئے چپوؤں کا سہارا لینا بہت ضروری تھا۔ مزدوروں نے چپو سنبھال لئے اور کشتی کا رخ اس طرف ہوگیا۔ زمین آہستہ آہستہ نمایاں واضح ہوتی جا رہی تھی۔ غمزدہ مزدور اپنے ایک ساتھی کی موت سے افسردہ تھے لیکن بہرحال یہی ان کی زندگی تھی۔ لکیر آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی چلی گئی اور آخرکار یہ مشکل ہوگئی۔ جس کے لئے سب کے دلوں میں خوف کا احساس تھا۔

جزیرہ آہستہ آہستہ قریب آتا جا رہا تھا پھر ہم جزیرے کے کچھ اور قریب پہنچے تو یہ دیکھ کر ہم سب پر ہیبت طاری ہوگئی کہ جزیرے کے اردگرد بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور وہاں بہت خوفناک لہریں اٹھ رہی ہیں۔ جو ان چٹانوں سے ٹکرا کر ایک خوفناک شور بلند کرتیں اور پانی کے بادل سینکڑوں فٹ بلندی تک چلے جاتے اگر ہماری یہ لانچ موجوں کی لپیٹ میں آ کر چٹانوں سے ٹکرا گئی تو چند ہی لمحات کے اندر اندر ہمارے اعضاء فضا میں بکھر جائیں گے۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا۔ شبیر خان نے کہا کہ کشتی کو زیادہ قریب نہ لے جایا جائے بلکہ کسی ایک جگہ رک کر پانی میں اتر کر جزیرے تک پہنچا جائے۔ اس بات پر گووندا نے کہا:

''تو کیا کشتی کو سمندر میں چھوڑ دیا جائے گا اور پھر ہم اپنا سازوسامان وہاں تک کیسے لے جائیں گے؟''

''بالکل ٹھیک بات ہے' مسٹر گووندا! لیکن یہ دیکھیں کہ ہم سمندر میں جس طرح بے یارومددگار ہوگئے ہیں' اس کے بعد ہماری زندگیاں خطرے میں ہیں۔ جس طرح جزیرے کے گرد چٹانیں بکھری ہوئی ہیں اور جس طرح موجیں اس کے پاس سر ابھار رہی ہیں اگر کشتی بھی موجوں کی لپیٹ میں آ کر کسی چٹان سے ٹکرا گئی تو کیا ہم میں سے کوئی زندہ بچ سکے گا۔ ان حالات میں ہم اپنے سامان کی فکر کریں یا جزیرے کی زمین پر اتر کر زندگی بچانے کی کوشش کریں؟''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن کیا یہاں آنے کے بعد ہماری واپسی کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں؟''

''یہ تو آنے والے وقت پر منحصر ہے۔''

''اگر اجازت ہو تو میں ایک تجویز پیش کروں؟''

ہنس راج نے کہا۔

''جو سازوسامان ہم کسی بھی طرح ان واٹر پروف تھیلوں میں بھر کر لے جا سکتے ہیں' وہ ہم اپنی پشت پر لاد کے چلیں اور کشتی کو اسی طرح اسی جگہ چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر تقدیر اس جزیرے سے واپسی کی مہلت دے دے تو۔''

''بات اگر تقدیر ہی کی ہے تو یہ کام ہمیں تقدیر ہی کے سپرد کرنا ہوگا۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ہم سمندر کے سینے پر زندہ رہیں۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ خشکی پر زندگی تلاش

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کریں۔ موت اگر آنی ہے تو سمندر کے سینے پر بھی آئے گی اور خشکی پر بھی آ سکتی ہے۔"

شبیر خان نے کہا بہرحال مزدور بے چاروں نے اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں کیا تھا اور وہ صرف ہمارے رحم و کرم پر تھے۔ ویسے بھی بات سمجھ میں آتی تھی۔ کشتی کے انجن مسلسل خراب تھے اور اسے سٹارٹ کر کے کہیں اور بھی نہیں جایا جا سکتا تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ سب سے پہلے ہم اس جزیرے پر اتریں اور یہاں اپنے لئے زندگی تلاش کریں۔ چنانچہ کینوس کے تھیلے سامان سے بھرے گئے اور ہم سب نے انہیں اپنی پیٹھ پر باندھ لیا۔ اس کے علاوہ موٹے موٹے رسے ہم نے اپنی کمر میں کسے اور اس طرح سب ایک دوسرے سے منسلک ہو گئے۔ سب سے آگے شبیر خان تھا جو اس کام کو سرانجام دینے کے لئے سب سے پہلے اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کر رہا تھا۔ میرے دل میں دو تین بار یہ سوال آیا کہ اگر میڈم اس طرح ہمارے درمیان موجود ہے تو کیا ان خطرناک لمحات میں بھی وہ ہماری رہنمائی نہیں کرے گی۔ بات صرف برداشت کی تھی اور اس وقت برداشت کر لینا ہی زیادہ مناسب تھا۔ ورنہ اگر میں چاہتا تو اپنے تینوں ساتھیوں کو جو بہرحال ابھی تک مکمل طور پر واضح نہیں ہو رہے تھے' اس بارے میں بتا سکتا تھا۔ بہرحال اس وقت شبیر خان سب کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور اسے کسی ایسے راستے کی تلاش تھی جہاں سے سمندر کی عظیم الشان موجیں ہمیں سمندر کی چٹانوں سے ٹکرانے سے روک سکیں۔ شبیر خان کی تیز آنکھوں نے ایسی جگہ تلاش کر لی اور اس نے رخ تبدیل کر لیا۔ ہمیں ایک دم یہ احساس ہو گیا تھا کہ شبیر خان اس وقت واقعی ہمارے لئے ایک شاندار شخصیت ثابت ہو رہا ہے۔ سمندری سفر کے دوران اس نے جس طرح شارک مچھلیوں سے سب کی جان بچائی اس کے بعد انجن خراب ہونے کے باوجود اور طوفانی لہروں میں کشتی کے پھنس جانے کے باوجود وہ اپنی مہارت سے کام لے کر ہمیں یہاں تک لے آیا۔ اب اس نے یہ عظیم الشان کام سرانجام دیا اور ایک ایسی جگہ تلاش کر لی جو قدرتی طور پر خشکی تک جانے کا راستہ بن گئی تھی۔ وہ عظیم الشان چٹانوں کے درمیان ایک ایسا درہ سا تھا جہاں پانی تو بے شک جا رہا تھا لیکن اس طرح نہیں کیونکہ تھوڑی سی اونچائی نے پانی کو روک لیا تھا۔ ہم خشکی پر پہنچ گئے اور یہاں پہنچ کر ہم نے زندگی کی جانب نگاہ دوڑائی۔ درحقیقت زندگی کتنی قیمتی چیز ہے؟ اکثر میں ان مہم جوؤں کے بارے

میں سوچتا ہوں جو کبھی پہاڑوں کی چوٹیوں کی جانب رخ کر لیتے ہیں' کبھی جنگلوں اور ریگستانوں کی طرف زندگی سے ہٹ کر موت کی تلاش میں نجانے کون سی چیز ایسی ہوتی ہے جو انہیں اس عمل پر آمادہ کرتی ہے۔ بہرحال اس وقت ہمارے چاروں طرف اونچی اونچی ویران چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے گرد ریتلی زمین نظر آ رہی تھی۔ کافی دور دور تک کوئی درخت یا گھاس وغیرہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ بالکل ویران علاقہ تھا جہاں صرف برہنہ اور بدصورت چٹانوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ ان چٹانوں کا رنگ ہزاروں سال کی نمی سمیٹے ہوئے گہرا سیاہ نظر آ رہا تھا اور انہیں دیکھ کر ایک عجیب سے خوف کا احساس ہوتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ چٹانیں انہیں مضحکہ خیز نگاہوں سے دیکھ رہی ہوں۔ اور ان پر ہنس رہی ہوں۔ یہاں قرب و جوار میں پرندے یا کیڑے مکوڑے بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر چند مقامات پر گہرے' پتھریلے گڑھوں میں بارش کا پانی بھرا ہوا تھا جس سے ناقابل برداشت بدبو اٹھ رہی تھی۔ پانی میں ریت کی اتنی آمیزش تھی کہ شاید کوئی اسے پینے کی کوشش بھی کرے تو کسی طور نہیں کر سکے۔ آخرکار جب ہمیں اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ ہم سب لانچ سے اب اس جزیرے پر منتقل ہو چکے ہیں تو ہم نے آہستہ آہستہ اپنی کمر سے بندھی رسیوں کو کھولا اور ان رسیوں نے بڑا ساتھ دیا تھا۔ زندگی اور موت ایک دوسرے سے منسلک ہو گئی تھیں۔ بہرحال رسیوں کو درمیان سے کاٹ کاٹ کر ان کے لچھے بنائے گئے اور انہیں ہم نے اپنے ساتھ لے لیا۔ کیونکہ ایک آدمی یہ ساری رسی لے کر نہیں چل سکتا۔ ویسے رسی بڑے کام کی چیز ہوتی ہے یہ اندازہ نہیں تھا' ہمیں کہ آگے چل کر ہمیں کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بہرطور یہاں تک آ گئے تھے اور تھکن سے چور چور تھے۔ ویسے سب ہی نے ہمت سے کام لیا تھا ورنہ اس وقت سے جب طوفان نازل ہوا تھا' ہم سب ذہنی اور جسمانی طور پر شدید تھک گئے تھے۔ اب سب سے پہلا کام یہ تھا کہ کوئی مناسب جگہ دیکھ کر آرام کیا جائے اور اس وقت تک سوتے رہیں جب تک کہ نیند پوری نہ ہو جائے۔ ہر شخص اس بات سے اتفاق کر رہا تھا کیونکہ سب ہی کے بدن تھکن سے چور تھے۔ ایک ایسی جگہ تلاش کرنے میں ہمیں زیادہ وقت نہیں لگا۔ سمندر سے کافی دور ہٹ آئے تھے ہم تاکہ پانی کا شدید شور ہماری نیند میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ لیکن نیند بھی عجیب چیز ہے' پانی کا شور کیا اگر بموں کے دھماکے بھی ہو رہے ہوں اور نیند کی اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قدر ضرورت ہو تو نیند آ جاتی ہے۔ چنانچہ اس مناسب جگہ پر لیٹ کر گہری نیند سو گئے اور ایسے سوئے جیسے کبھی نہیں جاگیں گے۔ لیکن زندگی ہوتی ہے تو سارے عمل ہوتے ہیں۔ ہمیں جاگنا پڑا لیکن جب ہم جاگے تو سورج ڈوب چکا تھا اور شام کے ہولناک سائے ان پہاڑی چٹانوں پر اتر آئے تھے۔ یہ چٹانیں ان سایوں میں روپوش ہوگئی تھیں۔ چٹانوں کا رنگ کیونکہ کالا تھا اس لئے تاریکی میں بھی حسن شامل ہوگیا تھا اور اتنی گہری تاریکی پھیل گئی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہم لانچ سے وہ تمام ضروری چیزیں لے آئے تھے جو لا سکتے تھے۔ ان میں روشنی کی چیزیں بھی تھیں لیکن بہرحال ابھی صورتحال کا مکمل طور پر جائزہ لئے بغیر کسی بھی چیز کو استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حالانکہ ایک پراسرار عورت نے ہمیں یہاں تک پہنچایا تھا اور اس کا اندازہ کتنی بار ہوگیا تھا کہ وہ درحقیقت بڑی خطرناک صلاحیتوں کی مالک ہے اور ہر کام کر سکتی ہے لیکن عقل مندی کا تقاضا یہی تھا کہ اس پر مکمل بھروسہ نہ کیا جائے اور اپنے طور پر ہر کام کے لئے تیار اور محتاط رہا جائے۔ چنانچہ ہر چیز احتیاط سے خرچ کرنا مناسب تھا۔ روشنی اسی لئے نہیں جلائی گئی تھی غذا بھی احتیاط سے استعمال کی جا رہی تھی تاکہ کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ رات پرسکون گزر گئی' سمندر کی نم ہواؤں نے بڑی فرحت کا احساس دلایا تھا۔ صبح کو جب ہم جاگے تو سورج بلند ہو چکا تھا اور فضا میں دھوپ پھیلی ہوئی سیاہ چٹانیں بھی اس دھوپ میں چمک گئی تھیں۔ دور بہت دور بلکہ بہت کافی دور ہمیں کوئی سرخ سی شے نظر آئی۔ یہ شے ایک بلند جگہ نظر آ رہی تھی۔ سب سے پہلے شبیر خان نے اسے دیکھا اور اس کے بعد مجھے اس کی جانب متوجہ کیا۔ اس نے پرجوش لہجے میں کہا:

''آپ نے اسے دیکھا میرے خیال میں یہاں انسانی وجود موجود ہے۔''

''کیا ہو سکتا ہے یہ؟''

''کوئی سرخ کپڑا جو فضا میں لہرا رہا ہے۔''

''کیا خیال ہے تمہارا کوئی خاص سوچ ہے؟''

ہاں کوئی خاص بات ہے۔ عموماً ایسے عمل وہ لوگ کرتے ہیں جو کسی طرح مشکلات کا شکار ہو کر کسی جزیرے وغیرہ پر آ پھنستے ہیں۔ یہ کپڑا بھی کسی ایسے سیاح کا ہو سکتا ہے جو یہاں تک پہنچا ہو اور یہاں آ کر پھنس گیا ہو۔''

''تو پھر کیا خیال ہے؟''

''کچھ نہیں دیکھیں گے۔ ہو سکتا ہے کوئی کام کی شخصیت ہی نکل آئے۔ ویسے یقینی طور پر وہ کوئی مصیبت زدہ انسان ہے جس نے مدد کے لئے یہ سرخ کپڑا باندھا ہے۔''

''لیکن ساحل سے اتنی دور؟''

''اب یہ اس کی اپنی عقل ہے کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟''

ہنس راج نے ایک دلچسپ بات کہی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم سب ضروریات سے فراغت حاصل کر کے اس طرف چل پڑے۔ آگے کا راستہ خاصہ دشوار گزار تھا' کہیں شدید پھسلن تھی اور کہیں چٹانیں کھردری مل جاتی تھیں۔ ان میں جگہ جگہ رخنے بھی تھے لیکن ان رخنوں کو عبور کرنا مشکل نہیں ہوا اور ہم طویل سفر کر کے سمندر سے کافی دور ہوگئے۔ اس کے بعد ہم چٹانوں کے سلسلے کے آخری حصے تک پہنچ گئے جہاں سے ریتلی زمین کا سفر شروع ہوتا تھا۔ یہ ریتلی زمین بھی کھردری اور کہیں کہیں چٹانوں سے بھری ہوئی تھی لیکن چٹانوں کے دامن میں ہم نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر ہم ششدر رہ گئے۔ یہاں کئی ٹوٹی پھوٹی کشتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ان کے تختے ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے' ان کشتیوں کے درمیان کہیں کہیں انسانی ڈھانچے بھی نظر آ رہے تھے۔ ہم سب یہ دہشت ناک منظر دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے تھے۔ شبیر خان عجیب سی نگاہوں سے ادھر دیکھتا رہا پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

''کیا خیال ہے نیچے اترنا ہمارے لئے مناسب ہوگا؟''

''میں سمجھا نہیں۔''

میں نے سوال کیا:

''پتا نہیں ان لوگوں کی موت کا سبب کیا ہے لیکن یہ میدان خطرناک تو نہیں ہے اور یہ کشتیاں' آخر یہ کشتیاں یہاں تک کیسے پہنچیں۔ سمندر کے کنارے پر ان کا کوئی وجود نہیں تھا یہاں تک یہ کیسے لائی گئیں؟''

''ممکن ہے کوئی سمندری طوفان انہیں چٹانوں کے اوپر سے اڑا کر انہیں یہاں تک لایا ہو۔'' میں نے کہا۔

''یہ بات بالکل ناقابل یقین ہے۔''

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

''خیر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہمیں دہشت زدہ نہیں ہونا چاہئے۔ آخر تقدیر بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔''

''تو پھر کیا خیال ہے آپ کا نیچے چلیں؟''

''ہاں یہی مناسب ہے اور ویسے بھی ہم رک تو نہیں سکتے۔''

میں نے کہا۔

''مزدور بے چارے تو اپنے ایک ساتھی کی موت سے بالکل ہی مضمحل ہوگئے تھے۔ ویسے اچھے لوگ تھے۔ آخرکار ہم گہرائیوں میں اتر گئے اور اس کے بعد بھوری ریتلی زمین پر پہنچ کر ہم نے ان ٹوٹی ہوئی کشتیوں کو دیکھا' بہت ہی خستہ ہوگئی تھیں۔ اس کے بعد ہم نے انسانی ڈھانچوں کو دیکھا۔ دس بارہ ڈھانچے تھے' تھوڑے فاصلے پر کہیں کہیں خالی کھوپڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ اور ان کے پنجر غائب تھے۔ گویا یہ اضافی حیثیت رکھتی تھیں۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون لوگ تھے اور آخر کیسے حادثے کا شکار ہوئے جن لوگوں کے جسم موجود نہیں تھے' وہ کون تھے اور ان کے جسم کہاں غائب ہوگئے۔ بہرحال منظر دہشت ناک تھا اور اس کی خوفناک حیثیت سے انکار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ ان تمام چیزوں کو نظرانداز کرکے آگے بڑھا جائے کھردری اور ریتلی زمین پر تیز رفتاری سے سفر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ہماری رفتار سست تھی۔ ہم سب نے اپنے اپنے ہتھیار احتیاط سے سنبھالے ہوئے تھے کیونکہ اس وقت یہ ہمارا بہترین سہارا تھے۔ آگے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ پھر تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد چڑھائی شروع ہوگئی۔ جب ہم نے یہ چڑھائی عبور کر لی تو ہمیں پیلے رنگ کی جھاڑیوں کے جھنڈ نظر آئے۔ ایک لمحے کے لئے ہم یہاں رکے اور پھر جھاڑیوں میں داخل ہوگئے۔ لمبی لمبی گھاس تھی جو نرم تھی اور اس کے درمیان سے گزرنے کے لئے ہمیں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی۔ پھر اس کے بعد وہی کھردری زمین اور چٹانیں۔ البتہ یہ چٹانیں یہاں بہت بڑی بڑی تھیں اور کہیں کہیں ان چٹانوں میں سے سوراخ بھی نظر آ رہے تھے اور یہ سوراخ خطرناک بھی ہو سکتے تھے کیونکہ ان میں پہاڑی جانوروں کے پوشیدہ ہونے کا بھی امکان موجود تھا۔ چنانچہ ہم سب محتاط ہوگئے۔ ایک بلندی پر پہنچنے کے بعد ہم نے اس سرخ کپڑے پر نظر ڈالی۔ وہ اب بھی کافی دور نظر آ

رہا تھا۔ البتہ یہاں سے وہ واضح ہوگیا تھا۔ ایک لمبے بانس میں بندھی ہوئی وہ قمیض تھی جسے دیکھ کر ہمیں اندازہ ہوگیا کہ بہرحال یہاں کوئی انسان پہنچا ضرور ہے۔ چاہے اب وہ زندہ ہو یا نہ ہو۔ لیکن یہ بات بھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ جس نے بھی یہ کپڑا باندھا ہے' اس کا مقصد کیا تھا کیونکہ اگر یہ ساحل کے پاس ہوتا تو کسی بھی گزرنے والے جہاز کی توجہ اس پر ہو سکتی تھی۔ اور صحیح معنوں میں اس وقت کسی پھنسے ہوئے انسان کو یا گروہ کو مدد مل سکتی تھی۔ جب کوئی جہاز یہ کپڑا دیکھ لیتا یہاں اس جگہ تو اس کپڑے کے باندھنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں تھا لیکن بہرحال یہ باندھنے والے کا معاملہ تھا۔ اس سلسلے میں ہم لوگ کیا کہہ سکتے تھے۔ البتہ اس پر تبصرہ ضرور ہوتا رہا تھا اور ان تبصروں کے ساتھ ہم آگے بڑھتے رہے تھے۔ آخرکار ہم اس جگہ پہنچ گئے۔ یہ سرخ قمیض ایک بانس میں بندھی تھی لیکن تاحد نگاہ خاموشی اور ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ ہاں! چند گز کے فاصلے پر ایک اور انسانی ڈھانچہ نظر آیا جو خاصہ پرانا معلوم ہوتا تھا۔ اب یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شاید اسی نے قمیض اتار کر لٹکائی ہوگی اور اس کے بعد امداد نہ ملنے پر موت کی نذر ہوگیا ہوگا۔ ہم تھک گئے' اتنا سفر کرنے کے بعد زمین پر بیٹھے تو ایسا محسوس ہوا کہ اب اٹھا ہی نہیں جائے گا۔ چنانچہ باقی وقت یہیں اسی جگہ گزارنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ ویسے بھی کوئی جلدی نہیں تھی۔ جب تک کہ میڈم کی طرف سے کوئی اشارہ نہ ملے۔ یہ تمام لوگ بھی حیرت انگیز طور پر مطمئن نظر آ رہے تھے۔ مطمئن اس انداز میں کہا جا سکتا ہے کہ کوئی خزانے کا تذکرہ نہیں کر رہا تھا اور یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ خزانے کے حصول کے لئے اسے کیا کوشش کرنا ہوگی۔ شام ہوگئی' جگہ جگہ آگ روشن کر لی گئی اور وہ خشک گھاس بہت کام آئی۔ جو جلنے میں بہت ہی عمدہ ہوتی تھی۔ یعنی آہستہ آہستہ جلتی تھی اور جلدی آگ پکڑ لیتی تھی۔ تمام مزدور ایک جگہ جمع تھے اور رات کو کسی حادثے سے نمٹنے کے لئے یہ ہی فیصلہ کیا گیا تھا کہ دو دو افراد جاگ کر اپنی ڈیوٹی انجام دیں۔ حالانکہ حادثے کا کوئی امکان نہیں تھا نہ یہاں انسان نظر آتے تھے نہ جانور دور دور تک پتھریلے میدان پھیلے ہوئے تھے۔ اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف ان چٹانوں میں بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے غاروں سے۔ ممکن ہے ان غاروں میں کچھ ہو۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر ہم سب ایک جگہ جمع ہوگئے۔ کچھ عجیب سی مایوسی ذہن میں گھر کر رہی تھی اور یہ لگتا تھا جیسے یہاں بالکل ہی زندگی موجود نہ ہو یا ہم اگر یہاں کسی خاص مقصد

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے تحت یہاں آئے ہیں تو وہ مقصد پورا نہ ہو۔ اس وقت گووندا نے ایک عجیب و غریب بات کہی:

"ایک بات بتاؤ فرید صاحب! میڈم نے ہمیں باقی تمام ذمہ داریاں دی ہیں اور یہاں بھیج دیا ہے لیکن کیا تم میں سے کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ طوفان کے بعد ہم جس طرف آئے ہیں وہ جگہ ہمارے مطلب کی ہے اور ٹھیک ہے۔ یعنی ہم وہیں پہنچے ہیں جہاں ہمیں آنا چاہئے تھا۔"

ایک لمحے کے اندر میرا دل چاہا فوراً ہی جواب دوں کہ میڈم تو مستقل ہمارے ساتھ موجود ہیں اور ہم بالکل صحیح جگہ آئے ہیں لیکن اس کے بعد مجھ سے سوالات شروع ہو جاتے۔ وہ لوگ اس بات سے خوفزدہ تھے کہ شاید وہ صحیح راستے کھو بیٹھے ہیں۔

"ایک بات میں کہہ سکتا ہوں۔" ہنس راج بولا۔

"کیا؟"

"یہ جگہ دیکھنے کے بعد جہاں تک میرا تجربہ میرا ساتھ دیتا ہے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جہاں ہم لوگ آئے ہیں وہ جگہ غلط نہیں ہے۔ یعنی ہم بالکل صحیح جگہ پہنچے ہیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ہمیں اپنی منزل تک پہنچنے میں کافی وقت صرف کرنا پڑے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ہم صحرائے اعظم افریقہ میں ہیں؟"

"سو فیصدی..."

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

شبیر خان نے کہا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہمیں کتنی دور جانا ہوگا؟ ابھی تک تو ہمارا یہ سفر بے مقصد ہے۔"

"یار کچھ عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔"

"کیا؟"

"کہیں ہم کسی خوفناک جال میں تو نہیں پھنس گئے؟"

"کیسے خوفناک جال کے بارے میں کہتے ہو؟"

جو کوئی الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں وہ برے ضرور ہیں لیکن ان کے وزن سے تم

انکار نہیں کر سکتے۔ کہیں میڈم نے ہمیں غلط راستے پر تو نہیں بھٹکا دیا ہے؟"

اس جملے پر سب خاموش ہو گئے تھے اور دیر تک سوچتے رہے تھے۔ پھر گووندا نے کہا:

"لیکن اس کا امکان نہیں ہے کیونکہ نہ تو میڈم سے ہمارا کوئی اختلاف تھا نہ ہم اس کے لئے کسی طور نقصان دہ ہو سکتے تھے۔"

بہرحال یہ تمام باتیں ہوتی رہیں لیکن میں نے میڈم کے سلسلے میں اپنی زبان بند رکھی تھی۔ کوئی فائدہ نہیں تھا' ان لوگوں سے اس کے بارے میں بتانے کا۔ میڈم خود بھی جو کچھ چاہے گی وہی ہوگا اور اس عورت کو میں اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے ساحل چھوڑنے کے بعد وہ موٹر لانچ باحفاظت ساحل پر آ گئی ہو اور اسے ہماری واپسی کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہو لیکن ایسی باتیں کہہ دینے کا مطلب یہ تھا کہ باقی لوگوں کو مکمل طور سے اپنی جانب متوجہ کر لیا جائے۔ اس سلسلے میں خاموشی ہی زیادہ بہتر تھی۔ میں یہاں تک آ تو گیا تھا پر یہ بھی ایک بڑی سچائی ہے کہ کبھی کبھی غور کرتا تو خوف کا احساس ہوتا تھا۔ میڈم نے جو کہانی سنائی تھی وہ بڑی سنسنی خیز تھی اور ایسی صورت میں ہماری واپسی کے لئے کیا امکانات ہو سکتے تھے۔ یہ میں نہیں جانتا تھا۔ ویسے درحقیقت صحرائے اعظم کے خزانوں کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ اگر میڈم کا کام اس کی مرضی کے مطابق ہو جاتا ہے تو ان لوگوں کا تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یعنی انہیں خزانہ مل جائے گا۔ واپسی کی ذمہ داری ان کی ہوگی کہ یہ کیا کرتے ہیں یا کیا نہیں کرتے۔ میرا مسئلہ بھی تقریباً حل ہی ہو جاتا۔ اب کیسے حل ہوتا اس بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ میڈم نے مجھے سحر زدہ کر دیا تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ میں اس کے ساتھ اس قدر بھرپور تعاون کے لئے کیوں تیار ہو گیا ہوں۔ معمول کے مطابق ہم لوگ گہری نیند سو گئے پھر اس وقت آنکھ کھلی تھی جب ایک ہلکا سا شور کانوں میں گونجا تھا۔ اس وقت دو مزدور پہرہ دے رہے تھے اور رات کا غالباً دوسرا پہر تھا۔ مزدور کسی کو پکڑے ہوئے تھے اور جسے وہ پکڑے ہوئے تھے وہ ان کے قبضے سے نکلنے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ میں نے دل میں سوچا۔ سب ہی جاگ گئے تھے۔ مزدوروں نے جس شخص کو پکڑا تھا وہ سفید نسل کا ایک آدمی تھا۔ بالکل بے لباس تھا' داڑھی بے تحاشہ بڑھی ہوئی تھی' بال بکھرے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوئے تھے' بدن پر مٹی اٹی ہوئی تھی' مزدوروں نے اسے زخمی کر دیا تھا اور اس کے داہنے شانے سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے علاوہ چہرے پر بھی ایک دو جگہ خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ اس نے کوئی چیز دبوچی ہوئی تھی' مزدور اسے چھیننے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ کسی خونخوار درندے کی طرح حلق سے آوازیں نکال نکال کر اپنے آپ کو ان سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ البتہ اس نے مزدوروں سے مقابلہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی' بس بھاگ رہا تھا۔ ہنس راج نے فوراً ہی ایک ترکیب کی' اپنی جگہ سے دوڑا اور ایک رسی کا لچھا اٹھا لیا۔ مزدور اب بھی اس شخص کو پکڑے ہوئے تھے۔ ہنس راج نے رسی سے اس کے پاؤں کس دیئے اور رسی کو ایک وزنی پتھر کے ساتھ لپیٹ دیا۔ اس کے بعد اس نے مزدوروں سے کہا:

"ٹھیک ہے ہٹ جاؤ' اور اب مجھے بتاؤ کہ واقعہ کیا ہوا تھا؟"

"صاحب! ہم پہرہ دے رہے تھے' ذرا سی آنکھ جھپک گئی تھی کہ ہم نے کچھ کھڑ بڑ کی آواز سنی اور پھر اس ننگے آدمی کو دیکھا۔ یہ کچھ لے کر بھاگ رہا تھا۔"

"اب دیکھو کیا ہے اس کے پاس؟"

ہنس راج بولا۔ اس نے جو کوشش کی تھی' بالکل مناسب تھی اس کے بعد اس شخص کی جدوجہد ختم ہوگئی تھی۔ اچانک ہی اس نے کچھ کرنا شروع کر دیا جو چیز اس نے اپنے ہاتھ میں دبوچی ہوئی تھی' اسے اس نے منہ کے قریب کیا اور اس پر لمبے لمبے منہ مارنے لگا۔ تب میں نے دیکھا کہ جو چیز وہ لے کر بھاگا تھا' وہ ایک ڈبل روٹی تھی۔ وہ کاغذ میں لپٹی ہوئی تھی اور اس سفید وحشی نے اسے کاغذ سمیت ہی کھانا شروع کر دیا تھا۔ صورتحال نہ صرف میری سمجھ میں بلکہ سب ہی کی سمجھ میں آ گئی۔ غالباً یہ وہی شخص تھا جس نے امداد کے لئے اپنی سرخ قمیض اس بانس نما کپڑے میں باندھ کر ٹانگ دی تھی۔ وہ بھوک سے دیوانہ ہوگیا تھا اور اس وقت روٹی چرا کر بھاگ رہا تھا جبکہ مزدور نہ سمجھے۔ بہرحال میں نے اب اپنے اختیارات سے کام لے کر کہا:

"تمام لوگ پرسکون ہو جاؤ۔ اسے کچھ نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کی جائے' بھوکا ہے یہ بے چارہ۔ روٹی کھا رہا ہے' کھانے دو۔ ہوسکتا ہے اس کا ذہنی توازن بھی درست نہ ہو۔ اگر ہم ایسی حالت میں اس سے روٹی چھیننے کی کوشش کریں گے یا اس کے

پاس جا کر اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش کریں گے تو ہوسکتا ہے یہ غلط سمجھے۔ کھانے دو اسے... کھانے دو۔"

بہرحال تھوڑی دیر کے بعد اس نے پوری روٹی کاغذ سمیت چٹ کر دی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ فوراً ہی اسے پانی پیش کیا گیا تھا۔ پانی کا پیالہ اس نے دونوں ہاتھوں میں لے کر اس نے منہ سے لگایا اور اسے پی گیا پھر اس کی آنکھوں میں ممنوعیت کے آثار نظر آئے اور اس نے بڑے نرم لہجے میں کہا:

"میں آپ لوگوں کا بے حد شکرگزار ہوں۔"

اسے بولتے ہوئے دیکھ کر سب ہی کو حیرت ہوئی لیکن بہرحال یہ اندازہ تو ہوگیا تھا کہ مہذب دنیا کا ہی کوئی فرد ہے۔ اس نے ایک بار پھر کہا:

"مجھے سہارا دو' لٹا دو۔ بہت عرصے کے بعد میرے معدے میں وزن ہوا ہے۔ میرے اعضاء میرا ساتھ نہیں دے رہے۔"

چنانچہ انہیں لٹا دیا گیا۔ ہم تینوں اس کے پاس بیٹھ گئے تھے۔ میں نے نرم لہجے میں کہا:

"مجھے افسوس ہے کہ غلط فہمی کی بنا پر تم ہمارے آدمیوں کے ہاتھوں زخمی ہوگئے۔"

"نہیں کوئی ایسا زخمی نہیں ہوں' میں ٹھیک ہوں۔"

اس نے کہا۔

"کیا تمہارے علاوہ یہاں اور کوئی بھی ہے؟ میرا مطلب ہے تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی؟"

میں نے سوال کیا۔

"نہیں' اب میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ ایک بات کہوں؟ انسان بڑی عجیب چیز ہے۔ اس کی ایک ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو دوسری ضرورت کے لئے وہ دیوانہ ہو جاتا ہے۔"

"کہو کیا بات ہے؟"

"کسی کے پاس سگریٹ ہوگی؟"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ہاں! ہے۔۔۔"

"تو مجھے ایک سگریٹ دو' بس اور کچھ نہیں چاہئے مجھے۔"

سگریٹ گووندا کے پاس تھی' اس نے پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ نکالی اور اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے سگریٹ لرزتے ہاتھوں سے پکڑی' ہونٹوں سے لگائی اور اسے جلا کر اس کے کش لینے لگا۔ گووندا نے لائٹر جیب میں ڈالا' وہ لمبے لمبے کش کھینچ رہا تھا اور اس کی نگاہیں باری باری ہم سب کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ پھر اس نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا:

"ہیرے' سونا' ہاتھی دانت یا وہ خزانے جو صحرائے اعظم کی کشش ہیں' کیا لینے آئے ہو تم یہاں؟"

"نہیں ہمارا جہاز حادثے کا شکار ہو گیا تھا اور ہم ایک لانچ لے کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ کیا یہ افریقہ ہی کا کوئی جزیرہ ہے؟"

میں نے سوال کیا۔

"جزیرہ؟ یہ جزیرہ تو نہیں ہے۔ یہ تو صحرائے اعظم افریقہ کا ایک ساحل ہے۔"

"اوہ! گویا ہم یہاں سے افریقہ کے اندرونی علاقوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔"

میں نے پوچھا۔

"اندرونی علاقے؟"

وہ حیرت بھری نگاہوں سے ہمیں دیکھ کر بولا۔

"یہ افریقہ کا اندرونی علاقہ ہی ہے۔ میرے دوستو! تم کس خیال میں پھنسے ہوئے ہو؟"

"نہیں' یقینی طور پر ہم اس جگہ سے ناواقف ہیں۔ ویسے تم یہاں کب سے ہو؟"

"میرا خیال ہے مجھے ایک سال سے زیادہ ہو گیا۔"

اس نے جواب دیا۔

"بالکل تنہا ہو؟"

میں نے پوچھا۔

"ہاں تنہا یہ ویرانے میرے علاوہ اور کسی کو پہچانتے بھی نہیں' یہاں کوئی جاندار نہیں یہاں دور دور تک کوئی جاندار نہیں ہے۔"

"تو پھر زندگی کس طرح گزارتے رہے ہو اس دوران؟"

میں نے فوراً ہی سوال کیا۔

"قدرت نے انسانوں کو زندگی دی ہے تو اس کے لئے ہر جگہ رزق بھی مہیا کر دیا ہے لیکن میں یہاں سے باہر نہیں جا سکتا۔ ساحل سمندر کی چٹانوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے سوراخوں میں مچھلیاں آ پھنستی ہیں اور وہی میری زندگی کا باعث بنتی ہیں۔ جب تک زندگی ہے' جی رہا ہوں اور جس دن موت آئے وہ دن نجات کا دن ہوگا۔"

"تم اچھے خاصے توانا آدمی ہو' مایوس ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ ویسے اپنے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔ یہاں کیسے آ پھنسے؟"

"کوئی نئی کہانی نہیں ہے۔ ایک ایرانی جہاز پر سیکنڈ آفیسر تھا' جہاز تباہ ہو گیا' آگ لگ گئی تھی۔ اس میں بہت سے لوگوں نے زندگیاں بچانے کے لئے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ میں بھی ان میں سے ایک تھا اور پھر زندگی سمندر کی لہروں کے دوش پر گھسیٹتی ہوئی یہاں تک لے آئی۔ اس تنہا اور ویران علاقے میں میں نے زندہ رہنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ یہاں سے نکلنے کی بہت کوششیں کیں لیکن آگے کا ماحول بہت خوفناک ہے۔ عظیم الشان دلدلیں پھیلی ہوئی ہیں۔ جو زندہ ہیں اور ہر جاندار کو ہڑپ کرنے کے انتظار میں آنکھیں بچھائے رہتی ہیں۔ ہولناک جنگل ہے جس میں وحشی درندے بستے ہیں۔ ان جنگلوں کو عبور کرنا مشکل ہے۔ بائیں سمت دلدلی خطے کو چھوڑ کر بائیں سمت سفر کیا جائے تو خوفناک درندے منتظر رہتے ہیں اور دائیں سمت چھوڑ کر بائیں سمت سفر کرو تو ان دلدلوں میں پڑی ہوئی پگڈنڈیوں سے گزرنا ناممکن ہے۔ کئی بار دل چاہا کہ خوفناک دلدلوں میں کود کر جان دے دوں لیکن زندگی بڑی منحوس چیز ہوتی ہے۔ ایسا نہیں کر سکا۔ آخر کار یہی ساحل پر آ کر موت کے انتظار میں زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا۔"

"یہ سرخ قمیض تمہاری ہی ہے؟"

"ہاں! یہ میری ہی کوشش تھی' پہلے میں نے یہ کپڑا سمندر کے کنارے پر لگایا تھا لیکن تیز ہوا اسے بار بار سمندر میں لے جاتی تھی۔ چنانچہ میں نے اسے وہاں سے ہٹا کر یہاں اس جگہ لگا دیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ کوئی اس طرف آ جائے گا لیکن تم' تم یہ بتاؤ کہ تم زندہ سلامت یہاں تک کیسے پہنچے؟ یہ چٹانیں تو بہت ہولناک ہیں' بہت سی کشتیاں جو

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سمندری جہازوں سے بچ کر یہاں پہنچیں ان چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئیں۔ سمندری طوفان ان کشتیوں کو نجانے کہاں کہاں لے جاتا ہے اور اس میں سوار آدمی زندہ نہیں بچتے۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ! ارے ہاں! تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔"

"ویڈر ہے نام' ویڈر۔"

"مسٹر ویڈر! ہم نے چند کشتیاں چٹانوں کے اس طرف دیکھی ہیں' یہ یہاں تک کیسے پہنچیں؟"

"تم کیا سمجھتے ہو سمندر کا پانی ایک خاص موسم ان چٹانوں کو عبور کر لیتا ہے اور اس ریتلی زمین تک پہنچ جاتا ہے۔ کشتیاں با آسانی ان چٹانوں سے گزر کر یہاں تک آ جاتی ہیں۔"

"خدا کی پناہ! اتنی بلندیاں طے کر لیتی ہیں۔"

"ہاں! بہت دور دور تک سمندری پانی ہوتا ہے جس جگہ تم اس وقت بیٹھے ہو یہاں بھی پانی بھر جاتا ہے۔"

سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ سمندری لہروں کا یہ خوفناک کارنامہ ہمارے لئے بہت تعجب خیز تھا چونکہ بلند و بالا چٹانوں کو عبور کر کے سمندر اگر یہاں تک پہنچ جاتا ہے تو بہت بڑی بات ہے۔ بہرحال ویڈر سے ہمیں کافی معلومات حاصل ہوئیں اور اچانک ہی مجھے اس کی بے لباسی کا خیال آیا۔ چنانچہ اسے ایک لباس دیا گیا اور اس کے بعد کافی دیر تک اس سے باتیں ہوتی رہیں۔ ویڈر تھوڑی سی لنگڑاہٹ کا شکار تھا' باقی اس کا پورا وجود بڑا توانا تھا۔ اور حیرت ہوتی تھی کہ اس خراب ماحول میں بھی وہ اتنا تندرست ہے۔ بہرحال ان باتوں کو نظرانداز کر کے ہم نے اس سے کہا:

"مسٹر ویڈر! کیا تم اندرونی راستوں پر سفر کرنے میں ہماری مدد کر سکتے ہو؟"

اس نے تعجب بھری نگاہوں سے ہمیں دیکھا' پھر بولا:

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ آخر تم ان خوفناک چٹانوں سے بچ کر یہاں آ کیسے گئے؟"

پوری تفصیل سننے کے بعد اس نے گردن ہلائی اور پھر بولا:

"تم لوگ جس قدر ذہین ہو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم واقعی آگے کا سفر با آسانی کر سکتے ہو اور بہرحال اس سلسلے میں میرے ذہن میں بھی بہت سے خیالات ہیں مگر کیا کروں؟ اچھا یہ بتاؤ کیا تم لوگوں کے پاس آتشیں ہتھیار ہیں' میرا مطلب ہے پستول اور رائفل وغیرہ۔"

"ہم افریقہ کے اندرونی علاقوں میں مہم کے لئے نکلے تھے اور پوری طرح ہوشیار تھے' پروگرام یہی تھا کہ افریقہ کے کسی ساحل پر نکلیں بہرحال ہمارا جہاز تباہ ہوگیا اور ہم لانچ کے ذریعے یہاں تک آ گئے۔ تھوڑا بہت امونیشن ہمارے پاس موجود ہے۔ بس سمجھ لو اسی سے کام چلا رہے ہیں۔"

بہرحال وہ ہمیں دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا:

"ظاہر ہے یہاں کی روایات تمہارے ذہن میں ہوں گی۔ بہرحال اگر تم میرا ساتھ چاہتے ہو تو مجھے اس سے انکار نہیں ہے۔ میں تمہیں ان جنگلوں کی سمت لے جاؤں گا۔ اگر تم زندہ بچ گئے تو شاید میری بھی جان بچ جائے۔ ورنہ میں تو یہاں موت ہی کا انتظار کر رہا تھا۔"

"بے فکر رہو' ہم تمہارا پورا خیال رکھیں گے۔"

میں نے کہا اور وہ مطمئن نظر آنے لگا۔ پھر ہم لوگوں نے آرام کرنے کا مسئلہ حل کیا اور اس کے بعد قریب قریب لیٹ گئے' زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ گودندا کھسکتا ہوا میرے پاس پہنچا۔ اس نے آہستہ سے کہا:

"ایک بات کہوں فرید صاحب! یہ شخص مجھے مشکوک نظر آتا ہے۔ نجانے کیوں میری چھٹی حس مجھے یہ احساس دلا رہی ہے۔ کہ یہ کوئی گڑبڑ شخصیت ہے اور اس کے علاوہ کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جن سے میرے خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"آپ اس کی تندرستی دیکھ رہے ہیں' ایسے حالات میں تو اسے نیم دیوانہ اور ہوش و حواس سے عاری ہونا چاہئے تھا۔"

"بعض لوگ انتہائی مضبوط قوت ارادی کے مالک ہوتے ہیں' ممکن ہے یہ اپنی قوت ارادی سے اپنے آپ کو بہتر حالت میں رکھے ہوئے ہو اور پھر اگر یہ تھوڑا بہت غلط

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بھی ہے تو زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا ہے؟ ویسے بھی تنہا ہے' کوئی خطرے کی بات نہیں ہے۔ بہرحال اس کے بعد کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ دوسری صبح کافی دیر سے آنکھ کھلی۔ ویڈر جاگ رہا تھا اور ایک چٹان سے ٹیک لگائے خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ ہم سب اپنے اپنے معمولات میں مصروف ہوگئے۔ میں نے اس سے خیریت پوچھی تو وہ مسکرا کر بولا:

"تمہارا بے حد شکریہ' میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔"

"ہمارے ساتھ سفر کے لئے تیار ہو؟"

"کیوں نہیں؟ بھلا میرا کیا بگڑتا ہے۔ میں تو ان حالات میں زندگی گزارنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ ہر قسم کی تکلیف کا احساس میرے ذہن سے نکل چکا ہے۔"

میں نے اس وقت گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تھا' اس کے چہرے پر ایک سختی سی تھی۔ بظاہر اس کا لہجہ نرم ہوتا تھا لیکن چہرے کی سختی سے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ نہ صرف مضبوط قوت ارادی کا مالک بلکہ ایک سنگدل شخص ہے۔ بہرحال اس کے بعد ضروری تیاریاں کی گئیں اور پھر ہم نے سفر کا آغاز کر دیا۔ ویڈر نے بتایا کہ اس نے دور دور تک کے علاقے دیکھ رکھے ہیں اور ان علاقوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانتا ہے۔ ایک بار پھر اس نے ہم سے ہمارے سفر کی وجہ پوچھی تھی۔ تو میں نے اسے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویڈر انسان ازل سے ایک ہی چیز کے لئے سرگرداں رہا ہے اور وہ ہے دولت' دولت کے حصول کے لئے زندگی ہمیشہ داؤ پر لگائی جاتی رہی ہے اور اس وقت بھی ایسی ہی بات ہے۔ ہم سب ایک خزانے کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ اور سب کا ایک ہی نظریہ ہے' خزانے کا حصول۔ ویڈر ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا تھا لیکن مجھے اندازہ ہوا تھا کہ وہ کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا ہے۔ لازمی امر تھا کہ اس خزانے کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہے جس کی تلاش میں ہم لوگ نکلے ہیں۔ کہ کیا ایسا کوئی خزانہ ہمارے علم میں ہے یا ہمارے پاس اس کا کوئی نقشہ موجود ہے لیکن یہ سب کچھ پوچھنے اور بتانے والی باتیں نہیں ہیں۔ اس لئے وہ خاموش ہوگیا تھا۔ وقت گزرتا رہا' سفر جاری رہا اور اب اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ ویڈر نے بتایا کہ یہ جگہ بلندی پر ہے لیکن بلندی کچھ اس طرح کی ہے

کہ محسوس نہیں ہوتی اور یوں لگتا ہے کہ سیدھا راستہ دور تک چلا گیا ہو لیکن تھوڑی دور جانے کے بعد ڈھلان شروع ہو جاتے ہیں اور ان ڈھلانوں میں ہی دلدلیں اور جنگل بکھرے ہوئے ہیں۔ سورج کے ساتھ ساتھ ہمارا سفر جاری رہا۔ ہم میں سے کوئی بھی یہ سفر ختم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ جب تک کہ شام نہ ہو جائے اور ایسا ہی کیا گیا۔ سفر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی لیکن ہم اتنی دور نکل آئے تھے کہ اب سمندر کا نام و نشان بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کوئی آواز بھی ہمارے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ غالباً ہم نے آٹھ یا دس میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ پھر جس وقت شام ہوئی تو ہم نے ان بلندیوں پر سے ڈھلان دیکھے۔ یہ ڈھلان ناقابل عبور نہیں تھے اور ان کی دوسری جانب جنگل پھیلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ بائیں سمت کافی دور ہٹنے کے بعد سپاٹ سے میدان تھے۔ جہاں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ یقیناً یہ دلدلیں تھیں' دھواں چھوڑتی دلدلیں جس قدر خوفناک ہوتی ہیں' ان کا تصور بھی انسان کے لئے مشکل ہے۔ ان دلدلوں کے نیچے گندھک کے پہاڑ ہوتے ہیں' آتش فشاں ہوتے ہیں اور بعض جگہ یہ اتنی کھولتی ہوتی ہیں کہ اگر کوئی جاندار اس میں گر پڑے تو جھلس کر رہ جائے۔ بہرطور ہمیں دلدلوں کا رخ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی' جنگل بے شک گھنے ضرور تھے لیکن ہماری تعداد اتنی تھی کہ ان گھنے جنگلوں میں ہم اپنے بچاؤ کا انتظام کرتے ہوئے سفر کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ سفر ہمیں مشکل نہ محسوس ہوا۔ البتہ ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ رات کو ہمیں قیام کرنا پڑے گا اور کل دن کی روشنی میں ان ڈھلانوں کو عبور کر کے جنگل میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ آج کے قیام کے لئے بہتر جگہ کا انتخاب کیا جانے لگا۔ یہاں دور دور تک ویسی ہی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں جیسی ہم پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ ان چٹانوں میں زیادہ غار تو نظر نہیں آ رہے تھے لیکن کہیں کہیں وہ کھوکھلی محسوس ہوتی تھیں۔ ہم نے ایک میدان منتخب کر لیا۔ اور اس میں پڑاؤ ڈال لیا۔ آج ہمارے پاس جلانے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ لیکن اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بس یہ احساس تھا کہ جنگل کی سمت سے جنگلی جانور اس طرف آ سکتے ہیں۔ ویڈر سے اس سلسلے میں سوال کیا تو اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا:

"ہاں! یہاں جنگل کے درندے موجود ہیں لیکن ان ڈھلانوں کو عبور کر کے وہ کبھی چٹانوں تک نہیں آتے۔ آج تک میں نے کسی درندے کو اوپر آتے ہوئے نہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دیکھا۔"

"وجہ...؟"

میں نے سوال کیا۔

"خدا جانے میں نہیں کہہ سکتا لیکن کوئی درندہ جنگل کو عبور کر کے اوپر تک نہیں آتا۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے یہاں کسی جاندار کی موجودگی کا شبہ بھی نہیں ہوگا۔"

"شاید یہی بات تمہیں بھی محفوظ رکھے ہوئے ہے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا:

"پتا نہیں کون سی بات مجھے محفوظ رکھے ہوئے ہے؟"

وہ آہستہ سے بولا اور ہم لوگ آرام کرنے لگے پھر وہ رات کا نجانے کونسا پہر تھا اور یقینی طور پر شدید گہری نیند سویا ہوا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ کسی نے مجھے زور زور سے جھنجھوڑ کر جگایا تھا۔ میں نے جاگ کر اردگرد کے ماحول کو دیکھا' قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں تھا۔ بس ایک عجیب سی سنسناہٹ فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ تب سب کو نیند میں ڈوبا ہوا پایا۔ وہ سب گہری نیند سو رہے تھے۔ جن پہرے داروں کو پہرے کی ڈیوٹی پر مقرر کیا گیا تھا۔ وہ بھی گھٹنوں میں سر دیئے بے خبر سو رہے تھے۔ مجھے پورا پورا احساس تھا کہ ضرور مجھے کسی نے جھنجھوڑا ہے لیکن کون اور اسی وقت مجھے ایک سایہ سا نظر آیا جو پتھر کی ایک چٹان کے پیچھے سے نمودار ہوا تھا۔ میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور پتھر ستاروں کی مدھم روشنی میں میں نے صاف محسوس کیا کہ وہ سایہ ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنی طرف بلا رہا ہے۔ ایک لمحے تک تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ذہن نیند کا شکار تھا لیکن پھر موجودہ حالات کا تصور کر کے فوراً ہی میں سنبھل گیا۔ ایک بار پھر میں نے اپنے اطراف میں نگاہ ڈالی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پتا نہیں یہ کس کا سایہ تھا۔ کون تھا اور مجھ سے کیا چاہتا تھا۔ بہرحال آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس چٹان تک پہنچ گیا جہاں سائے کی موجودگی کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ اگر نیند کا عالم نہ ہوتا تو لازمی بات تھی کہ میں اس سائے کو دیکھ کر فوراً ہی درگا دیوی کے بارے میں سوچتا۔ لیکن بہرحال جب میں قریب پہنچا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ درگا دیوی ہی ہیں۔ درگا دیوی کو دیکھ کر میں

ایک دم سنبھل گیا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر ایک مایوسی سی نظر آ رہی تھی۔ میرے کچھ بولنے سے پہلے اس نے کہا:

"اصل میں فرید! وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ ہم اس وقت کسی تفصیل میں نہ پڑیں۔ نہ تم مجھ سے یہ پوچھو کہ میں کس صورتحال کا شکار ہوں اور یہاں تک کیسے پہنچی یا یہ کہ اس جگہ اترنے کے بعد کیا صورتحال پیش آئی۔ تھوڑا سا تم مجھے لانچ کے کیبن وغیرہ میں دیکھ چکے ہو۔ اصل میں فرید صورتحال میری توقع کے برخلاف رہی۔ مجھے اس بات کی امید نہیں تھی کہ کچھ پراسرار قوتیں اس طرح ہمارے ساتھ سفر کریں گی اور ہر لحہ ہم پر نگاہ رکھیں گی۔ نہ صرف نگاہ رکھیں گی بلکہ ہمارا راستہ روکنے کی کوشش بھی کریں گی۔ اس سارے سفر کے دوران ایسا ہی ہوا ہے۔ ہمیں ہر طرح سے اپنی منزل کی جانب بڑھنے سے روکا گیا ہے۔ اور میں جانتی ہوں کہ وہ قوتیں کون ہیں؟ بہرحال انسان ہوں دھوکا کھا گئی۔ امید نہیں تھی اس بات کی کہ اس طرح میرے راستوں میں رکاوٹیں ڈالی جائیں گی۔ لیکن خیر یہ میری زندگی کا سب سے بڑا مشن ہے۔ تمہارے بارے میں بھی میں اتنا کہہ سکتی ہوں کہ تم نے جس طرح بھی زندگی گزاری ہو وہ ایک الگ بات ہے۔ لیکن میرے اس مقصد کی تکمیل کے بعد تمہیں جو فائدے حاصل ہوں گے ان کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اصل میں یہ الفاظ میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ تمہیں وہ سہولتیں حاصل نہیں رہیں جو میں نے تمہارے لئے متعین کی تھیں۔ بلکہ انتہائی مشکلات کا شکار ہو کر تم یہاں تک پہنچے اور سچی بات تو یہ ہے کہ اب تک کے سفر میں تمہاری اپنی ذاتی جدوجہد ہی شامل رہی۔ نہ صرف تمہاری بلکہ ان تینوں کی بھی۔ میری مراد نس راج وغیرہ سے ہے۔ میں ان سے کبھی براہ راست مخاطب نہیں ہوں گی کیونکہ صورتحال مجھے اس کی اجازت نہیں دیتی لیکن تمہارے ذریعے یہ پیغام میں ان کو دینا چاہتی ہوں۔ ان سے کہہ دینا کہ ہم زندہ سلامت واپس جائیں گے۔ وہ حاصل ہو جائے گا جن کے لئے یہاں تک کا سفر کیا گیا ہے اور انہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے نہ صرف وہ سب کچھ بلکہ اسے آگے بھی اتنا کہ وہ لوگ خواب و خیال میں بھی نہ سوچ سکیں۔ زندگی میں ایک ہی داؤ لگائیں گے۔ وہ داؤ انہیں پوری زندگی کے لئے ہر طرح فکروں سے آزاد کر دے گا۔"

"میڈم یہ ساری باتیں تو اب پرانی ہو گئیں' ہم خلوص کے ساتھ آپ کے مشن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے لئے کام کر رہے ہیں اور کرتے رہنا چاہتے ہیں۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا ہماری بات؟"

"یہ حقیقت ہے کہ میں اپنی خوش قسمتی پر فخر کرتی ہوں کہ مجھے تم جیسے ساتھی مل گئے ہیں۔ تکلیفیں تو زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔ ہوا یوں ہے کہ میرا ایک دشمن میرے ساتھ تھا' وہ میرا قیدی تھا اور میں نے اسے جس طرح اپنے قابو میں رکھا تھا تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ ان علاقوں کا بہت بڑا وچ ڈاکٹر ہے اور مجھے امید نہیں تھی کہ یہاں آ کر اسے اچانک اتنی قوتیں مل جائیں گی۔ وہ میرے قبضے میں تھا لیکن فرار ہوگیا۔ اور یقین کرو اس کے فرار میں میری کوئی کوتاہی شامل نہیں تھی۔ بلکہ شاید اس نے یہ پلاننگ کی تھی اور میں اس پلاننگ کو سمجھ نہیں سکی۔"

میرے پورے جسم میں ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔ بات سو فیصدی پروفیسر زموکا کی ہو رہی تھی۔ درگا دیوی مجھے اس کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں بتانا چاہتی تھی لیکن یہ اس کا اپنا مسئلہ تھا' نہیں بتانا چاہتی نہ سہی لیکن میں اصل صورتحال سمجھ گیا تھا۔ میں نے کہا:

"تو آپ کے اس دشمن کے فرار کے بعد آپ کے اپنے مقصد میں کچھ دشواریاں پیدا ہوسکتی ہیں۔"

"شدید دشواریاں بلکہ یوں سمجھ لو کہ اس کے فرار سے میرا ایک بہت بڑا منصوبہ ناکام ہوگیا ہے۔ ناصرف منصوبہ ناکام ہوگیا ہے بلکہ ہوسکتا ہے ہمارے راستے کی رکاوٹیں بڑھ جائیں۔ ہوسکتا ہے ہمیں بہت سے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑے۔ بس ایک بات کہنا چاہتی ہوں تم سے ان حالات کا مقابلہ کرنا اور خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرنا۔ آخرکار ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے۔ میں نے تمہیں ہوشیار کرنے کے لئے یہ خطرہ مول لیا ہے۔ اپنے آپ کو حالات سے بالکل بے خبر کر لینا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہنا۔ میری مداخلت جس وقت ضروری ہوگی' میں مداخلت کروں گی۔ ورنہ تم سے فاصلہ اختیار کئے رکھوں گی۔ ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے میڈم! ایک بات اور بتا دیجئے کہ آپ سے اس ملاقات کا تذکرہ میں ان لوگوں سے کروں؟"

"یہ بتاؤ مزدوروں کی کیا کیفیت ہے۔ وہ بد دل تو نہیں ہوئے؟"

"نہیں! بہت ہی نفیس لوگ ہیں۔ حالانکہ ان کا ایک ساتھی کم ہوگیا ہے لیکن صبر

کئے ہوئے ہیں۔"

"ہاں! وہ میرے ہی ہاتھوں مارا گیا ہے' میں برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ وہ اس طرح اس کیبن میں داخل ہو کر میرے ذاتی معاملات میں مداخلت کرے۔ بس ہوگئی گڑ بڑ جو ہونا تھا' وہ ہوگیا کیا کیا جائے۔"

"اوکے میڈم! اور کوئی حکم میرے لئے۔"

"نہیں میرا خیال ہے تم مطمئن ہوگئے ہوگے' اب میں چلتی ہوں۔"

اس نے کہا اور پہلی بار میں نے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔ کیا ہے یہ عورت آخر کیا چاہتی ہے لیکن بہرحال انسان کی خواہشات بھی عجیب و غریب ہوتی ہیں۔ بہت کچھ مل جانے کے بعد کچھ اور کی طلب میں وہ زندگی کھو دیتا ہے۔ درگا دیوی ویسے ہی کیا کم حیثیت کی مالک تھی لیکن اور کی خواہش رکھتی تھی اور یہ شائد اس کی زندگی کا اختتام بن سکتا تھا' وہ جانے اور اس کا کام۔ اس نے مجھے واپس بھیجا اور خود وہیں کھڑی رہی۔ میں وہاں سے واپس چل پڑا اور یہ بھی صرف اتفاق تھا کہ میں نے تھوڑی دور جانے کے بعد پلٹ کر دیکھ لیا۔ وہ اسی ٹیلے پر چڑھ رہی تھی جس سے برآمد ہو کر اس نے مجھے طلب کیا تھا۔ اس کی پشت میری جانب تھی' اس لئے وہ مجھے نہیں دیکھ سکی تھی۔ لیکن میں نے اسے دیکھ لیا' ٹیلے کے سرے پر پہنچنے کے بعد اچانک ہی اس نے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے اور ایک بار پھر میرا سر چکرا کر رہ گیا۔ وہ اسی طرح فضا میں پرواز کرتی ہوئی دور نکل گئی تھی۔ جس طرح میں نے اسے پہلی بار اس کی رہائش گاہ میں دیکھا تھا۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی اور اس کا لباس ہوا میں اڑ رہا تھا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ ایک سیاہ نقطے کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ میں نے ٹھنڈی سانس بھری اور واپسی کے لئے پلٹ پڑا پھر میں اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر لیٹ گیا تھا' دوسری صبح ناشتے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں نے ہنس راج' گووندا اور شبیر خان کو اس بارے میں تمام تفصیلات بتائیں اور بتایا کہ میڈم رات کو اس طرح مجھ سے ملی تھیں اور اس نے ان لوگوں کے لئے پیغام دیا ہے۔ شبیر خان نے مدھم لہجے میں کہا کہ جو کچھ بھی ہوگا' دیکھا جائے گا۔ کیا کر سکتے ہیں جہاں تک میڈم کا معاملہ ہے تو اس بات کے تو سو فیصدی امکانات تھے کہ وہ ہمارے قرب و جوار میں ہی موجود ہے اور اسے تلاش کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی لیکن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اسے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال مزدوروں کی ہمت بھی قابل داد تھی' ایک بار بھی ان کے چہرے پر کوئی تھکن نہیں آئی تھی۔ سوائے اپنے ساتھی کی گمشدگی کے جس سے وہ خاصے بددل ہوئے تھے اور اب اس قدر خوشگوار موڈ میں نظر نہیں آتے تھے۔ یہ دن بھی پورا دن سفر کیا گیا۔ ویڈر بھی ہمارے ساتھ ہر طرح سے تعاون کر رہا تھا۔ ویسے اس شخص کے بارے میں واقعی مکمل طور سے کوئی تفصیلات پتا نہیں چل سکی تھیں' کبھی کبھی اس کی شخصیت مشکوک نظر آتی تھی اور ہم یہ سوچتے تھے کہ ہماری شرافت ہمارے لئے خطرہ نہ بن جائے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نیک کام پر بھی پچھتانا پڑتا ہے۔ دوسری رات بھی آرام کے لئے ایک بہتر جگہ منتخب کر لی گئی تھی۔ سارے معاملات جوں کے توں تھے۔ آخری رات کا چاند آسمان پر نکلا ہوا تھا اور اس کی مدھم روشنی ماحول کو منور کر رہی تھی۔ ہم سب نیم غنودگی کی کیفیت کا شکار تھے۔ کہ اچانک فضا میں ایک چیخ کی آواز سنائی دی اور میری آنکھ کھل گئی۔ چیخ کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی لیکن اس کے بعد میرا ذہن پوری طرح جاگ گیا اور میں دونوں کہنیاں زمین پر ٹکا کر ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا لیکن ماحول میں کوئی تبدیلی نہیں تھی' سب سو رہے تھے ہو سکتا ہے یہ میری سماعت کا دھوکا ہو۔ میں نے سوچا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا لیکن لیٹے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی اور دوبارہ ذہن نیند کی آغوش میں پہنچا بھی نہیں تھا کہ دفعتاً بہت سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور پھر بے شمار وحشتناک چیخیں ابھرنے لگیں۔ اب شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں جلدی سے اٹھ گیا لیکن اسی وقت میری گردن سے ایک ٹھنڈی سی چیز آ لگی۔ میں نے وحشت زدہ انداز میں پلٹ کر دیکھا اور جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر متغیر رہ گیا۔ ویڈر تھا جو میرے سامنے تنا ہوا کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ دبی ہوئی رائفل کی نال میری گردن پر ٹکی ہوئی تھی۔ میں نے ہوش و حواس قائم کرنے کی کوشش کی۔ یہ منظر میرے لئے ناقابل یقین تھا لیکن آس پاس اور بھی ناقابل یقین منظر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ تقریباً بارہ تیرہ افراد تھے جو ویڈر ہی کی طرح ہاتھوں میں رائفلیں تانے کھڑے ہوئے تھے۔ اور سونے والوں کو ٹھوکریں لگا رہے تھے۔ یہ منظر خواب کا سا محسوس ہوتا تھا۔ یہاں ان لوگوں کی موجودگی کیسے ممکن تھی۔ اس ویرانے میں تو ویڈر کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ میں نے جب غور سے دیکھا تو وہ مجھے ویڈر ہی کی نسل کے آدمی محسوس ہوئے۔ میرے عین سامنے جو شخص رائفل

تانے کھڑا تھا اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میری پلکیں جھپک گئیں۔ یہ کوئی عورت تھی جس کے بدن پر چیتھڑے جھول رہے تھے اور وہ بالکل نیم برہنہ نظر آ رہی تھی۔ لیکن اپنے آپ سے بے نیاز وہ وحشت خیزی کا جیتا جاگتا نمونہ بنی ہوئی تھی۔ اس کے کھڑے ہونے کا انداز بھی بڑا وحشیانہ تھا۔ وہ رائفل کی نال سے ہنس راج کے سینے کو کھٹکھٹا رہی تھی اور ہنس راج خوفزدہ سا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ مزدور بھی ان رائفلوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور جو پہرہ دے رہے تھے۔ وہ بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ یقیناً ان پر حملہ کر کے یا تو ہلاک یا پھر بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ چیخ کی آواز ان میں سے ہی کسی کی ہو اور یہ رائفلیں ان کی موجودگی بھی انتہائی سنسنی خیز تھیں۔ بہرحال اس وقت ہم ان کے مکمل رحم و کرم پر آ گئے تھے۔ ہمارے ہوش و حواس پوری طرح جاگ اٹھے۔ میں نے دیکھا کہ ان عورتوں کی تعداد بھی کئی ہے۔ دس گیارہ افراد تھے اور سات آٹھ عورتیں جوان چٹانوں کے پیچھے سے نکل کر آگے آ رہے تھے۔ بہرحال رات کے اس سنسنی خیز ماحول میں یہ اچانک ہی پیش آنے والی صورتحال بڑی وحشت ناک تھی اور میں اس کے بارے میں کوئی صحیح انداز قائم نہیں کر سکتا تھا۔ بہت ہی دہشت کے لمحات تھے' اچانک ہی ویڈر کی آواز ابھری۔

''بہتر ہے کہ اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ دوست! کیا فائدہ کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔''

اس نے میری گردن پر بندوق سے دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ میں نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے اور کھڑا ہو گیا۔ ویڈر کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

''یہ سب کیا ہے مسٹر ویڈر؟''

میں نے سوال کیا۔

''اس کے بارے میں تمہیں تفصیل خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ اپنے ساتھیوں کو حکم دو کہ اگر زندگی چاہتے ہیں تو کوئی جدوجہد کرنے کی کوشش نہ کریں۔''

ویڈر نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کی بات سب ہی نے سن لی تھی۔ سب ہی حیرت کا شکار تھے یہاں تک کہ مزدور بھی حیران نظر آ رہے تھے اور اس کے بعد انہوں نے وہ ساری شیطانی حرکتیں شروع کر دیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ انہوں نے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہماری ہی رسیوں سے ہمیں کس کر باندھ دیا۔ ہاتھوں کی بندشیں اتنی سخت اور وحشیانہ تھیں کہ ہم جنبش بھی نہیں کر سکتے تھے اور ہمیں ہاتھوں کی ہڈیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔ ان کے پاس لمبے لمبے چھرے تھے جس سے انہوں نے رسیاں کاٹ لیں اور ان سے ہمارے ہاتھ باندھ دیئے گئے۔ وہ بے ہوش مزدوروں کو بھی گھسیٹ کر اس جگہ لے آئے جہاں باقی لوگ موجود تھے۔ ان کے سر زخمی تھے جس سے اندازہ ہوسکتا تھا کہ ان کے سروں کی پشت پر کوئی وزنی چیز مار کر انہیں بے ہوش کر دیا گیا ہے۔ بہرحال ہم آفت کا شکار ہو چکے تھے۔ پچھلی ہی رات درگا دیوی نے اس بات کی پیش گوئی کی تھی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تمام کاوش پروفیسر زموکا کی ہے۔ پروفیسر زموکا آزاد ہوگیا ہے اور درگا دیوی نے مجھے اس کی آزادی کی خبر سے مجھے ایک تھوڑی سی خوشی کا احساس ہوا تھا لیکن بہرحال ویڈر جیسی شخصیت قابل نفرت ہوتی ہے۔ اس نے تو اپنی کہانی بڑی دلدوز سنائی تھی۔ اس کے یہ ساتھی کہاں سے آ گئے۔ اس کا مطلب یہ کہ اس نے بڑی خوبصورتی سے جھوٹ بول کر ہم سے اتنی مراعات حاصل کی تھیں لیکن اس علاقے میں یہ مہذب وحشی کہاں سے آ گئے۔ عورتیں بھی تندرست و توانا تھیں اور اس قدر بے باک اور بے حجاب نظر آ رہی تھیں کہ یقین نہیں آتا تھا کہ ان کا تعلق کسی مہذب دنیا سے ہے۔ وہ اگر مہم جو بھی تھیں اور دولت کی تلاش میں یہاں آئی تھیں۔ تب بھی کم از کم ان کے اندر ان انسانوں جیسی باتیں تو ہوتیں ان کو دیکھ کر تو یوں احساس ہوتا تھا جیسے جنگل کے ماحول میں وہ بھی جنگل کے جانوروں کی طرح بے حجاب ہوگئی ہوں اور ان کا مہذب دنیا سے ہر طرح کا ذہنی رابطہ ٹوٹ گیا ہو۔ اب ان لوگوں نے مکمل طور پر ہمارے گرد احاطہ کر لیا تھا اور ہمیں آتشی ہتھیاروں کے نشانے پر رکھ لیا گیا تھا۔ ویڈر ان سب کی رہنمائی کر رہا تھا اور وہ ہی سب سے آگے آگے تھے۔ بہرحال اس کے بعد بقیہ وقت خاموشی ہی سے گزرا باقی لوگوں پر بھی سکتہ طاری تھا۔ رات چونکہ زیادہ باقی نہیں تھی اور تھوڑی دیر کے بعد دن کی روشنی نمودار ہونے لگی تھی پھر جب مکمل طور پر روشنی پھیلی تو ہم نے ان عورتوں کو اور مردوں کو اور قریب سے دیکھا۔ ان کے لمبے لمبے بال تھے اور ان کی کمر تک پہنچ رہے تھے۔ جسم کے لباس کسی زمانے میں جدید دنیا سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ اب تو ان کا ان کے جسم سے تعلق ہی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ اس طرح چل پھر رہی تھیں جیسے یہیں پلی بڑھی ہوں اور

جیسے انہیں احساس ہی نہ ہو کہ وہ عورتیں ہیں۔ ان کے چہرے بھی وحشت زدہ تھے اور ان پر ایک عجیب سی دیوانگی طاری معلوم ہوتی تھی۔ بہرحال ہمارے ہاتھوں میں بندھی ہوئی رسیوں کو انہوں نے دن کی روشنی میں دوبارہ چیک کیا اور ہمیں خاصی مشکل کا شکار کر دیا۔ اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہم کیا کریں۔ ویڈر کو سب ہی نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ہم یہ بھی اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان ہتھیاروں کے علاوہ ان کے پاس اور کیا ہے۔ لمبے لمبے چاقو' چھرے ایسا لگتا تھا جیسے انہوں نے ہتھیاروں کا خاص طور سے بندوبست کیا ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا بڑا سنسنی خیز تھا۔ سورج آہستہ آہستہ بلند ہوتا جا رہا اور وہ لوگ نجانے کیسے کیسے عمل کر رہے تھے جو سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ انہوں نے یہاں سے کوئی جنبش بھی نہیں کی تھی پھر جب سورج خوب چڑھ گیا اور دھوپ کی تپش ہمارے حواس چھیننے لگی تو میں نے چیخ کر ویڈر کو پکارا اور ویڈر میری جانب متوجہ ہوگیا۔ بڑا خوش نظر آ رہا تھا وہ ہمارے قریب پہنچ گیا تو میں نے اس سے کہا:

''ویڈر! کیا تم ہمیں اسی جگہ مار دینا چاہتے ہو؟''

''کیوں خیریت کیا بات ہے؟''

''ہم بھوکے بھی ہیں اور پیاسے بھی' بھوک تو برداشت کی جا سکتی ہے لیکن پیاس ہم میں سے کچھ ضرور مر جائیں گے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ بہتر نہیں ہے۔''

''اوہو... جو بہتر ہے اس کو ہم جانتے ہیں اور جو بہتر نہیں ہے اس کے بارے میں ہم تمہیں بعد میں بتا دیں گے۔ ویسے ہم یہاں سے اٹھنے ہی والے تھے۔ اٹھو تمہیں ڈھلانوں کا سفر کرنا ہے۔''

''تمہارے ساتھ ہم نے جو سلوک کیا تھا ویڈر! کیا اس کے بارے میں تم بھول گئے؟''

''تھوڑا سا سفر طے کر لو اس کے بعد تمہیں بھی حالات کا صحیح طور پر علم ہو جائے گا۔''

بہرحال تھوڑی دیر کے بعد ویڈر نے اپنے کہنے پر عمل شروع کر دیا اور ہم ایک اور سنسنی خیز سفر پر چل پڑے۔ وہ سب ہمارے گرد گھیرا ڈالے چل رہے تھے اور ہم ان ڈھلانوں کا سفر کر رہے تھے۔ جن کے بارے میں ہم نے سوچا تھا کہ دن کی روشنی میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

انہیں عبور کریں گے اور پھر جنگلوں میں داخل ہوں گے۔ بہرحال ڈھلان طے کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ وہ ایسے تھے جن پر قدم جما کر چلا جا سکتا تھا۔ یہ ڈھلان کہیں کہیں کٹاؤ کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ ایسے ہی ایک کٹاؤ کے سامنے ہم نے ایک بہت بڑا سا چوکور سوراخ دیکھا جو یقیناً انسانی ہاتھوں سے تراشا گیا تھا' اس سوراخ کے سامنے ویڈر نے ہمیں رکنے کا اشارہ کیا اور ہم رگ گئے۔ ویڈر نے مسکرا کر اندر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''یہ ہماری پناہ گاہ ہے۔ اس سوراخ کے دوسری طرف ایک کشادہ غار ہے اور ہم لوگ اسی غار میں رہتے ہیں تم بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ غار میں تمہارے لئے گنجائش نہیں نکل سکے گی۔ چلو بیٹھ جاؤ۔''

ہم صبر کر کے وہیں چٹانوں کے پاس بیٹھ گئے۔ ان لوگوں نے ہمیں مضبوطی سے کس دیا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس بات سے خوفزدہ ہو کہ ہم یہاں سے فرار نہ ہو جائیں۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد ہمارے لئے پانی آ گیا یہ برتن ہمارے ہی تھے' وہاں موجود لوگوں نے ان برتنوں سے سب لوگوں کو پانی پلایا پانی پی کر ہمیں کافی سکون محسوس ہوا اور ویڈر نے میرے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا:

''ہاں! تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے؟''

''میں جانتا ہوں کہ تم مجھے کوئی اور دلچسپ کہانی سنا دو گے۔ ویسے تعجب ہے تمہاری ان غیر انسانی حرکتوں کا مجھے صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو پا رہا۔''

''غیر انسانی؟''

ویڈر نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا:

''ہنسنے کی بات ہے میری حرکتوں کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔ کیا ہم کوئی تمہیں انسان نظر آ رہا ہے؟ بہت پرانی بات ہے جب ہم بھی انسان ہوا کرتے تھے اور اب' اب تو ہم وہ سب کچھ بھول چکے ہیں جو تم لوگ ہمیں بتانا چاہتے ہو۔ ہاں تم جیسے بے وقوف کبھی کبھی یہاں پہنچ جاتے ہیں تو ہمیں وہ قدیم دنیا یاد آ جاتی ہے جہاں انسان بسا کرتے تھے۔''

''وہ کہانی جو تم نے مجھے سنائی تھی وہ کیا تھی؟''

''اب بھی اس کے بارے میں سوال کرو گے۔ ایسی بہت سی کہانیاں میں مختلف لوگوں کو سناتا رہا ہوں۔ اس کا مطلب ہے تم بہت عرصے سے یہاں آباد ہو؟''

''ہاں! ہم سال' مہینے' ہفتے یا دنوں کا کوئی حساب نہیں رکھتے۔ بہت سارے حساب کتاب ہم نے اپنے ذہن سے خارج کر دیئے ہیں۔ تم یہ سمجھ لو ہم میں سے زیادہ تر لوگ وہ ہیں جن کی پیدائش ہی یہیں ہوئی ہے۔ ہم میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ شخص ویڈمین ہے۔ ویڈمین جو اب کافی بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہے۔ لیکن میں تمہیں بتاؤں اپنی طویل ترین عمر کے باوجود وہ تم میں سے کسی بھی شخص کی ہڈیاں توڑ کر تمہارے ہاتھوں میں دے سکتا ہے' وہ بہت طاقتور ہے اور یہ طاقت ہمیں اس دنیا کی بخشی ہوئی ہے۔ کیا سمجھتے ہو تم مہذب دنیا والے جسے میں اپنی نہیں تمہاری دنیا کہوں گا۔ خوف دہشت اور کمزوری کی دنیا ہے جبکہ جنگل کا یہ ماحول بہرحال۔''

''تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟''

''میں نے کہا نا کہ بہت پرانی بات ہے جب ہم زمین کے کسی مہذب خطے سے چلے تھے' ہم ایک طویل سفر طے کر کے کسی منزل تک پہنچنا تھا ہمارا جہاز بہت ہی پرانے طرز کا تھا اور اس کے ذریعے یہ طویل سفر ہمیں خطرے کا باعث ہی نظر آتا تھا لیکن ہم ترک وطن پر مجبور تھے ہمیں ملک بدر کیا گیا تھا۔ غالباً ویڈمین نے اپنے ملک کے خلاف بغاوت کی تھی۔ خیر جس جہاز پر ہم سفر کر رہے تھے اس کی حالت بہت خستہ تھی لیکن مزید یہ ہوا کہ وہ سمندر میں طوفان کا شکار ہو گیا۔ وہ ہولناک واقعہ مجھے یاد ہے اور جب میں اس کا تصور کرتا ہوں تو میرے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ہم بہت خوفناک سفر طے کر کے یہاں پہنچے چھوٹی چھوٹی کشتیاں ہماری مددگار تھیں۔ میری نگاہوں کے سامنے بہت سے لوگوں کو سمندر کی لہروں نے اٹھا کر ان چٹانوں پر دے مارا جو زندہ بچے ان کی تعداد کوئی اسی کے قریب تھی۔ ان میں بچے بھی تھے اور بوڑھے بھی۔ نوجوان مرد اور لڑکیاں ہم کسی نہ کسی طرح ان چٹانوں کو عبور کر کے آخرکار یہاں تک آ گئے' اس وقت ہم شدید خوف کا شکار تھے۔ ہم نے یہاں قیام کیا' کھانے پینے کی کوئی چیز ہم یہاں تک نہیں لا سکتے تھے۔ چنانچہ تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے ہم ان جنگلوں میں داخل ہو گئے لیکن ان جنگلوں میں وحشی جانوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ وہ ہم پر حملہ آور ہوئے اور ہم میں سے کئی افراد

ان جانوروں کا لقمہ بن گئے۔ تب ہم بے بسی کے عالم میں واپس اسی جگہ پہنچ گئے۔ میں نے تم سے غلط نہیں کہا تھا۔ نجانے کیوں یہ جانور ڈھلان عبور کر کے اوپر نہیں آتے۔ البتہ جب ہم جنگلوں میں نیچے جاتے ہیں تو یہ ہم پر حملہ آور ہو جاتے ہیں اور اب تو ان کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے۔ ہم نے ان میں سے شمار جانور ہلاک کر دیئے ہیں کیونکہ ہمیں خوراک انہی جنگلوں سے حاصل کرنا پڑتی ہے۔ ہم ہر قسم کے جانوروں کا شکار کر کے کھا لیتے ہیں لیکن اب یہ جانور اتنے کم رہ گئے ہیں کہ ہمیں ہفتوں کوئی شکار نہیں ملتا چنانچہ جنگلی پھل اور گھاس پھونس پر ہی گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ یا ہم میں سے کوئی بیمار ہو جائے تو ہم اسے اپنی غذا بنا لیتے ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

میں بری طرح چونک پڑا اور ویڈر کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''مطلب نہ پوچھو میرے دوست! بس انسانیت کی ابتدا اور انتہا کیا ہے اس کا اندازہ تم لوگ خود لگاؤ میں اس بارے میں کیا کہوں گا۔ تو میں تم سے کہہ رہا تھا کہ یہاں پہنچنے کے بعد ہم ہفتوں شدید بھوک اور پیاس کا شکار رہے۔ اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے رہے۔ ہم میں سے بہت سے افراد جاں بحق ہو گئے پھر ہم میں سے ہی ایک گروہ نے جس کی تعداد ستائیس کے قریب تھی' یہ جنگل عبور کر کے یہاں سے جانا چاہا ان میں سے کچھ لوگ دلدلوں کی سمت گئے اور خوفناک دلدلوں کو ان کا حصہ مل گیا۔ کچھ جنگلوں کی سمت گئے اور جانوروں کو ان کا حصہ مل گیا' صرف چھ افراد زندہ واپس آ سکے تھے۔ انہوں نے جنگلوں کا حال سنایا اور ان جنگلوں کا حال یہ ہے کہ یہاں آگے چل کر بے پناہ خوف ناک مصیبتیں سامنے آتی ہیں۔ جنگلوں کے دوسری طرف انسان بھی آباد ہیں لیکن وہ ہم سے بھی زیادہ غیر انسانی حیثیت رکھتے ہیں۔ افریقہ کے سیاہ فام قبائل جو نجانے کیسی کیسی ہولناک روایتوں کے حامل ہیں' یہ چھ آدمی واپس آئے تو اس کے بعد کافی عرصے تک کسی کو فرار ہونے کی جرات نہیں ہوئی لیکن زندہ رہنے کے لئے اب یہ ضروری تھا کہ ہم ان درندوں سے جنگ کریں۔ چنانچہ ہم نے ان چاقوؤں کی مدد سے دھاگے بنائے اور ان جنگلوں میں گھس گئے پھر پہلی بار ہم نے جنگل میں شکار شروع کیا اور کچھ بھیڑیئے مارے ان بھیڑیوں نے ہم میں سے کچھ افراد کا پیٹ بھر دیا۔ اور اب یہ ہی سلسلہ ہو گیا تھا۔ ہم

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جنگلوں میں گھستے اور کیڑے مکوڑے اور کوئی بھی زندگی سے بھرپور شے ہمیں نظر آتی ہم اسے ہلاک کر کے لے آتے اور اپنے پیٹ کی آگ بجھاتے' اسی دوران ہم نے پانی حاصل کرنے کے لئے ایک بڑا کنواں بھی کھود لیا جو اسی غار کے اندر موجود ہے اور اس کنویں سے ہمیں بہترین پانی حاصل ہو جاتا ہے لیکن خوراک کا مسئلہ باقی تھا' بھوک ہمارا مقدر بن چکی تھی۔ اکثر یوں بھی ہوتا تھا کہ ہم میں سے دو چار جانوروں کا شکار کرتے ہوئے خود بھی ان کا شکار بن جاتے۔ تقریباً تین سال گزرے تھے کہ ایک اور گروہ نے سرفروش کا ارادہ کیا اور وہ گروہ ان جنگلوں میں داخل ہو گیا۔ دلدلوں کی سمت رخ کرنا تو ایک حماقت ہی کی بات تھی۔ چنانچہ اس کے بعد کوئی ان دلدلوں کی سمت نہیں گیا۔ البتہ ان جنگلوں سے اکثر گروہوں نے سفر کیا اور جانے والوں میں سے کوئی واپس نہیں آ سکا۔ اس طرح ہماری تعداد گھٹتی رہی تب ہم نے اپنے لئے ایک طریقہ کار متعین کیا۔ ہم نے یہ غار اس قابل بنایا کہ ہم اسے اپنی ایک محفوظ ترین پناہ گاہ بنا لیں۔ غار اندر سے بہت کشادہ نہیں ہے لیکن ہم لوگوں کے لئے بہت کافی ہے۔ عموماً ہم باہر ہی زندگی گزارتے ہیں۔ ہاں اس وقت جب جنگلی درندوں کی یلغار ہو یا پھر مقامی باشندے اس طرف آ نکلیں' ہم ان غاروں میں پناہ لے لیتے ہیں۔ ابھی تک ہم نے ان مقامی لوگوں سے کوئی جنگ نہیں کی کیونکہ ہمارے پاس جنگ کرنے کے لئے مناسب ہتھیار نہیں ہیں لیکن ایسا کبھی کبھی ہی ہوتا ہے اور اس وقت جب کچھ قبائل آپس میں جنگ کرنے لگیں اور شکست کھائے ہوئے لوگ فرار کی راہ اختیار کر کے اس طرف آ نکلیں تو ہمارا ان کا سامنا ہو جاتا ہے لیکن انہوں نے بھی ہم سے کوئی خاص نفرت کا اظہار نہیں کیا ہم نے اپنے بتائے ہوئے قانون کے مطابق انسانی زندگی ترک کر دی۔ لباس ہمارے پاس ویسے ہی موجود نہیں تھے۔ چنانچہ ان سے بھی بس گزارے والی بات سمجھ لو۔ تمہیں اندازہ ہے کہ اب ہم میں سے کوئی بھی شرم و حیا نام کی چیز سے واقف نہیں ہے۔ ہم سب انسان ہیں' ہم سمندر کے راستے فرار نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اس طرف سمندری جہاز نہیں آتے۔ ہم جنگلوں کی سمت نہیں جا سکتے تھے کیونکہ اس طرف بھی ہمیں راستہ نہیں ملتا اور دلدلوں کو تو ویسے ہی ہماری زندگی کی ضرورت تھی۔ ہم ایسی وحشیانہ زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہو گئے تو پھر ہم انسانی اقدار کے پابند نہ رہے۔ ہمارے ہاں ہر عورت سب کی عورت ہے ہر مرد ہر عورت کا مرد ہے۔ ہمارے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہاں بچے بھی پیدا ہوتے ہیں' بڑے ہو جاتے ہیں لیکن وہ کسی کی اولاد نہیں ہوتے۔ ہاں ان کی وہ ضرورتیں ضرور پوری کی جاتی ہیں جو انہیں زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس طرح ہم یہاں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ خوراک کے لئے ہم بہت زیادہ پریشان تھے۔ چنانچہ جب ہم نے اپنے کندھوں سے انسانی اقدار کا بار اتار پھینکا تو پھر اور بھی تبدیلیاں ہم نے اپنے اندر پیدا کیں۔ مثلاً سب سے پہلے ہم نے ان وحشیوں کا گوشت کھایا جو یہاں فرار ہو کر پناہ لئے ہوئے تھے۔ ہمیں اپنے بدن میں ایک انوکھی توانائی کا احساس ہوا اور اس کے بعد سے ہمیں انسانی خون اور گوشت کا چسکا لگ گیا۔ چنانچہ اکثر یوں ہوتا ہے کہ کبھی کبھی مقامی وحشی بھٹک کر یہاں آ نکلتے ہیں اور ہم انہیں شکار کرتے ہیں۔ ہمارے لئے بہترین غذا مہیا ہو جاتی ہے۔ ہماری تعداد یہاں زیادہ نہیں' زیادہ سے زیادہ چالیس اور پینتالیس افراد ہوں گے جن میں تقریباً سترہ عورتیں اور باقی مرد' بچے بھی ہیں۔ جو جوان ہو کر ہماری جگہ لیں گے۔ ہمیں یہ یقین ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی یہاں سے زندہ نہیں نکل سکے گا اور ایک دن شاید اس قبیلے کا آخری فرد بھی ختم ہو جائے یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ بچے پیدا ہونے کی تعداد زیادہ ہو جائے اور یہ قبیلہ پروان چڑھتا رہے اور آخرکار اس کی تعداد اتنی ہو جائے کہ لوگ یہاں پہنچیں تو حیران ہو جائیں لیکن فی الحال اب اتنے ہی افراد باقی رہ گئے ہیں۔ ہم میں سے جب کوئی مر جاتا ہے تو ہم اس کی لاش ضائع نہیں کرتے بلکہ اسے اپنے اندر محفوظ کر لیا کرتے ہیں۔ اکثر سمندر کے راستے سے بھی بھولے بھٹکے لوگ اس طرف آ نکلتے ہیں۔ جنہیں ہم اپنے لئے سمندر کا تحفہ سمجھتے ہیں۔ سمندر کی مچھلیاں بھی ان گڑھوں میں آ کر آباد ہو جاتی ہیں اور ہماری غذا بن جاتی ہیں۔ اس طرح اب ہمیں غذائی قلت کا سامنا نہیں ہے لیکن انسانی گوشت ہمارے لئے سب سے لذیذ ہے اور ہم اس کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔''

ویڈر کے ہونٹوں پر بھیانک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور ہم میں سے سب کے رگ و پے میں اتر رہی تھی۔ ہم آدم خوروں کے جال میں آ پھنسے تھے' یہ وحشی آدم خور جو مہذب دنیا سے تعلق رکھتے تھے' بلاشبہ ان سیاہ فاموں سے زیادہ خوفناک ثابت ہو رہے تھے۔ جو جنگلوں میں آباد ہوتے ہیں اور جنہیں ذہنی طور پر شکست دی جا سکتی ہے۔ یہ تو ہماری ہی طرز کے ذہین لوگ تھے جنہیں آسانی سے شکست سے دوچار کرنا بھی ممکن نہیں

تھا۔ بہرحال خاصی دیر تک میں ویڈر کی صورت دیکھتا رہا۔ بڑی سنگین صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ ایک طرف درگا دیوی نے اپنے معذور اور مجبور ہونے کا اعلان کر دیا تھا تو دوسری طرف ہمیں یہ وحشی قبیلہ مل گیا تھا۔ میں سہمی ہوئی نگاہوں سے ویڈر کی صورت دیکھتا رہا' اسے شاید میری شکل دیکھ کر لطف آ رہا تھا۔ پھر میں نے اس سے کہا:

''ویڈر تم نے یہ سرخ کپڑا کیوں باندھ رکھا ہے یہاں؟''

ویڈر پھر ہنس پڑا اور بولا:

''یہ جہازوں کے لئے نہیں ہے' جہازوں کے لئے اگر یہ نشان باندھا جاتا تو یہ ساحل پر ہوتا۔ یہ تو ان لوگوں کے لئے جو بھٹک کر اس طرف آ نکلتے ہیں اور سرخ کپڑا دیکھ کر اس طرف چل پڑتے ہیں جیسے تم۔ اس طرح ہم لوگوں کو شکار کرنے کے لئے طویل سفر طے نہیں کرنا پڑتا۔ چٹانوں کا سفر بے حد دشوار گزار ہے۔ اس کا اندازہ تمہیں خود ہو چکا ہوگا۔''

ویڈر نے جواب دیا اور میں پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ زیادہ لوگ ہماری طرف متوجہ نہیں ہیں۔ لیکن بہرحال ہم تھے ہی کتنے افراد ساتوں مزدور بے چارے تو ویسے ہی بے بسی کا شکار تھے' ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر میں نے کہا:

''ویڈر تمہارے پاس یہ اسلحہ کہاں سے آیا؟ تم تو کہہ رہے تھے کہ...''

''ہاں... ہاں! یہ جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہمارے کرم فرما جو جہازوں کے ذریعے کبھی کبھی بھٹک کر ساحل پر آ نکلتے ہیں مسلح بھی ہوتے ہیں۔ ہم انہیں چالاکی سے شکار کرتے ہیں اور اس کے بعد ان کا جو کچھ ہوتا ہے وہ ہماری ملکیت تو ہوتا ہے۔ بہرحال خاصی اچھی زندگی ہے ہماری اصل میں ہم بہت سی مشکلات سے آزاد ہیں۔ اگر کوئی بیمار ہوتا ہے تو ہم اس کا علاج نہیں کرتے بلکہ اس کی موت کا انتظار کرتے ہیں تاکہ ہمارے لئے غذا فراہم ہو' تو خود سوچو دوسری بات یہ کہ ہم محبتوں کے جال میں گرفتار نہیں ہیں۔ نہ کوئی ماں ہے نہ کوئی بیٹی' کوئی رشتہ قائم نہیں رکھا۔ ہم نے سارے رشتے فنا کر دیئے ہیں۔ یہ رشتے بھی انسان کے لئے موت ہوتے ہیں۔ محبتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اپنی زندگی کچھ نہیں رہتی دوسروں کے لئے ہی تڑپتا ہوا مر جاتا ہے۔ یہ رشتے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بھی انسانی زندگی کے قاتل ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان سے بھی نجات حاصل کر لی ہے۔"

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اس میں کوئی شک نہیں اگر غور کیا جائے تو یہ ایک بہت ہی سوچنے والا مسئلہ ہے پھر میں نے اس سے کہا:

"ویڈر ہم بھوکے ہیں' کیا تم ہمیں کھانے کے لئے کچھ نہیں دو گے؟"

سورج ڈھل جانے کے بعد تمہاری خوراک تم تک پہنچا دی جائے گی۔ تم فکر مت کرو۔ ہمیں کھانے پینے کی ان چیزوں سے اب کوئی دلچسپی نہیں ہے' یہ ہمیں پھیکی اور بے مزہ معلوم ہوتی ہیں۔ کچا گوشت' کچی مچھلیاں اور انسانی گوشت جس قدر لذیز ہوتا ہے کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی۔ ٹھیک ہے اب میں ذرا تم لوگوں کے لئے کچھ اور انتظامات کر لوں وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھ کر اس غار میں داخل ہوگیا۔ میرا سر چکرا رہا تھا' اگر ہم میں سے کچھ اور افراد بھی ان لوگوں کا شکار ہوگئے تو باقی لوگ تو ویسے ہی زندگی سے بددل ہو جائیں گے۔ کیا کرنا چاہئے مجھے' میں سوچ رہا تھا لیکن کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اگر ہم نے کسی طرح ان بندشوں سے نجات حاصل کر بھی لی تو ان بے شمار افراد کا کیا بگاڑ سکیں گے۔ وہ لوگ ہمیں بھون کر رکھ دیں گے۔ ایسی کیا ترکیب ہو جو کی جا سکے اور پھر میں خود ہی غور کرتا رہا' بہت غور کیا اور آخرکار صورتحال کو ایک خاص شکل دینے کا تصور میرے ذہن میں پیدا ہو ہی گیا۔ بڑی انوکھی اور مضحکہ خیز بات تھی لیکن اب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ چنانچہ میں اس کے لئے تیار ہوگیا۔ نہ تو کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت تھی نہ کوئی اس سلسلے میں مشورہ دے سکتا تھا۔ بات بھی ایسی تھی جو بڑی عجیب تھی۔ غرض یہ کہ سورج چھپا تو ہماری بھوک ہمیں نڈھال کر چکی تھی لیکن آخرکار وہ سب خوراک لے کر ہمارے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے کھانے پینے کی اشیاء ہمارے سامنے رکھیں اور پھر خود ہمیں اپنے ہاتھوں سے کھلانے لگے۔ اس وقت میری مسرت کی انتہا نہ رہی۔ جب میں نے ایک لڑکی کو بھی یہ کام کرتے دیکھا' وہ لڑکی کھانے کھلانے کے لئے سیدھی میرے پاس آ بیٹھی تھی۔ اور عمر کے لحاظ سے بالکل نوجوان اور ناتجربہ کار لڑکی تھی۔ وہ مجھے آہستہ آہستہ کھانا کھلاتی رہی اور میں اسے میٹھی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ کافی دیر کے بعد جب وہ میرے سامنے سے اٹھی تو اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ میری نگاہیں اپنا کام کر چکی تھیں اور میں نے اسے متاثر کر دیا تھا لیکن اس کے تاثر کا جو نتیجہ فوری

طور پر سامنے آیا وہ میرے تصور سے بھی باہر تھا۔ وہ وہاں سے چلی گئی تھی پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک لمبا چاقو تھا اس نے چاقو سے میرے ہاتھوں کی رسیاں کاٹ دیں اور مجھے آزاد کر دیا۔ میں بری طرح ساکت ہوگیا تھا' میرے قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی بڑی عجیب سی نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہے تھے۔ ویسے ان مہذب وحشیوں نے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ لڑکی نے میرا بازو پکڑا اور مجھے لئے ہوئے ایک طرف چل پڑی۔ وہ مجھے ان لوگوں سے کافی دور لے آئی تھی اور میں نے محسوس کیا تھا کہ بہت سی نگاہوں نے ہمارا تعاقب کیا ہے۔ ان میں ویڈر بھی تھا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات سے اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اسے اس بات پر کوئی اعتراض ہوا ہے۔ یا وہ کسی تشویش کا شکار ہے۔ البتہ میرے رگ و پے میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔ لڑکی نے کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے ایک طرف دھکیل دیا اور پھر عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے اب اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ چنانچہ میں نے مسکرا کر اسے دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔ میں نے کہا:

"کیا تم بولنا نہیں جانتیں؟"

"کیوں نہیں' جانتی ہوں"

"تو پھر اب تک تم نے خاموشی کیوں اختیار کئے رکھی ہے؟"

"تم مجھ سے بات کرو' میں تمہیں تمہاری بات کا جواب دوں گی۔"

مجھے یہاں کیوں لائی ہو؟"

"اس لئے کہ تم مجھے پسند آئے ہو۔"

"تو پھر...؟"

" اس کے بارے میں تمہیں کچھ دیر کے بعد علم ہو جائے گا۔ ذرا رات کی تاریکیاں گہری ہونے دو۔"

لڑکی نے بڑی بے باکی سے کہا اور مجھے اس کی آنکھوں میں ایک خون خوار چمک نظر آئی' وہ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی:

"تمہارا لذیذ خون اور گوشت اب میری ملکیت بن چکا ہے۔ آج کی رات تم میں سے کچھ افراد کو تو زندگی کھونا ہی تھی۔ غالباً دو یا تین افراد کام آ جائیں گے لیکن یہ بھی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہو سکتا ہے کہ آج وہ لوگ تمہیں آزادی دے دیں تاکہ تم اپنی تھکن دور کرلو۔ اصل میں شدید مشقت اٹھانے کے بعد بدن میں خون کی کمی ہو جاتی ہے اور ہم نقصان نہیں اٹھانا چاہتے کیونکہ تم ہی لوگ ہماری زندگی کا واحد سہارا ہو۔"

میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ یہ بات تو میں جانتا ہی تھا کہ یہ آدم خور ہیں اور وہ کھل کر بتا چکے تھے کہ وہ ہم سب کو بھی چٹ کر جائیں گے۔ اس سے پہلے کہ ہم میں سے کچھ افراد اور کم ہو جائیں اگر ہم نے ان کے خلاف کچھ نہ کیا تو صورتحال خطرناک ہو جائے گی۔ کوئی عمل کر لینا بے حد ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے کہا:

"ایک بات کہنا چاہتا ہوں تم سے۔ بے شک تم تہذیب کی دنیا سے دور یہاں زندگی گزار رہی ہو لیکن جنگل کا حسن اس قدر دلکش ہوگا۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اگر تمہاری قربت حاصل کرنے کے بعد مجھے موت بھی مل جائے تو میں سمجھوں گا کہ اس سے خوبصورت موت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

وہ بے اختیار مسکرا دی اور پھر اس نے مسرور لہجے میں کہا:

"تمہارے ان الفاظ سے مجھے خوشی ہوئی۔ کیا واقعی تم جو کچھ کہہ رہے ہو سچ کہہ رہے ہو؟"

"ہاں! کیا میں تمہارا نام جان سکتا ہوں؟"

"فیکا!"

اس نے جواب دیا۔

"ڈیئر فیکا! تمہارے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کے بعد انسان کی زندگی بھر ایک ہی آرزو رہے گی وہ یہ کہ وہ بار بار زندگی پائے اور اسے تمہاری قربت حاصل ہو اور یہ بات بھی انتہائی دلچسپ ہے۔"

بلکہ قہقہہ لگانے کے قابل ہے کہ عورت کتنی ہی خونخوار کیوں نہ ہو جائے' کتنی ہی وحشی کیوں نہ ہو اس کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ اس کے حسن کی تعریف اسے متاثر کرتی ہے۔ چاہے شکل بندروں جیسی کیوں نہ ہو۔ حسین کہہ دو تبدیلی ضرور پیدا ہوگی۔ اور یہ تبدیلی میں نے فیکا میں بھی دیکھی تھی۔ میرے ان الفاظ پر اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی پھر اس نے آہستہ سے کہا:

"اور اگر میں تمہیں کچھ دن کی زندگی دے دوں تو؟"

"کیا تمہیں یہ اختیار حاصل ہے؟"

"ہاں! تم نے دیکھا ہوگا' ہمارے ہاں نہ کوئی سردار ہے نہ کوئی سربراہ ہے۔ ہم سب اپنی مرضی کے مالک ہیں' اپنی مرضی سے ہر عمل کر سکتے ہیں۔ اپنی مرضی سے جیتے ہیں۔ صحیح معنوں میں یہی ہمارے اندر اتفاق کا راز ہے کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی پسند سے کوئی کام کر سکتا ہے ہاں! اگر کسی کے کام سے باقی افراد کو نقصان پہنچے تو پھر وہ شخص اپنے اس کام کا خود ذمہ دار ہوتا ہے اور اپنے آپ کو خود ہی سزا دے لیتا ہے۔"

فیکا نے کہا۔

"گویا اگر تم مجھے یہاں لے آئی ہو اور تم نے مجھے آزاد کر دیا تو اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟"

"ہاں' اور اگر تم مجھ پر حملہ کر دو' مجھے قتل کر کے دوسروں کے لئے نقصان دہ ہو جاؤ تو میں تو قتل ہو ہی جاؤں گی لیکن وہ لوگ مجھ سے نفرت کریں گے اور میرے قتل پر ذرا بھی افسوس کا اظہار نہیں کریں گے۔ ہاں اگر تم میری وجہ سے آزاد ہو کر بھاگ جاؤ اور ان میں سے کسی کو نقصان پہنچا دو تو پھر اس نقصان کی سزا مجھے ملے گی۔"

"تو تمہیں اس بات کا یقین کیوں تھا فیکا کہ میں تم سے تعاون کروں گا اور تمہاری خواہش کے مطابق عمل کروں گا؟"

میں نے پوچھا اور اس نے اپنے لباس سے ایک لمبا چاقو نکال لیا پھر وہ میرے سامنے نچاتی ہوئی بولی:

"یہ چاقو اگر میرے ہاتھ میں ہو تو دس افراد بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے یہ بات سب لوگ جانتے ہیں۔"

"اوہ! اچھا اسی لئے انہیں تم پر اعتماد ہے۔"

میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا لیکن دل ہی دل میں اب کچھ اور سوچ رہا تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر میری نیت بدل گئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر یہ موقع ملا ہے تو مجھے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ بے شک زندگی ذرا مختلف

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

انداز میں گزری تھی لیکن اب حالات سے اس قدر ناواقفیت بھی نہیں رکھتا تھا کہ موجودہ صورتحال کی طلب کو نہ سمجھ سکتا۔ فیکا میری قربت سے سرشار تھی اور میں مکمل طور سے اب وہ عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا تھا جو نا صرف میری بلکہ باقی لوگوں کی زندگی کے لئے بھی ایک کارآمد شکل اختیار کر جائے۔ جب ماحول پر گہرا سناٹا طاری ہوگیا اور فیکا کی دست درازیاں بڑھتی چلی گئی اور میں نے محسوس کیا کہ وہ مکمل طور پر عورت بن چکی ہے اور جذبات میں ڈوب کر بالکل مفلوج ہو چکی ہے تو میں نے آہستگی سے وہ چھرا اٹھایا اور اس کی گردن پر پھیر دیا۔ میں نے اس کا منہ بھینچ لیا تھا۔ اور وار اتنا گہرا کیا تھا کہ کوئی گنجائش نہ رہے۔ اس کے نرخرے سے خرخر کی آواز بلند ہو رہی تھی اور خون اتنا اونچا اچھل رہا تھا کہ فوارے کا سا گمان ہوتا تھا۔ میری کلائیاں بازوؤں تک اس کے خون میں بھیگ گئیں۔ سینے اور چہرے پر بھی خون کے بہت سے دھبے نمودار ہو گئے۔ ایک لمحے کے اندر اندر میرے دل میں ایک دہشت ناک خیال ابھرا۔ یہ لڑکی آدم خور ہے اور یقینی طور پر اس نے بہت سے انسانوں کا خون پیا ہوگا' آج اس کا اپنا خون اسی طرح زمین پر بہہ رہا ہے۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد اس نے دم توڑ دیا۔ تو میں نے وہ خنجر اپنے قبضے میں کیا اور اس کے بعد چھپکلی کی طرح زمین پر رینگتا ہوا اپنے ساتھیوں کے نزدیک آ گیا جو بہرحال خوفزدہ تھے اور سوچ رہے تھے کہ اب ان کی زندگی بہت مختصر رہ گئی ہے۔ کون جانے موت کب انہیں آن دبوچے اور وہ سارے کے سارے ان آدم خوروں کا شکار ہو جائیں کچھ دیر کے بعد میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ سب سے پہلے میں نے ہنس راج کے ہاتھوں کی رسیاں کاٹیں پھر گووندا اور شبیر خان کو بھی آزاد کر دیا اور اس کے بعد تمام مزدور بھی آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سب کے سب شدید وحشت زدہ تھے' میں نے اس کام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد کہا:

''اب یہ بتاؤ ہمارا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے؟ یہ آزادی تو بے شک مل گئی ہے' ان کے اسلحے کا حصول بھی اگر ہم ذہانت سے کام لیں تو مشکل نہ ہوگا۔ لیکن پھر اب کیا کرنا چاہئے؟''

''فی الحال ہمیں اس طرح ان پر حملہ آور ہونا چاہئے کہ ان کے حلق سے آوازیں تک نہ نکل سکیں اگر ان میں سے ایک بھی چیخ پڑا تو سب جاگ اٹھیں گے۔ یوں

کرتے ہیں کہ ہم میں سے کچھ غار کی طرف رینگتے ہوئے چل پڑتے ہیں اور اسلحہ حاصل کرتے ہیں پھر ان پر پوری ہوشیاری سے حملہ کر دیں گے۔''

بہرحال مزدوروں کو سمجھایا گیا' وہ بھی ہماری ہر بات آنکھیں بند کر کے مان رہے تھے۔ زندگی کسے پیاری نہیں ہوتی؟ انہیں اس طرح بیٹھا دیا گیا تھا جیسے دیکھنے والے انہیں دیکھیں تو انہیں یہ محسوس ہو کہ وہ سب بندھے ہوئے پڑے ہیں اس کے بعد ہم چار افراد زمین پر رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ہر چند کہ رات کے سناٹے میں ہماری آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ لیکن ہم یہ کوشش کر رہے تھے کہ ہماری سرسراہٹیں بلند نہ ہونے پائیں۔ آخرکار غار کے دہانے کے قریب پہنچ کر سب سے پہلے میں ہی اندر داخل ہوا تھا اور میں نے کوشش کی تھی کہ آواز نہ پیدا ہونے پائے۔ غار میں اندھیرا تھا۔ اور سونے والوں کے خراٹے ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔ ہم ان کی جانب بڑھنے لگے اور تاریکی میں آنکھیں پھاڑتے ہوئے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنے لگے۔ ہم نے اپنے سانس تک روکے ہوئے تھے کچھ لمحوں کے بعد ہماری آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہو گئیں تو ہم نے ان چار وحشیوں کو دیکھا جو اوندھے سیدھے پڑے ہوئے سو رہے تھے پھر دبے قدموں ہم ان کے سروں پر پہنچ گئے اور ہم نے اس برق رفتاری سے ان پر حملہ کیا کہ ان کی آوازیں بھی نہ نکل سکیں۔ ہم میں سے ہر ایک کا ہاتھ ان کے منہ پر جما تھا۔ اور دوسرا گردن پر اور ہم سب ان کی گردنوں پر اپنی قوتیں صرف کر رہے تھے۔ بلاشبہ یہ آسان کام نہیں تھا اگر وہ جاگ رہے ہوتے تو شاید ہمارے قابو میں نہ آتے۔ کیونکہ کھلی آب و ہوا انسانی گوشت اور وحشت ناک ماحول نے ان کے اندر بے پناہ قوت پیدا کر دی تھی۔ ان میں سے ایک نے تو گووندا کو اٹھا کر اتنا اونچا پھینکا کہ گووندا بڑے زور سے نیچے گرا لیکن شبیر خان نے اسے مارتے ہی اس کا منہ پوری قوت سے بھینچ لیا تھا۔ ادھر میں نے اپنے شکار کو ایک لمحے کے اندر گردن کی ہڈی توڑ کر ختم کر دیا تھا۔ ہم نے ان چاروں کو آخرکار موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کے سر زور زور سے پکڑ کر زمین سے اس طرح ٹکرائے کہ زمین ان کے خون سے تر ہوگئی۔ بہرحال اب ہمیں یہاں سے آگے بڑھنا تھا اور اسلحے کو حاصل کرنا تھا جو تھوڑی دیر کے بعد ہماری کاوشوں سے ہمارے قبضے میں آ گیا اور آخرکار ہم اسے سنبھال کر باہر کی جانب آہستگی سے رینگنے لگے۔ غار سے اوپر چڑھنے کے لئے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہمیں تھوڑی سی جدوجہد کرنا پڑی تھی کیونکہ سوراخ کے بعد نیچے اچھی خاصی گہرائی تھی۔ لیکن بہرطور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جسے اوپر پہنچنے میں مشکل پیش آئی ہو۔ رائفلیں وغیرہ سنبھال کر ہم غار کے دہانے کے پاس پہنچے اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اسلحے سمیت رینگتے ہوئے مزدوروں کے پاس آ گئے اور ہم نے وہ اسلحہ ان لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ ہمارے دل مسرت سے دھڑک رہے تھے اور ہم خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ زندگی جو موت کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی' واپس لوٹ آئی۔ مزدوروں میں رائفلیں تقسیم کی گئیں تو وہ بھی بہت زیادہ خوش و خرم اور مطمئن نظر آنے لگے۔ تقریباً سب رائفلیں چلانا جانتے تھے۔ اس کے بعد دوسرے اقدامات کا تعین کیا گیا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اس جگہ رکنا مناسب نہیں ہے۔ خاص طور سے اس غار کو نشانہ بنانا ہے کیونکہ وحشی اس غار میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے تو پھر انہیں باہر نکالنا ممکن نہیں ہوگا۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی زندگی نہ صرف ہمارے لئے بلکہ ہمارے جیسے بے شمار لوگوں کے لئے خطرناک ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہم نے ایک ایسی ابھری ہوئی چٹان کا انتخاب کیا جس کے پیچھے ہم مورچے بنا کر ان وحشیوں پر فائرنگ کر سکیں اور انہیں غار میں داخل ہونے سے بھی روک سکیں۔ ان کے پاس اب صرف چاقو تھے۔ اور ان چاقوؤں کی مدد سے ہی وہ ہم پر حملہ کر سکتے تھے۔ حالانکہ ان کے چاقو بھی بہت خطرناک تھے اور وہ انہیں پھینک مارنے کے بھی ماہر تھے لیکن بہرحال اس سے وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ چنانچہ اب ہمیں صبح ہونے کا انتظار تھا۔

☆.....☆.....☆

لیکن دوسری صبح ہماری توقع کے خلاف تھی جو کچھ ہم نے دیکھا وہ ناقابل یقین تھا۔ دنیا ہی بدل گئی تھی۔ درگا دیوی زنجیروں سے کسی ہوئی ہمارے سامنے کھڑی ہوئی تھی اور بے شمار وحشیوں کا لشکر ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا لیکن سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ پروفیسر زموکا اب ایک مجسم انسانی شکل میں ہمارے سامنے موجود تھا۔ ہمارے سارے ہتھیار بیکار ہو گئے تھے زموکا نے آگے بڑھ کر کہا۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں میرے دوست، سچ تو یہ ہے کہ تمہاری وجہ سے مجھے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی۔ مختصر تفصیل یہ ہے کہ یہ عورت جس کا نام درگا دیوی ہے قابل نفرت شخصیت ہے۔ یہ جادوگرنی ہماری ملکہ بننا چاہتی ہیں اور ہماری اصل ملکہ کو ختم کر کے خاموشی سے اس کی جگہ لینا چاہتی ہیں۔ اس نے مجھے گورِیلا بنا کر قید کر دیا تھا لیکن شکر ہے مجھے آزادی مل گئی۔ ہماری اصل ملکہ بھی تمہاری شکر گزار ہے چونکہ ہمارے قبیلے کے رواج کے مطابق وہ تم سے مل نہیں سکتی لیکن اس نے تمہارے لیے تحائف بھیجے ہیں اور اس نے تمہاری دوستی ضروری سمجھی ہے۔ ہنس راج، گووندا اور شبیر خان کچھ نہیں سمجھ پائے تھے۔ میں نے درگا دیوی کو دیکھا اور پوچھا۔

"درگا جی میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"

"میں خود اپنے لیے کچھ کروں گی، تمہارا کام ختم ہو گیا ہے۔ درگا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ بہرحال کام ہی الٹا ہو گیا تھا۔ واپسی کی کہانی طویل ہے۔ میرے پاس اب کوئی کام کرنے کیلئے نہیں تھا۔ پروفیسر زموکا نے جو دولت دی تھی وہ میرے لیے بیکار تھی۔ قیمتی جواہرات ہنس راج وغیرہ میں تقسیم کر دیئے گئے۔ مزدوروں کو بھی خوب انعام دیا گیا تھا۔ تھوڑے سے ہیرے میں نے اپنے پاس رکھ لیے تھے مگر یہی میرے لیے مصیبت بن گئے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ ایک شام میں اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا کہ ایک شخص میرے کمرے میں گھس آیا۔ یہ شدید زخمی تھا کچھ بتائے بغیر اس نے میرے کمرے میں دم توڑ دیا اور اس وقت پولیس آ گئی مجھے پولیس نے اس شخص کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ وہ ایک جوہری تھا اور ہیروں کا کاروبار کرتا تھا اس نے پولیس کو اطلاع دی تھی کہ اسے جان کا خطرہ ہے اور آخر کار وہ ختم ہوگیا اور میرے پاس سے ہیرے برآمد ہوئے جن کے بارے میں پولیس نے میرے بیان کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ بہرحال مجھے جیل بھیج دیا گیا اور یہاں سے میری زندگی کے نئے باب کا آغاز ہوا۔ ایک دن جیل کے احاطے میں کام کرتے ہوئے میری نگاہ ایک نوجوان پر پڑی اور میرا دل بند ہونے لگا۔ یہ میرا بھائی نوید تھا۔ نوید اصل میں میرے ماموں کا بیٹا تھا۔ ماموں صاحب کے انتقال کے بعد وہ دونوں بہن بھائی نوید اور ثمینہ ہمارے پاس آ گئے تھے اور ہمارے سگے بہن بھائیوں کی مانند ہمارے ساتھ رہتے تھے۔ یہ بے چارے بھی میری مشکل کا شکار ہوگئے تھے۔ نوید بھی مجھے دیکھ کر دیوانہ ہوگیا۔ ہم دونوں بھائی ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ بعد میں نوید نے مجھے اپنی کہانی سنائی۔ اس نے بتایا کہ اسے میرے ماں باپ کا پتہ نہیں ہے۔ یہ ایک طویل کہانی تھی اور آخر میں اس نے مجھے جو کچھ بتایا اس نے مجھے پاگل کردیا۔ ارجن ہمارا بچپن کا دوست تھا، اس نے ہماری عزت پر ہاتھ ڈالا تھا اور ثمینہ کو اغوا کرلیا تھا۔ نوید نے اور بھی بہت سی باتیں بتائیں تھیں۔ ارجن کی بیوفائی سے میرا بھی خون کھول اٹھا تھا۔

"وہ کہاں ہے۔"

"میں اس کا سراغ لگا رہا ہوں، نوید نے بعد میں جو کہانی سنائی وہ بڑی سنسنی خیز تھی۔ اب وہ ایک جرائم پیشہ تھا تاش کے پتوں سے دولت کمانا اس کا کاروبار تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ یہاں ایک دو دن کا مہمان ہے اس کے بعد باہر نکل جائے گا۔

"تمہاری سزا ختم ہو رہی ہے؟"

نہیں میرے دوست بلکہ میرے دوست مجھے یہاں سے فرار کرا رہے ہیں۔ لیکن فکر نہ کرو اب ہم دونوں یہاں سے نکلیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ ایک خوبصورت پلان کے تحت ہم جیل سے نکل گئے اور پھر بہت سے مرحلے طے کرتے ہوئے ایک منزل کی

طرف بڑھنے لگے۔ دولت کا حصول ہمارے لیے کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ ہمارا کام ارجن کی تلاش تھا اور ابھی تک کہیں سے کچھ سراغ نہیں ملا تھا۔ بہرحال پہلے دونوں نے ایک کلب میں جوا کھیلا تھا۔ نوید نے جیبیں بھرلیں اور اب ہم اعلیٰ ہوٹل میں قیام کر سکتے تھے۔ میں جانتا تھا کہ نوید یہ رقم کہاں سے لایا ہے لیکن میں اسے منع نہیں کر سکتا تھا۔ ہم دونوں عیش نہیں کر رہے تھے بلکہ ایک مشن پر کام کر رہے تھے۔ ہمیں ہر وقت ثمینہ کو تلاش کرنا تھا اور اس کی وجہ سے خود کو پولیس سے بھی روپوش رکھنا تھا چنانچہ ہم نے اپنے حلیے بالکل بدل لیے۔ اب ہم کوئی رئیس زادے معلوم ہوتے۔ انتہائی اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں رہتے، نوید نے فرنچ کٹ داڑھی رکھ لی اور میں نے بھی گھنی مونچھیں رکھ لیں تھیں جس سے ہماری شکل کافی بدل گئی تھی۔

ہمارا کام شام نگر کے کونے کونے کی تلاش تھا۔ آئندہ پروگرام ہم نے غلام پور کا رکھا تھا۔ خیال تھا کہ پہلے تمام بڑے شہروں میں ارجن کو تلاش کیا جائے اس کے بعد چھوٹے شہروں کا انتخاب کیا جائے ہم بھٹکتے رہتے۔ ڈیڑھ ہفتے کے قریب ہوگیا تھا اور ہم نے بمبئی کا کونہ کونہ چھان مارا میں اور نوید الگ الگ بھی گھومتے تھے۔ پھر ایک شام مجھے اپنے ہوٹل میں تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ نوید اندر آیا۔ اس کا چہرہ جوش سے چمک رہا تھا اور آنکھوں سے عجیب سے چمک تھی۔

"کیا بات ہے۔"

میں نے سرسراتے لہجے میں پوچھا تھا کہ شاید پولیس کو ہمارا سرغ مل گیا۔ لیکن نوید نے جو کچھ بتایا وہ بالکل مختلف تھا۔

"ارجن مل گیا ہے بھائی جان؟"

اس نے کہا اور میں جوش سے کھڑا ہوگیا۔

"کہاں ہے کیا اس کے ساتھ ثمینہ بھی تھی۔"

میں نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ تو نہیں معلوم، میں نے صرف اسے دیکھا ہے، ایک مقامی فلم کمپنی کے ڈائریکٹر کے ساتھ تھا۔ پہلے وہ ڈائریکٹر کی کوٹھی میں گیا اور اس کے بعد وہاں سے اکیلا ایک مکان میں۔ میں نے وہاں تک اس کا تعاقب کیا اور پھر پڑوسیوں سے معلوم کرلیا کہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ارجن یہیں رہتا ہے۔ میرا دل تو چاہ رہا تھا بھائی جان کہ وہیں ارجن سے نپٹ لوں لیکن پھر سوچا کہ آپ کو اس نیک کام سے الگ کیوں رکھا جائے۔ اٹھئے اب انتظار کی تاب نہیں ہے۔"

میں کھڑا ہوگیا اور ہم دونوں نیچے اتر کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ میرے دل میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ثمینہ میری بہن تھی۔ محبت کرنے والی بہن۔ میں بھی اس پر جان چھڑکتا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ حالات نے ہم سب کو ایک دوسرے کے لیے اجنبی بنا دیا تھا لیکن خون کی محبت کیسے ختم ہوسکتی ہے۔ اب اتنے عرصے کے بعد ثمینہ سے ملنے کے خیال نے میرے ذہن میں بے چینی پیدا کردی تھی۔ ثمینہ کی محبت پہلے سے سوا ہوگئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ میں اسے اس کی بھول پر خلوص دل سے معاف کردوں گا۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے اور یہ صرف اس کی غلطی نہیں بلکہ منحوس تیجا کا میرے خاندان سے انتقام تھا اس نے سب کے ذہن بدل دیئے تھے۔ تیجا کے تصور نے میرے ذہن میں پھر لرزہ طاری کردیا۔ اب وہ شیطان کون سی چال سوچ رہا ہوگا۔ اس کی طرف سے جان ہر وقت سولی پر لٹکی رہتی تھی۔ نجانے کون سے اقدام پر اس کی کون سی چال ہو اور یہ تصور بڑا پریشان کن تھا تاہم میں نے دل میں خدا سے دعا کی کہ مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھے اب تو میرا سب کچھ برباد ہو چکا تھا۔ اگر سکون کے چند سانس مل جائیں تو کون سی بڑی بات ہو جائے گی۔ مجھے اپنی زندگی نہیں چاہئے تھی۔ لیکن میرے بہن اور بھائی جو اب میرے خاندان کے آخری فرد تھے وہ تو سلامت رہیں۔ ٹیکسی اس علاقے میں پہنچ گئی جہاں ارجن رہتا تھا اور نوید نے ڈرائیور کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ بل ادا کرکے ہم دونوں نیچے اترے اور دھڑکتے دل سے ارجن کے مکان پر پہنچ گئے۔ نوید نے دروازے پر دستک دی اندر سے آواز آئی۔

"کون ہے؟"

آواز ارجن کی تھی۔ میں نے صاف پہچان لی۔ نوید نے کوئی جواب نہیں دیا اور دوبارہ دستک دی۔

"ابے کون ہے؟"

ارجن نے اس بار کرخت آواز میں کہا اور پھر ایک موٹی سے گالی دے کر شاید

اٹھ گیا۔ چند منٹ کے بعد ہی دروازہ کھل گیا اور ہمیں اس کی شکل نظر آئی لیکن وہ ہمیں نہیں پہچان سکا۔

"کیا بات ہے بابو جی؟"

اس نے بغور ہم دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم نے تم سے کچھ بات کرنی ہے کاروباری بات۔"

نوید نے کہا۔

"آجاؤ۔ اندر آجاؤ مجھے بھی پیسے کی سخت ضرورت ہے۔"

ارجن نے پیچھے ہٹ کر کہا۔ اس کے منہ سے شراب کی بدبو آرہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ پی رہا تھا۔ ارجن نے خود ہی دروازہ بند کردیا اور ہمیں اندر چلنے کی ہدایت کی۔ میری نظریں پورے گھر میں ثمینہ کو تلاش کر رہی تھیں۔ اندر ایک کمرے میں کچھ پرانی کرسیاں اور میز پڑی ہوئی تھیں۔ میز پر شراب کی بوتل رکھی ہوئی تھی اور ایک گلاس جس کے پیندے میں شراب موجود تھی۔

"بیٹھ جاؤ بابو جی!"

ارجن نے کہا۔

"کیا یہاں اس مکان میں اور کوئی نہیں ہے؟"

میں نے پوچھا۔

"میرے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے؟"

ارجن بولا۔

"ہوں"

میں نے گردن ہلائی ویسے میرا دل بجھ گیا تھا نجانے ثمینہ کو اس ذلیل نے کہاں رکھ چھوڑا ہے۔ میں نے خونی نظروں سے ارجن کو دیکھا اور بولا۔

"تم نے مجھے نہیں پہچانا ارجن"

"ایں ..... میں ..... میں تو واقعی نہیں پہچانا، کیا ہماری پہلے سے ملاقات ہے؟"

ارجن نے باری باری ہمیں گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں بہت گہری ملاقات، ہم بہت گہرے دوست تھے، ارجن غور سے دیکھو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں نوید ہوں جس کے اوپر تم نے بڑے احسانات کیے ہیں جسے تم نے کام پر لگایا تھا اور جس کی بہن کو تم لے کر بھاگ آئے تھے، کیا بھول گئے؟"

ارجن آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار تھے اور پھر وہ ہڑبڑانے والے انداز میں بولا۔

"ارے ہاں، تم تو فرید ہی ہو اور یہ ..... یہ نوید ہے تم لوگوں کی تو جون ہی بدل گئی۔"

"ثمینہ کہاں ہے؟ میں نے اسے مزید بکواس کا موقع دیئے بغیر کہا۔"

"ثمینہ ..... کون ثمینہ؟"

اس نے بوکھلاتے ہوئے کہا اور نوید کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

"جسے تم لے آئے تھے۔"

میں تو کسی کو نہیں لایا تھا تمہیں غلط فہمی ....."

ابھی ارجن نے اتنا ہی کہا تھا کہ نوید کا طاقتور گھونسا اس کے منہ پر پڑا اور اس کے دونوں ہونٹ کٹ گئے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ پکڑ لیا اور پھر خون تھوکنے لگا۔ ویسے اس کی آنکھیں بھی غصے سے سرخ ہوگئیں۔ خون تھوکتے ہوئے اس نے اچانک نیفے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے چاقو نکال لیا اور پھر وہ اسے کھول ہی رہا تھا کہ میں اس پر ٹوٹ پڑا۔ نجانے میرے جسم میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی یوں ہی میں نے سوچا کہ ارجن زیادہ سے زیادہ مجھے قتل ہی کردے گا تو یہ میری عین خواہش تھی لیکن نا صرف یہ کہ چاقو میرے ہاتھ میں آ گیا بلکہ میرے گھونسے نے ارجن کو زمین چٹا دی اور وہ اوندھے منہ گرا اس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن نوید کی بوٹ کی ٹھوکر سے چت گر پڑا۔ نوید نے اس کے ہاتھ سے گرا ہوا چاقو اٹھا لیا اور خونخوار انداز میں اس کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو ..... ٹھہرو ..... میں نے ہار مان لی ہے۔"

ارجن دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"ثمینہ کہاں ہے؟"

نوید اس کے سامنے چاقو لہراتے ہوئے بولا۔

"وہ ..... وہ اب میرے پاس نہیں ہے۔ بھگوان کی سوگند اب وہ میرے پاس

نہیں ہے۔"

"پھر کہاں ہے مردود"

"وہ تو یہاں سے بہت دور چلی گئی میں نے ..... میں نے اسے ایک بردہ فروش کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔"

یہ سن کر ہم دونوں پر بجلی گر پڑی! ثمینہ نجانے کہاں ماری ماری پھر رہی ہے، کیسی بدقسمت تھی وہ لیکن نوید سنبھلا اس نے غصہ سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ارجن جھوٹ مت بولو، ورنہ میں تیرے جسم کی ایک ایک بوٹی کردوں گا۔"

"میں بھگوان کی سوگند کھا چکا ہوں میں غلط نہیں کہہ رہا ابھی دو مہینے پہلے میں نے اسے بمبئی میں فروخت کیا تھا۔ بردہ فروش اسے اور اس کے ساتھ دوسری لڑکیوں کو لے کر فارن کنٹری کی طرف گئے تھے۔"

"کیا تم اسے بردہ فروش کو جانتے ہو ارجن؟"

آخر میں نے سنبھل کر کہا۔

"ہاں مشہور آدمی ہے اور ان علاقوں میں بہت بدنام ہے وہ یہاں سے دبئی گیا ہوگا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ جائے گا۔"

"کیا نام ہے اس کا؟"

"قربان علی"

میں نے نوید کی طرف دیکھا۔ نوید اس طرح کھڑا تھا جیسے اس کا سب کا لٹ گیا ہو اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دیا اور کہا۔

"زندگی ہے تو نوید، ہم ثمینہ کو تلاش کر ہی لیں گے، مایوس مت ہو۔"

"میری بہن نجانے کہاں کہاں ماری ماری پھر رہی ہوگی بھائی جان۔"

نوید سسک پڑا۔

"روؤ نہیں نوید، رونے سے کچھ نہ بنے گا، ہمیں ہمت سے کام لینا ہے، ہم ثمینہ کو ضرور تلاش کرلیں گے۔"

میں نے اسے دلاسہ دیا اور پھر انتہائی نرمی سے ارجن سے کہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ہم زمانے کے ستائے ہوئے ہیں ارجن، اگر تم ثمینہ کے بارے میں جھوٹ بول رہے ہو تو اب بھی سچ بتا دو ہم تمہیں اس کی بہترین قیمت دے سکتے ہیں یہ دیکھو۔"

میں نے جیب سے نوٹوں کی موٹی گڈی نکال کر اس کے سامنے کر دی۔

"اوہ..... اس کا مطلب ہے تمہارے دن پھر گئے ہیں مجھے کچھ دیتے جاؤ۔ فرید میں آج کل بہت پریشان ہوں۔ ویسے میں پرماتما کی سوگند کھا کر تمہیں بتا چکا ہوں۔ میں نے ایک لفظ غلط نہیں کہا۔ قربان علی کو اچھی قیمت دے کر ثمینہ واپس لے سکتے ہو۔

"ہم تمہاری پریشانیوں کا خاتمہ کر کے جائیں گے ارجن۔"

میں نے کہا اور نوید کے ہاتھوں سے چاقو لے لیا۔ ارجن کے ہونٹوں سے بہنے والا خون اب بند ہو چکا تھا لیکن اس کی ہمت پست ہو گئی تھی وہ ہم دونوں سے مرعوب ہو گیا تھا اس نے میری اس حرکت کو خوف کی نظروں سے دیکھا اور پھر گھگھیاتے ہوئے بولا۔

"مجھے شما کر دو فرید بابو، مجھ سے بڑی بھول ہوئی میں..... میں"

لیکن دوسرے لمحے میرے ہاتھ میں دبا ہوا چاقو اس کے شانے اور گردن کے درمیان پیوست ہو کر نکل آیا۔ ارجن کے حلق سے ایک دھار نکلی اور خون اچھلنے لگا۔ وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا لیکن نوید نے ٹانگ مار کر اسے گرا دیا اور پھر اس نے ارجن کا منہ بھینچ لیا میرا ہاتھ مشینی انداز میں کام کرنے لگا اور میں نے گن کر ارجن کے پورے جسم پر سو وار کیے میں نے اس کا پورا جسم گود کر رکھ دیا اور پھر ہم دونوں مزے سے ارجن کی پھڑکتی لاش دیکھتے رہے اور جب وہ سرد ہو گیا تو میں نے مسکرا کر نوید سے کہا۔

"دل ٹھنڈا ہوا نوید؟"

میں نے پوچھا۔

"ثمینہ مل جاتی بھائی جان تو دوسری بات تھی۔"

نوید نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"فکر مت کرو ہم اسے بھی تلاش کر لیں گے۔ ہماری زندگی کا مقصد اور کیا ہے۔"

میں نے کہا اور چاقو کے دستے سے انگلیوں کے نشانات صاف کر کے اپنے

لباس کا جائزہ لینے لگا۔ کوٹ پر خون کے دھبے پڑ گئے تھے۔ پتلون پر بھی کہیں کہیں تھے۔ میں نے حتی الامکان اپنا لباس بچایا تھا۔ بہرحال کوٹ اتار کر میں نے ہاتھ پر ڈال لیا اور ہم دونوں اطمینان سے دروازہ کھول کر باہر گئے۔ کافی دیر تک ہم پیدل چلتے رہے اور پھر ایک ٹیکسی روک کر اس پر بیٹھ گئے۔ ٹیکسی والے کو ایک باغ کا پتہ بتا دیا گیا۔ پارک میں پہنچ کر میں نے خون آلود کوٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور اسے مختلف حصوں میں چھپا دیا۔ پھر وہاں سے ہم اپنے ہوٹل آ گئے۔ یہاں آ کر میں نے پہلے ایک خاص لوشن سے پتلون پر پڑی ہوئی خون کی چھینٹوں کو صاف کیا اور پھر اسے دوسرے چند کپڑوں کے ساتھ لانڈری بھجوا دیا۔ ذلیل اور غدار ارجن کا کام تمام ہو گیا تھا لیکن ہمارے دل کی آگ اور بڑھ گئی تھی۔ مظلوم ثمینہ کی صورت آنکھوں میں بھر جاتی۔ غور کرنے پر اس کی ذرا سی بھی غلطی نہ محسوس ہوئی۔ وہ ناتجربہ کار تھی اور اس کی عمر شادی کی تھی۔ عسرت کی زندگی نے اس کی دل میں حسرتیں پیدا کر دیں اور ایسے میں ارجن نے اسے سبز باغ دکھائے۔ غلطی ہماری ہی تھی ہم نے ہی غنڈہ صفت انسان کو اپنے خاندان میں داخل کیا۔ ثمینہ بے گناہ ہے۔ ہوٹل کے کمرے میں ہم دونوں اپنی اپنی سوچ میں غرق تھے، پھر نوید نے مجھ سے کہا۔ "ہم دبئی چلیں گے بھائی جان۔"

"بے شک قربان علی کی تلاش وہاں ہی کی جا سکتی ہے ہم پورے طور پر کام کریں گے لیکن اب مسئلہ پاسپورٹ وغیرہ کا ہے۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہمارے پاس نہ وقت ہے اور نہ حالات ہی ایسے ہیں کہ ہم پاسپورٹ وغیرہ بنوا سکیں۔ پورے ملک میں ہمیں تلاش کیا جا رہا ہے ایسی شکل میں۔"

"یہ تو درست ہے پھر کیا ارادہ ہے؟"

"یہ شام نگر ہے بھائی جان سمگلروں کی جنت میرا خیال ہے یہاں کچھ نہ کچھ انتظام ضرور ہو جائے گا۔ میں شام ہی کو نکلتا ہوں، ایسے لوگوں کی تلاش کروں گا جو انسانوں کو سمگل کرتے ہیں۔"

نوید نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ نوید درست ہی کہہ رہا تھا اور پھر جرائم پیشہ افراد کے سلسلے میں وہ مجھ سے زیادہ واقفیت رکھتا تھا۔ شام کو نوید نے غسل وغیرہ کر کے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لباس تبدیل کیا اور مجھ سے اجازت لے کر نکل گیا۔ نوید کے جانے کے بعد میں بستر پر لیٹ کر خیالات میں گم ہوگیا۔ میں جو بے شمار کہانیوں کا خالق تھا۔ میرے ذہن کیا اختراع دلچسپ کہانیوں کو جنم دیتی تھی۔ اب خود ایک کہانی بن گیا تھا۔ ایک عجیب و غریب کہانی جسے اگر قلم بند کیا جائے تو بہتوں کو اس پر یقین نہیں آئے گا۔ وہ اسے بھی ایک دلچسپ کہانی سمجھے گا۔ میرے کردار قتل و غارت گری بھی کرتے تھے۔ مصیبتوں میں بھی پھنستے تھے اور انہیں مصیبتوں سے نکالنے کے لیے میں کیسے کیسے جتن کرتا تھا لیکن اب میں خود مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا۔ میری تمام زندگی غم کی داستان بن گئی تھی لیکن میرے خالق نے میری طرف سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ مجھے اس مصیبت سے نکالنے کے لیے کوئی جتن نہیں کررہا تھا اور ایک شیطان اپنی من مانی کر رہا تھا۔ میں نجانے کب تک انہیں خیالات میں گھرا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے نیند آگئی اور میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ ایک انتہائی حیرت انگیز خواب۔ میں نے دیکھا میں ایک ویران صحرا میں بھٹک رہا ہوں اور پیاس سے نڈھال تھا۔ میری ٹانگیں جواب دے چکی تھی لیکن میں گھسیٹ رہا تھا اوپر سورج اور نیچے ریت جو کافی گرم تھی میری زبان شدت پیاس سے باہر نکل آئی اور پھر میں گر پڑا۔ ریت میرے پورے جسم کو بھوننے لگی اور میں تڑپنے لگا۔ ایسے میں میری دھندلائی آنکھوں نے ایک سایہ دیکھا وہ میری طرف آرہا تھا اور پھر وہ ہیولا واضح ہوتا گیا۔ یہ تیجا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک صراحی تھی جو پانی سے بھری ہوئی تھی۔

"پیو گے"

اس نے صراحی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور میں نے زبان کھول دی لیکن دوسرے لمحے تیجا نے صراحی کھینچ لی۔

"پہلے میرا کام کردے بالک! پھر پانی ملے گا۔"

"پانی مجھے دو..... خدا کے لیے مجھے پانی دو" میں نے بمشکل کہا۔

"خدا کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے تو مجھے مسجد میں پہنچا دے اور پانی پی لے۔"

"میں ..... میں تیار ہوں..... میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا اور تیجا کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

تب پھر اٹھ کھڑا ہو جاء"

اس نے کہا اور نجانے کہاں سے میرے جسم میں قوت آگئی۔ میں کھڑا ہوگیا لیکن پیاس بدستور مجھے لگ رہی تھی۔ تیجا میرے کندھوں پر سوار ہوگیا اور میں چل پڑا مجھے تیجا کا وزن بالکل محسوس نہیں ہو رہا تھا اور میں بے تکان چلا جا رہا تھا۔ چند قدم ہی چلا تھا کہ میں نے خود کو تارا گڑھ کی وادیوں میں پایا۔ وہی جانا پہچانا راستہ، وہی خوشبو میرے وطن کی مہک میں نے بوڑھے کاشارام کو دیکھا جو اپنے کام میں مصروف تھا۔ میں چلتا رہا اور تھوڑی دوری پر مجھے وہی مسجد نظر آنے لگی۔ میرے قدم تیزی سے مسجد کی طرف بڑھ رہے تھے کہ تھوڑے فاصلے پر میں نے دو سائے دیکھے وہ دونوں اس طرح کھڑے تھے جیسے میرا راستہ روک رہے ہوں۔ آہستہ آہستہ سے ان کے قریب پہنچ گیا اور میرا دل اچھل پڑا۔ میں نے ان دونوں کو پہچان لیا۔ وہ میرے والد اور چچا تھے۔ والد صاحب غصیلی نظروں سے مجھے گھور رہے تھے اور پھر ان کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"فرید کیا کر رہے ہو، ہم نے تیرے لیے قربانی دی ہے تو ہماری قربانی کو ضائع کرنا چاہتا ہے۔ واپس لوٹ جا، اس بوڑھے کو زمین پر پٹخ دے یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

لیکن اس وقت بوڑھے نے میرے جسم کے گرد اپنی ٹانگوں کی گرفت سخت کردی اس نے میرے دونوں کان بند کردیئے۔ آنکھیں بند کردیں اور مجھے کسی گھوڑے کی طرح ہانکنے لگا۔ میں آگے بڑھ گیا اور تھوڑی دور جا کر اس نے میری آنکھیں کھول دیں اب والد صاحب اور چچا سامنے نہیں تھے مسجد اتنی ہی دور تھی۔ میں آگے بڑھتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں مسجد کے سامنے تھا لیکن مسجد کے دروازے میں میں نے اپنی ماں کو دیکھا، تقدس کا پیکر دروازے میں کھڑا تھا۔ سر سے پاؤں تک سفید لباس، چہرے پر نور، ہاتھ میں تسبیح، وہ محبت سے میرے چہرے کو دیکھ رہی تھی اور پھر محبت سے میرے چہرے کو دیکھ رہی تھی اور پھر محبت سے لبریز کی آواز گونجی۔

فرید! تم زندگی کی محنت کیوں گنوا رہے ہو بیٹے، ہماری قربانیوں کو اس طرح ضائع نہ کرو صبر کرو میرے لعل! اس منحوس کو اتار پھینکو۔ اس کی ناکامی کا دور شروع ہو چکا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے قہر کو للکارا ہے اس سے پوچھو وہ حکیم صاحب کے خاندان کو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کیوں نہیں تباہ کر سکا۔ اس سے پوچھو کہ وہ تمہیں نوید کو بچانے سے کیوں نہیں روک سکا۔ اسے اپنی من مانی کرنے دو بیٹے، حالات کا مقابلہ کرو، ہر محنت کے بعد راحت ہوتی ہے انتظار کرو، تم جو قربانی دے رہے ہو اس کا تمہیں بہت عمیم صلہ ملنے والا ہے اور میرے قدم رک گئے۔ میں نے نفرت بھری نظروں سے تیجا کو دیکھا اور اسی وقت میں نے خود کو بھی صحرا میں محسوس کیا۔ دوسرے لمحے میں نے تیجا کو ریت پر پٹخ دیا اور اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی صراحی ٹوٹ گئی۔ میں پیاسا تھا اب مجھے پانی کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔ کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ میرا ذہن ابھی تک خواب کے سحر میں ڈوبا ہوا تھا لیکن جب دستک زور سے ہوئی تو میں چونک پڑا اور جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ نوید تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں تھی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

''سو گئے تھے بھائی جان؟''

اس نے پوچھا۔

''ہاں آنکھ لگ گئی تھی۔''

میں نے بوجھل لہجے میں کہا۔ اس خواب نے میرے ذہن پر عجیب سا اثر کیا تھا والد اور والدہ کے چہرے میری نگاہوں میں گھوم رہے تھے لیکن میں نے نوید سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ کہتا بھی کیا۔ نوید لباس تبدیل کرنے لگا اور پھر اس نے کہا اسے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ میں نے ویٹر کو بلا کر کھانے کے لیے کہا اور پھر کھانا کھاتے ہوئے نوید نے اپنی کارکردگی کے بارے میں بتایا۔

''مجھے بہت مشکل سے ایک آدمی کا پتہ ملا ہے اس کا نام پیٹر ہے، ویسے عیسائی ہے۔ بندرگاہ کے علاقے کا غنڈہ ہے۔ سمگلنگ کرتا ہے، ویسے اس کی لانچیں جو بظاہر مچھلیاں پکڑتی ہیں لیکن اس سے کام دوسرا ہوتا ہے۔ بہرحال اس سے مل نہیں سکا کل دس بجے کا وقت ملا ہے میں اپنا پیغام چھوڑ آیا ہوں۔''

''ہوں''

میں نے گردن ہلا دی۔

''کیا بات ہے کچھ اداس ہو گئے ہیں بھائی جان۔''

نوید نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نوید نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔''

''کوئی بات نہیں میں آئندہ ہونے والے واقعات پر غور کر رہا تھا۔''

''دیکھا جائے گا بھائی جان! فکر نہ کریں۔ خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ثمینہ ہمیں ضرور مل جائے گی۔''

''ہاں یقیناً میں نے دل سے کہا ویسے میرے دل میں خوشی کی لہر پھوٹ رہی تھی۔ والدہ نے خواب میں جو کچھ کہا تھا۔ حقیقت پر مبنی تھا۔ درحقیقت حکیم صاحب صاف بری ہو گئے تھے۔ نوید کا مل جانا میری خوش قسمتی کی دلیل تھا۔ نوید کی وجہ سے میری ہمت بندھ گئی تھی اور اب وقتی طور پر زندگی سے مایوسی ختم ہو گئی تھی۔ میرے دل میں ثمینہ کو حاصل کرنے کی لگن پیدا ہو گئی تھی۔ کام خود بخود ٹھیک ہوتے جا رہے تھے۔ خدا نے میری سن لی تھی اور اب تیجا کی فرعونی قوت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ شاید یہ بچا کھچا خاندان پھر سے یکجا ہو سکے۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں اور نوید کمرے سے نکل آئے ہم تھوڑی دیر تک چہل قدمی کرتے رہے اور پھر کمرے میں واپس آ گئے۔ باوجود اس کے میں کافی دیر تک سوتا رہا تھا مجھے جلد ہی نیند آ گئی۔ ایک طویل عرصے کے بعد میں نے ایک پرسکون رات گزاری میرے اضطراب میں کافی کمی ہو گئی تھی۔ دوسری صبح جب میں اٹھا تو ہشاش بشاش تھا۔ نوید ابھی تک سو رہا تھا۔ میں غسل خانے میں داخل ہو گیا اور پھر غسل سے فارغ ہو کر نکلا تو نوید جاگ چکا تھا۔ ہم دونوں نے ناشتہ کیا اور پھر بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے۔ اتنی دیر میں میرا اخبار پہنچ گیا اور اخبارات کی سرخیوں دیکھنے لگا اور پھر شہر کے ایک علاقے میں قتل ہونے والے ارجن نامی شخص کی خبر کی سرخی کو دیکھ کر میں چونک پڑا اور جلدی جلدی وہ خبر پڑھنے لگا۔ خبر میں لکھا تھا کہ ارجن کا ایک دوست جب اس سے ملنے آیا تو اس نے دروازہ کھلا دیکھا وہ اندر داخل ہوا تو صحن میں خون آلود جوتوں کے نشانات دیکھے اور پھر وہ اندر داخل ہوا تو اس نے ارجن کی بھیانک لاش دیکھی۔ ارجن کے جسم کو کسی دھار دار آلے سے بری طرح گود دیا گیا تھا۔ پولیس کا خیال ہے کہ قاتل کوئی جنونی تھا اس نے کسی شدید جذبے کے تحت ارجن کو قتل کیا اور اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے جسم پر وار کرتا رہا۔ ارجن کے پڑوسیوں نے بتایا کہ انہوں نے دو فیشن ایبل نوجوانوں کو ارجن کے مکان میں داخل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوتے ہوئے دیکھا تھا پھر انہیں نکلتے نہیں دیکھا۔

"پولیس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ بہت جلد ارجن کے قاتل کا پتہ چلائے گی۔"

اس خبر کو پڑھ کر مجھے کوئی خاص وحشت نہیں ہوئی تاہم ہلکا سا احساس ضرور ہوا تھا۔ میں نے اخبار نوید کے سامنے کردیا اور نوید بھی اس خبر کو دلچسپی سے پڑھنے لگا۔ پھر پوری خبر پڑھنے کے بعد اس نے کہا۔

"درحقیقت ہم نے جوتوں کا خیال نہیں رکھا۔ بہرحال ابھی یہاں سے نکلنے کے بعد سب سے پہلے ان جوتوں کو ضائع کر کے نئے جوتے خرید لیں گے۔"

"بالکل میرا خیال ہے چلیں دکانیں کھل گئیں ہوں گی، یوں بھی ہمیں دس بجے پیٹر کے پاس پہنچنا ہے اور ہم دونوں اٹھ گئے۔ ابھی ہم کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف بڑھے ہی تھے کہ دفعتاً نوید میرا بازو پکڑ کر تیزی سے گھوم گیا، ہم راہداری کے دوسرے سرے کی طرف جا رہے تھے لیکن مجھے نوید کی اس حرکت کی وجہ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ سیڑھیوں پر چڑھنے والی پولیس کی وردی میں بھی دیکھ چکا تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ نوید کیا کرنے والا ہے۔ راہداری کے دوسری طرف کو دروازہ بھی نہیں تھا۔ یہ راہداری ایک دوسری راہداری سے ملتی تھی جہاں اس جیسے کمرے موجود تھے۔ بہرصورت میں تیز قدموں سے نوید کے ساتھ چلتا ہوا اس دوسری راہداری میں پہنچ گیا۔ نوید کی تیز نظریں کسی چیز کا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر وہ ایک کمرے کے سامنے رک گیا۔ اس نے جیب سے ایک عجیب سی ساخت کا تار نکالا اور کمرے کا تالا کھولنے لگا۔ درحقیقت وہ اس کام کا ماہر تھا چشم زدن میں اس نے تالا کھول لیا اور میرے بازو پکڑ کر اندر دھکیلتے ہوئے بولا۔

"بھائی جان جلدی سے کمرے کی پشت پر کھلنے والی کھڑکی کھول دی۔"

یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ میں کچھ سمجھ بھی نہیں پایا تھا چند سیکنڈ تک مجھے دروازے پر آہٹ محسوس ہوتی رہی اور پھر مجھے نوید کے الفاظ کا خیال آیا۔ میں تیزی سے کمرے کی پشت کی طرف دوڑا اور وہ کھڑکی کھول دی جو ہوٹل کی عقبی سمت ایک پتلی سی گلی میں کھلتی تھی۔ کھڑکی کھول کر میں باہر جھانکنے لگا۔ اتنا احمق بھی نہ تھا کہ نوید کا مقصد نہ سمجھ سکتا چند لمحات کے بعد میں نے نوید کو سیمنٹ کے اس کمزور پائپ پر اترتے دیکھا جو

گندے پانی کی نکاسی کے لیے لگے ہوئے تھے۔ نوید پائپ پر پاؤں جما رہا تھا میں نے اضطراب کے عالم میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں کہ کوئی نوید کو دیکھ تو نہیں رہا مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ دوسری طرف مجھے ان پائپ کا بھی خطرہ تھا پتلے سیمنٹ کے پائپ تومند نوید کا بوجھ سنبھال بھی سکیں گے یا نہیں۔

لیکن ہمارے ساتھ کچھ پراسرار قوتیں بھی سفر کر رہی تھیں اس لیے بہت سے ایسے کام ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں عقل ساتھ نہ دیتی۔ نوید بخیر و خوبی کھڑکی تک پہنچ گیا اور پھر میرے ہاتھ کا سہارا لے کر اندر آیا۔ اندر آ کر وہ گہری گہری سانس لیتا رہا۔ میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور پھر کھڑکی بند کرتے ہوئے بولا۔

"کھڑکی سے روشنی اندر آ رہی ہے اس لیے اسے بند کرنا ہی بہتر ہے تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو جائے۔"

"کمرے کا مکین اگر اندر آ گیا؟"

"آ گیا تو دیکھا جائے گا لیکن میرے خیال سے یہ کمرہ خالی ہے دیکھئے الماری وغیرہ بھی کھلی پڑی ہے۔ اگر کوئی اس میں مقیم ہوتا تو تھوڑا بہت سامان ضرور ہوتا۔"

"جی ہاں، اب ہوٹل کے لوگوں کو گمان بھی نہیں ہوگا کہ اس بند کمرے میں بھی کوئی موجود ہے۔"

نوید نے مسکراتے ہوئے کہا پھر کہنے لگا۔

"میری خواہش ہے کہ پولیس دس بجے سے پہلے واپس چلی جائے تاکہ ہم پیٹر کو دیئے ہوئے وقت پر پہنچ سکیں نہ جانے اس کی لانچ کس وقت جا رہی ہے۔"

"لیکن پولیس اتنے صحیح پتے پر پہنچی کس طرح؟"

ان کا کام ہے بھائی جان! اسی ذہانت کی تنخواہ لیتے ہیں۔ ہمیں ان کے نہیں اپنے بارے میں سوچنا چاہئے کہ ہم ان کی ذہانت کو شکست دے کر یہاں سے کیسے نکل سکتے ہیں۔"

نوید نے کہا اور اچانک اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ کمرے کے باہر بھاری قدموں کی آواز گونج رہی تھی پھر کسی کمرے کے دروازے کو کھٹکھٹایا گیا اور کسی نے دروازہ کھول دیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اندر کون ہے؟"

ایک سخت آواز ابھری۔ مم، میری بیوی جناب، کسی کو ادھر آتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں کمرے میں تھا کیسے دیکھ سکتا۔ دوسری آواز سنبھل گئی۔

"ہوں، اس کمرے میں کون رہتا ہے۔"

پھر اسی آواز نے اس کمرے کے دروازے پر کوئی چیز مارتے ہوئے کہا جس میں یہ دونوں موجود تھے۔

"یہ تو پندرہ دن سے خالی ہے جناب۔"

ایک تیسری آواز ابھری۔

"پھر آخر کہاں مر گئے۔ کان کھول کر سن لو، میں ہوٹل کے ایک ایک کمرے کی تلاشی لوں گا۔ یہی میری ڈیوٹی ہے۔ میری غلط اطلاع نہیں تھی اور میں ان لوگوں کو یہاں سے برآمد کیے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے لیکن ہوٹل کے مہمانوں کے اعتراض کے آپ جواب دہ ہوں گے۔"

تیسری آواز ابھری۔ بھاری آواز پھر نہ سنائی دی۔ البتہ قدموں کی آوازیں آگے بڑھ گئیں تھیں۔ میرے چہرے پر سنسنی کے آثار تھے لیکن نوید کافی دلچسپی سے یہ گفتگو سن رہا تھا۔

"کوئی ضدی پولیس افسر معلوم ہوتا ہے خیر کوئی بات نہیں ہے۔ وہ بھی کیا یاد کرے گا۔"

نوید نے کہا اور ایک صوفہ دروازے کی طرف گھسیٹ کر اس پر بیٹھ گیا۔ صوفہ گھسیٹنے سے تھوڑی سی آواز پیدا ہوئی اور میں نے چونک کر نوید کو دیکھا لیکن نوید مسکرا دیا۔

بیٹھئے بھائی جان..... اب تو ان کے دفع ہونے کا انتظار کرنا ہوگا لیکن ٹھہریئے کیا آپ ان سیمنٹ کے پائپ کے ذریعے نیچے اتر سکتے ہیں؟"

کیوں نہیں لیکن اگر کسی نے دیکھ لیا تو۔"

"نو رسک نو گیم بھائی جان ہمیں خطرہ مول لینا ہوگا۔ پیٹر کے پاس ہر قیمت پر دس بجے سے پہلے پہنچنا ہے صرف چند منٹ انتظار کرلیں ممکن ہے وہ کسی کمرے کی کھڑکی

سے پشت پر جھانکیں ان کی واپسی کے بعد ہم گلی میں اتر کر چل دیں گے ورنہ یہاں تو وہ لوگ کافی دیر تک رکیں گے۔ افسر کی باتوں سے یہ اندازہ ہوتا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔ بلاشبہ نوید ان معاملات میں مجھ سے زیادہ ذہین اور تجربہ کار تھا۔ وہ پولیس والوں کی نفسیات سے مجھ سے زیادہ واقف تھا۔ ہم لوگ مزید کچھ دیر انتظار کرتے رہے پھر نوید نے کمرے کی پشت پر پہنچ کر کھڑکی کھولی اور تھوڑی سی گردن نکال کر پہلے ہوٹل کی پشت پر اوپر اور پھر دائیں بائیں نگاہ ڈالی گلی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بظاہر کوئی نہیں تھا لیکن نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کون کس وقت کھڑکی کھول کر گلی میں دیکھنے لگے۔

"مجھے دیکھ لیں بھائی جان! جس طرح میں اتروں اس طرح اتر جائیں۔"

نوید نے کہا اور چھلاوے کی طرح کھڑکی سے باہر نکل گیا۔ میں دوڑتا ہوا کھڑکی پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ نوید کسی بندر کی سی پھرتی سے پائپ سے نیچے پھسل رہا ہے چند لمحات کے بعد وہ نیچے تھا۔ میرے اندر نوید کی سی پھرتی نہیں تھی لیکن بہرحال نیچے اترنے میں میں نے دیر نہیں کی پھر ہم دونوں تیزی سے گلی سے نکل آئے۔ سڑک پر پہنچ کر ہم نے ہوٹل کے دروازے کی طرف دیکھا، پولیس کے کئی سپاہی باہر ٹہل رہے تھے۔

"کم بختوں نے پوری بٹالین کے ساتھ حملہ کیا ہے۔"

نوید مسکراتے ہوئے بولا اور ہم لوگ آگے بڑھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ٹیکسی نظر آئی اور ہم اس پر بیٹھ کر چل پڑے۔ نوید نے بندرگاہ کا رستہ بتا دیا تھا۔ ٹیکسی سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ ہماری نظریں سڑک کے دونوں طرف لگی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی ہم پیچھے بھی دیکھ لیتے تھے۔ لیکن ابھی تک خطرے کی کوئی علامت نہیں تھا تھوڑی دیر کے بعد ہم بندرگاہ کے علاقے میں پہنچ گئے اور پھر نوید نے ایک جگہ ٹیکسی رکوا لی ہم نے اتر کر بل ادا کیا اور پیدل ایک طرف چل پڑے۔

"وہ سامنے ایک عمارت نظر آرہی ہے۔"

اس نے ایک مٹیالی سی عمارت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہ پیٹر کا ہوٹل ہے، یہاں خطرناک قسم کے ملاح آتے ہیں اور کھلے عام جوا، شراب چلتی ہے جبکہ لائسنس صرف ہوٹل کا ہے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نوید نے مجھے بتایا میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل کی عمارت کے نزدیک پہنچ گئے اور نوید نے کاؤنٹر کلرک کے نزدیک پہنچ کر پیٹر کے بارے میں پوچھا۔

"کیا کام ہے؟"

کاؤنٹر کلرک نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا اور نوید کی بند مٹھی اس کے سامنے کھل گئی جس میں سو روپے کا ایک نوٹ تھا۔

"تم بھول گئے دوست، کل میں ایک پیغام چھوڑ گیا تھا اور تم نے آج کا وعدہ کیا تھا۔"

نوید نے مسکراتے ہوئے کہا اور کاؤنٹر کلرک نے نوٹ لے کر جیب میں رکھ لیا اور پھر بولا۔

"مجھے یاد آ گیا، سالے مغز سے بات اتر گئی تھی۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے ایک گھنٹی بجائی اور ایک قوی ہیکل آدمی بیرے کے لباس میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"جناب لوگ کو پیٹر کے پاس پہنچا دو۔"

قوی ہیکل بیرے نے گردن ہلائی اور ہم دونوں کو گردن کے اشارے سے اپنے پیچھے آنے کے لیے کہا۔ ہم خاموشی سے چل پڑے۔ ویسے مجھے اس خطرناک ماحول کا پورا پورا احساس تھا مگر اب کسی بھی ماحول کی ہماری نظروں میں کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی ہم قاتل تھے اور مفرور قیدی تھے اور ابھی نجانے کیا کچھ کرنا تھا۔ ہم راہداری سے گزر کر ایک ہال میں پہنچے جس میں تین دروازے نظر آ رہے تھے۔ دفعتاً بیرے نے اپنے لباس سے ایک اعشاریہ دو پانچ کا پستول نکال لیا اور ہماری طرف تان کر کھڑا ہو گیا۔

"اپنے ہاتھ بلند کر دو۔"

اس اچانک واقعے پر ہم ساکت رہ گئے تھے۔

"کیا تمہارے پاس کوئی ہتھیار ہے؟"

قوی ہیکل بیرے پوچھا اور نوید نے اطمینان کی سانس لی اور پھر اس نے دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی نہیں ہے تم تلاشی لے سکتے ہو۔"

بیرا آگے بڑھا۔ ایک ہاتھ سے اس نے پستول سنبھالا اور دوسرے سے ہم دونوں کی تلاشی لینے لگا۔ پھر پستول وغیرہ محسوس نہ کر کے اس نے گردن ہلائی اور ہمیں ہال کے ایک دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"کرائے کے بدمعاش اور پولیس والے ہمیشہ استاد پیٹر کے چکر میں رہتے ہیں اس لیے ہم تلاشی لیے بغیر کسی کو ان سے ملنے نہیں دیتے۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔"

نوید جلدی سے بولا اور ہم دروازہ کھول کر اندر پہنچ گئے بیرا ابھی ہمارے ساتھ تھا اندر پہنچ کر اس نے کسی سے کچھ کہا۔

"استاد یہ کل والے آدمی ہیں۔ جوزف نے آپ سے تذکرہ کیا تھا۔"

"اوہ..... آنے دو۔"

ایک صوفے سے آواز آئی جس کی پشت دروزے کی طرف تھی اور بیرے نے ہم دونوں کو اشارہ کیا ہم آگے بڑھ کر اس شخص کے سامنے پہنچ گئے۔ صورت سے درحقیقت خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ چوڑا چکلا جسم، ٹھگنا قد اور چہرے پر زخموں کے بے شمار نشانات۔

"کیا بات ہے کیوں آئے ہو؟"

اس نے انتہائی نرم اور مہذب لہجے میں کہا اور ہم دونوں شکریہ ادا کر بیٹھ گئے۔

"ہم دبئی جانا چاہتے ہیں۔ سنا ہے آپ کی لانچیں یہ کام کر سکتی ہیں۔"

"کرتی رہتی ہیں لیکن آج کل چیکنگ سخت ہے۔ اس لیے میں نے کاروبار بند کر رکھا ہے اب لانچیں صرف سامان لاتی اور لے جاتی ہیں۔"

"ہمارا جانا بے حد ضروری ہے کسی بھی طرح کسی بھی قیمت پر۔"

نوید نے کہا۔

"کوئی واردات کر کے فرار ہو رہے ہو؟"

تجربہ کار پیٹر مسکراتے ہوئے بولا۔

"یہ بات نہیں دراصل ہمیں ایک بردہ فروش کی تلاش ہے وہ ہماری بہن کر لے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس سے اپنی بہن کو واپس حاصل کرلیں۔"

"بردہ فروش کون ہے، کیا نام ہے اس کا؟"

پیٹر نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"قربان علی۔"

"اوہ، ہاں مجھے اس کے آنے کی اطلاع ملی تھی۔ مجھے بھی اس سے دو دو ہاتھ کرنے تھے لیکن یہاں اس کا پتہ نہیں چل سکا اور وہ چوروں کی طرح نکل گیا۔ بہرحال اگر یہ بات ہے تو میں تیار ہوں۔ لیکن تم لوگوں کو ملاحوں کی طرح جانا ہوگا۔ عام آدمیوں کے لیے آج کل گنجائش نہیں ہے۔"

"ہم تیار ہیں۔"

نوید جلدی سے بولا۔

"وہ..... دو ہزار روپے نکالو۔"

پیٹر نے کہا اور میں بوکھلا گیا۔ اتنی رقم تو فی الحال نہیں تھی لیکن نوید کے بارے میں میرا اندازہ غلط تھا نوید درحقیقت ماہر فن ہوگیا تھا اس نے جیب سے سو سو کے نوٹوں کی کی گڈی نکالی اور چار ہزار روپے نکال کر پیٹر کے سامنے ڈال دیئے۔ پیٹر نے نوٹ گن کر جیب میں ڈالے اور پھر بولا۔

"شہر میں کوئی کام تو نہیں ہے۔"

"نہیں..... کیوں؟ نوید نے پوچھا۔"

"تب پھر شام تک ہوٹل کے ایک کمرے میں قیام کرو، چھ بجے ایک لانچ جا رہی ہے تمہیں دبئی چھوڑتی ہوئی نکل جائے گی۔ ٹھیک پانچ بجے تیار ہو جانا۔ میرا آدمی تمہیں ملاحوں کے کپڑے دے دے گا۔ تمہارا اپنا کوئی سامان نہیں ہے۔"

"کچھ نہیں۔"

نوید نے کہا اور اس نے باہر کسی طرف رخ کرکے کسی کو آواز دی ایک آدمی فوراً اندر آگیا۔

"ان لوگوں کو کمرہ نمبر 8 میں پہنچا دو۔ کوئی تکلیف نہ ہو۔"

اس آدمی نے گردن ہلا دی۔ چھوٹے سے کمرے میں ہم نے وقت گزارا۔

درحقیقت ان لوگوں نے ہماری کافی مدارت کی اور پھر پانچ بجے ہم ملاحوں کے لباس میں ہوٹل سے نکل آئے۔ ایک کھٹارہ قسم کی ویگن ہمیں لے کر چل پڑی اور جو صورت شکل میں پیٹر سے ملتا جلتا تھا اس سے ہمارا تعارف کرایا گیا ٹھیک چھ بجے لانچ نے ساحل چھوڑ دیا اور جب ساحل ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تو ہم دونوں نے سکون کی سانس لی۔ نوید مسکراتے ہوئے مجھے دیکھنے لگا۔

"خدا کا شکر ہے بھائی جان فی الحال ایک مصیبت سے تو جان چھوٹ گئی۔"

"ہاں"

میں نے ایک گہری سانس لی۔

"اب دوسری مصیبتیں ہماری منتظر ہیں۔"

نوید خاموشی سے میری شکل دیکھنے لگا اس کے چہرے پر غور و فکر کے آثار تھے۔ میں بھی سمندر کے اٹھتے بگولوں کو دیکھتا رہا۔ شام جھک رہی تھی اور سورج کے گولے کا آخری سرا سمندر میں غروب ہو رہا تھا۔ مجھے آنے والی مشکلات کا احساس تو تھا لیکن نجانے کیوں قدرتی طور پر مایوسی اب میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ میں پہلے کی طرح پژمردہ نہیں تھا۔ تیجا کا خیال اب بھی میرے ذہن میں آکر میرے دل کو لرزا دیتا تھا لیکن میں اس کے ساتھ ہی اپنے دل میں ایک ہمت بھی پاتا جیسے کسی نامعلوم قوت نے میرے دل کو سہارا دے دیا ہو۔ اس کا محرک کیا تھا، نوید کا ساتھ، بہن کے حصول کی خواہش یا پھر اور کوئی پراسرار قوت۔

لیکن میں اس بارے میں فیصلہ نہ کر سکا۔ اب رات ہوگئی تھی لانچ اور تیز ہوگئی۔ ہمیں رات کا کھانا دیا جو بھنی ہوئی مرغی کی رانوں، چاول اور میٹھے پر مشتمل تھا۔ کھانے کے بعد عمدہ قسم کی کافی ملی اور پھر ایک آدمی نے کہا۔ اگر ہم آرام کرنا چاہیں تو جگہ بتا دی جائے۔ ہم ملاحوں کے لباس میں ضرور تھے لیکن ہم سے ملاحوں کا کام نہیں لیا جا رہا تھا اور لانچ پر ہمارے ساتھ دوسروں کا رویہ بھی اچھا تھا۔ یہ شاید قربان علی کے نام سے پیٹر کی نفرت کا نتیجہ تھا ورنہ اتنی آسانیاں فراہم نہ ہوتیں۔ رات آہستہ آہستہ بہتی رہی۔ لانچ تیز رفتاری سے سفر طے کر رہی تھی۔ سمندر پر چاندنی چٹکی ہوئی تھی اور میں اور نوید اس سخت اور کھاری جگہ پر سونے کی مضحکہ خیز کوشش کر رہے تھے۔ جب کافی کوشش کے بعد نیند نہ آ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سکی تو نوید اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے جھک کر مجھے دیکھا اور میں بول پڑا۔

"کیا بات ہے نوید؟"

اوہ میں دیکھ رہا تھا بھائی جان، کیا آپ کو نیند آئی؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوا۔"

میں نے کہا۔

"تب سونے کی اداکاری کرنے سے کیا فائدہ، آیئے ریلنگ کے ساتھ کھڑے ہوں۔"

اس نے کہا اور میں بھی اٹھ گیا۔ ہم ریلنگ کے ساتھ کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔

"اب سب سے بڑا مسئلہ خیریت کے ساتھ دبئی میں داخل ہونے کا ہے۔ شہر میں پہنچنے کے بعد تو ہم وہاں قیام کی کوشش کر سکتے ہیں لیکن ساحل سے بچ کر نکل جانا سب سے بڑی بات ہے۔"

"جہاں اتنی آسانیاں فراہم ہوئی ہیں نوید، وہاں قدرت یہ انتظام بھی کر دے گی۔"

میں نے کہا۔

"تھوڑے گناہ کر چکے ہیں بھائی جان، چند بے گناہ بھی ہمارے ہاتھ سے مارے جا چکے ہیں، کیا ابھی قدرت ہماری مدد کرے گی۔"

"ہم نے گناہ برائے گناہ نہیں کیے ہیں نوید، بلکہ اس کے لیے مجبور کر دیئے گئے ہیں۔ مجھے خدا پر بھروسہ ہے۔ وہ میرے دل کا حال جانتا ہے اور پھر ہمارے ساتھ کچھ دعائیں بھی ہیں۔ تم یقین رکھو ہم ہر منزل سے گزر جائیں گے۔"

میں نے بڑے وثوق سے کہا اور میری اس بات سے نوید کا چہرہ شگفتہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں امید کے چراغ روشن ہو گئے۔ ہم دونوں کافی دیر تک اسی طرح گفتگو کرتے رہے اور اچانک بہت دور کچھ روشنیاں نظر آئیں گو سمندر صاف تھا اور چاندنی میں چمک رہا تھا لیکن یہ روشنیاں اتنی دور تھیں کہ ہم ان کے بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکے لیکن لانچ میں ابتری پھیل گئی۔ شاید یہ لوگ ان روشنیوں کا مقصد سمجھ گئے تھے جو برابر جل

اور بجھ رہی تھی۔ ملاح ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ ایک آدمی ہمارے قریب سے گزرا اور میں نے اسے روک کر پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

"بحری پولیس ہم ایک ملک سے قریب سے گزر رہے ہیں۔ شاید اس کی بحری پولیس نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔"

"اب کیا ہوگا؟"

"مقابلہ"

اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ اتنی دیر میں لانچ کا ڈرائیور، کپتان ہمارے پاس آیا اور پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولا۔

"کیا آپ لوگ رائفلیں چلانا جانتے ہیں ان سے بچ کر نکل جانے میں ہی ہماری عافیت ہے ورنہ"

"ہاں ہمیں رائفلیں دو۔"

نوید نے کہا اور کپتان دوڑتا ہوا آگے بڑھ گیا پھر ہم لوگوں کو بھی کارتوسوں کی کافی تعداد اور دو عدد رائفلیں دے دی گئیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک موزچہ بھی ہمارے سپرد کر دیا گیا۔ دور نظر آتی ہوئی روشنیاں اب قریب آتی جا رہی تھیں۔

"حالات ایک دم بگڑ رہے ہیں بھائی جان! کیا خیال ہے مقابلہ کریں یا۔"

وہ چند ساعت رکا اور پھر بولا۔

"نکل جانے کی کوشش کریں۔"

"نکل کیسے جاؤ گے؟"

چاروں طرف سمندر ہے۔ میں نے حیرت سے کہا۔ نوید کسی سوچ میں گم تھا پھر وہ گردن جھٹکتے ہوئے بولا، دیکھا جائے گا پہلے حالات دیکھتے ہیں۔ اگر پولیس ان لوگوں پر بھاری پڑی تو ہم نکلنے کی کوشش کریں گے اور پھر اس نے پولیس کی بڑی لانچ پر نظریں جما دیں۔ پولیس کی لانچ کافی تیز رفتار تھی اور قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھی۔ ادھر پیٹر کے ساتھیوں نے پانی لانچ کی رفتار سست کر دی تھی۔ اس طرح وہ پولیس والوں کو دھوکے میں ڈال رہے تھے اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرتے تو پولیس کو یقین ہو جاتا کہ وہ سمگلر وغیرہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہیں پھر پولیس میگا فون پر ایک آواز ابھری۔

"کون ہو تم لوگ روشنی کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ ورنہ ہم تمہیں سمگلر سمجھ کر فائرنگ شروع کر دیں گے۔"

ہمیں مدد کی ضرورت ہے ہماری مدد کرو۔"

"تم لوگ کون ہو؟"

پوچھا گیا۔

"ایک تجارتی لانچ ہے۔ ہمارے پاس لائسنس موجود ہے تم دیکھ سکتے ہو۔ کپتان نے کہا اور پولیس کی لانچ اور قریب آنے لگی بہت سے لوگ سامنے ریلنگ پر آ کھڑے ہوئے وہ بھی مسلح تھے اور اس لانچ کے آدمی بدستور مورچے لیے بیٹھے تھے۔ دفعتاً کپتان کی آواز گونجی۔

"فائر" اور اس کے ساتھ ہی پولیس لانچ پر گولیاں برس پڑیں پولیس لانچ سے بے شمار چیخیں ابھریں ادھر سے برابر فائرنگ ہو رہی تھی اور پولیس لانچ پر ابتری پھیل گئی تھی اس کے ساتھ ہی اچانک لانچ کے انجن سٹارٹ ہو گئے اور لانچ تیر کی طرح آگے بڑھی درحقیقت کپتان نے بڑی ہوشیاری سے کام کیا تھا۔ پولیس کو مصیبت میں ڈال کر نکل جانے کی یہ ترکیب بڑی عمدہ تھی لیکن بہت جلد پولیس والے بھی سنبھل گئے۔ لانچ رائفلوں کی رینج سے نکل گئی تھی یا پھر شاید ان کے پاس اتنے آدمی نہیں رہے تھے کہ وہ رائفلوں سے مقابلہ کرتے اس لیے ایک گرجدار آواز سنائی دی اور ایک خطرناک گولہ لانچ کے پچھلے سرے پر لگا۔ ایک زبردست جھٹکے سے لوگ ادھر ادھر گر پڑے میں اور نوید بھی لڑھک گئے تھے اور رائفل نوید کے ہاتھ سے نکل کر سمندر میں جا پڑی تھی۔ پولیس لانچ اب باقاعدہ تعاقب کر رہی تھی۔ اس میں لگی ہوئی توپ گولے برسا رہی تھی۔ یہ قسمت ہی تھی کہ پہلے گولے کے بعد کوئی گولہ ابھی تک لانچ میں نہیں لگا تھا لیکن پہلے ہی گولے نے لانچ کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا اس کا اندازہ ابھی نہیں لگایا جا سکا تھا۔ بلاشبہ کپتان ایک ماہر ملاح تھا۔ یہ لانچ پولیس سے ہلکی تھی۔ کپتان سمندر ہی سے اسے ہرا دیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا تاکہ گولہ اس پر نہ پڑ سکے اور چونکہ پولیس لانچ اتنی پھرتی سے نہ مڑ سکتی تھی اس لیے اس کے برسائے ہوئے گولے بیکار جا رہے تھے۔ بہرحال اس نے پیچھا نہ چھوڑا۔ لانچ کی

تمام روشنیاں گل تھیں لیکن چاندنی میں وہ صاف نظر آ رہی تھی۔ پولیس لانچ والوں کی طرف سے اچانک گولہ باری بند ہو گئی۔ شاید انہوں نے مغالطے میں ڈالنے کے لیے ایسا کیا تھا یا پھر ان کا کوئی اور پروگرام تھا۔ کیونکہ لانچ کی رفتار اچانک تیز ہو گئی تھی۔ چنانچہ فاصلہ کم ہونے لگا لیکن اس کے ساتھ ہی شاید پولیس لانچ والے نشانہ بھی درست کر رہے تھے کیونکہ کئی فٹ کی بھاگ دوڑ کے بعد جبکہ لانچ والے توپ کے خطرے سے باہر ہو گئے تھے اچانک ایک دھماکہ سنائی دیا اور اس بار گولہ لانچ کے وسط میں آ گرا تھا۔ کئی چیخیں سنائی دیں اور لانچ کے انجن بند ہو گئے۔ گولے نے کپتان کے کیبن کا نام و نشان مٹا دیا تھا اس کے ساتھ ہی لانچ میں پانی بھرنے لگا نوید نے بھی بجلی کی طرح میرے ہاتھ سے رائفل جھپٹ کر پھینک دی اور میرا بازو پکڑ کر جھکے جھکے ایک طرف دوڑنے لگا۔ لانچ کے پچھلے سرے پر پہنچ کر اس نے لانچ سے بندھے ہوئے ٹیوب کھولے کچھ اور لوگ بھی ان ٹیوبوں کو حاصل کر رہے تھے۔ میں ان کے مقابلے کے لیے ڈٹ گیا اور میرے طاقتور گھونسوں نے ان لوگوں کو بدحواس کر دیا۔ اتنی دیر میں نوید دونوں ٹیوب کھول چکا تھا اور اس نے ٹیوبوں کے ساتھ رسیاں بھی باندھ لی تھیں۔ آخری آدمی کو زیر کرنے کے لیے اس نے بھی میرا ساتھ دیا۔ پولیس لانچ سے اب مشین گن کی آواز سنائی دے رہی تھی اور ہماری لانچ پر چیخیں گونجنے لگی تھیں۔

"سنبھالیے بھائی جان۔"

نوید نے کہا اور ہم دونوں نے ٹیوب گردن سے پہن کر سمندر میں چھلانگ لگا دی ہماری انتہائی کوشش تھی کہ لانچ سے زیادہ سے زیادہ دور ہو جائیں۔ سمندر میں اترنے کے بعد مجھے نوید کی ایک اور ذہانت آمیز کارروائی کا احساس ہوا۔ نوید نے دونوں ٹیوبوں کے درمیان ایک رسہ باندھ لیا تھا تاکہ سمندر میں ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں۔ اس طرح موت کے منہ میں جاتے ہوئے بھی ایک بھائی کی محبت کا احساس میرے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ ہم لوگ پوری ہمت اور طاقت صرف کر کے لانچ کے مخالف سمت تیرنے لگے۔ دونوں لانچوں میں جنگ ہو رہی تھی اور یہ اچھی بات ہے اس دوران ہمیں دور نکل آنے کا موقع مل گیا تھا۔ یہاں تک کہ دھماکوں تک کی آواز معدوم ہو گئی۔ ہم بہت تیز رفتاری سے سفر کر رہے تھے۔ ہمارے سامنے کوئی منزل نہیں تھی۔ بیکران سمندر ایسا لگتا تھا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جیسے ہم دو انسانوں کے علاوہ کوئی جاندار نہ ہو اور پوری دنیا ایک سمندر ہو۔ چاند کا سفر جاری رہا۔ ہم لوگوں نے خود کو لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا ہمارے ہاتھ پاؤں شل ہوگئے تھے اور اب صرف ٹیوب ہمیں سنبھالے ہوئے تھے۔ رات گزری اور مشرق سے صبح نمودار ہونے لگی۔ اس طرح سمت کا تعین ہوگیا لیکن ہمارے سامنے امید کی کوئی کرن نہیں تھی ابھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں لہریں کس طرح ہمیں لے جا رہی ہیں۔ سورج ابھر آیا اور اس کے ساتھ ہی ہمارے دلوں میں امید کا ایک آفتاب روشن ہوگیا۔ کافی دور..... سورج کی کرنوں نے ایک بادبان ہماری نگاہوں میں چمکا دیا۔ یقیناً وہ کسی کشتی کا بادبان تھا۔ میں نے نوید کی طرف دیکھا۔ نوید بھی بادبان کو دیکھ رہا تھا پھر وہ لرزتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیا آپ اسے دیکھ رہے ہیں بھائی جان؟"

ہاں نوید، ہمیں اپنی قوت سمیٹ کر اس طرف چلنا ہوگا۔"

میں نے کہا۔

"میں خود بھی یہی کہنے والا تھا بھائی جان! وہ بہت دور ہے۔ دوسرے کسی ذرائع سے ہم اسے متوجہ نہیں کر سکتے اس لیے ہمیں خود اس تک چلنا ہوگا۔"

"تو آؤ" میں نے کہا اور دونوں بازو اور پیروں کے استعمال سے آگے بڑھنے لگا۔ ہوا مہربان تھی اور وہ بھی ہمیں اس طرف دھکیل رہی تھی اس لیے زیادہ قوت نہ صرف کرنا پڑی اور اب ہمیں وہ چھوٹی سی کشتی نظر آنے لگی جس کا بادبان تھا۔ کچھ اور قریب پہنچنے کے بعد ہمیں کشتی میں بیٹھا ہوا ایک آدمی بھی نظر آیا جو شاید مچھلیاں پکڑ رہا تھا اس کی نگاہ بھی ہم دونوں پر پڑی گئی لیکن اس نے کسی قسم کی گرم جوشی کا اظہار نہیں کیا اور اسی طرح بیٹھا ہوا سپاٹ نظروں سے ہمیں دیکھتا رہا۔ لیکن اس وقت اس کی نظروں سے ہمیں کیا لینا تھا یہاں تو زندگی بچانے کی خوشی تھی چنانچہ ہم اس کے قریب پہنچ گئے۔

"ہمیں مدد کی ضرورت ہے کیا ہم تمہاری کشتی میں بیٹھ سکتے ہیں۔"

"آؤ"

اس نے سرد لہجے میں کہا اور ہم دونوں اوپر پہنچ گئے اوپر پہنچ کر ہم نے ٹیوب اپنے جسموں سے الگ کیے اور کشتی میں لمبے لیٹ گئے ہمیں زبردست تھکن کا احساس ہو رہا

تھا۔ کشتی میں بیٹھا ہوا تنہا آدمی بدستور ڈوری ڈالے بیٹھا رہا۔ عجیب بے حس انسان تھا۔ اس نے ہم سے ہمارے بارے میں بھی نہیں پوچھا۔ قریب ہی مچھلیوں کی بساند آ رہی تھی۔ ہم نے نظریں گھما کر دیکھا۔ دس بارہ مچھلیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جو شاید اس نے ابھی پکڑی تھیں۔ کافی دیر تک ہم لوگ کشتی میں پڑے رہے۔ پھر میں اٹھ گیا اس دوران اس نے دو مچھلیاں پکڑی تھیں۔

"سنو دوست"

میں نے اس شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے مخاطب کیا اور اس نے لمبی گردن گھما کر ہمیں دیکھا۔ اس کے بدن سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ آنکھیں پھیلی پھیلی اور چہرہ عجیب غلیظ قسم کا تھا۔ نجانے کیوں مجھے اس سے شدید کراہت محسوس ہوئی۔

"کیا بات ہے؟"

اس نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔

"کیا خشکی یہاں سے قریب ہے"

"سات میل دور ہے۔"

وہ جنوب میں بائیں سمت تھی۔ اس نے کہا اور میں نے اس کے اشارے پر اس لکیر کی طرف دیکھا جو دور سے صرف ایک لکیر نظر آ رہی تھی۔

"اگر تم اس وقت مچھلیاں پکڑنے کا ارادہ ترک کر دو اور ہمیں ساحل پر پہنچا دو تو تمہاری مہربانی ہوگی۔"

اس نے مچھلیوں کی طرف دیکھا اور پھر گردن ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ گو اس کا رویہ بہت خشک تھا۔ اس کی ہیبت نہایت بدنما تھا لیکن اس کے اس تعاون سے ہم متاثر ہوئے اور اس نے بادبان کا رخ موڑ دیا اور کشتی اس جزیرے کی طرف بڑھنے لگی نوید بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

"وہ کون سا جزیرہ ہے؟"

میں نے پوچھا۔

"سندرا"

اس نے مختصراً جواب دیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"کتنی آبادی ہے اس کی"

نوید نے پوچھا۔ لیکن اس بات کا جواب نہ ملا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے۔ ہم دونوں خاموش ہوگئے۔ کشتی ساحل کی طرف بہتی رہی اور لکیر واضح ہوگئی۔ ہم جزیرے پر جھومنے والے درخت دیکھ رہے تھے۔ کہیں کہیں ٹیلے بھی نظر آرہے تھے اور آخر کار کشتی ساحل پر پہنچ گئی۔ ہم دونوں نے پانی میں کود کر اپنے پیروں کے نیچے زمین محسوس کی اور ہمارے دل مسرت سے لبریز ہوگئے۔ ہم کئی خطرات سے زندہ سلامت نکل آئے تھے۔ ہمارا کریہہ محسن بھی ہمارے ساتھ ساتھ نیچے اتر آیا۔ اس نے گھسیٹ کر کشتی ایک کھونٹے سے باندھ دی جو ساحل کی ریت میں گڑے ہوئے تھے اور گردن سے ہمیں ساتھ آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ اس کی چال بھی بڑی مضحکہ خیز تھی۔ بہرحال ہم اس کے ساتھ چلتے ہوئے ریت کی بلندی طے کرنے لگے۔ پھر ڈھلان شروع ہوگئی۔ ڈھلان پر ہمیں کھجور اور تاڑ کے بے شمار درخت نظر آئے جنہیں دیکھ کر کافی مسرت ہوئی۔ گویا غذائی مسئلہ بھی نہیں تھا۔ درختوں کے درمیان سے گزر کر آخر کار ایک چوکور سے مکان کے نزدیک پہنچ گئے۔ اس جزیرے پر ایسے مکان دیکھ کر ہمیں حیرت ہوئی وہ کسی اصطبل کی طرح تھا لیکن اس کی دیواریں چھوٹی اینٹوں سے بنی ہوئی اور کافی مضبوط تھیں اندر داخل ہونے کا صرف ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ ہمارے غلیظ میزبان نے دروازے سے اندر داخل ہو کر ہماری طرف دیکھا۔ گویا اندر آنے کی دعوت دے رہا ہو اور ہم اس مکان میں داخل ہوگئے لیکن اندر داخل ہوتے ہی ہمیں اپنے سانس بند کر لینے پڑے۔ مکان کیا تھا میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ اصطبل نما تھا لیکن کسی اصطبل میں اس کی عشیر عشیر بھی بو نہ ہوگی۔ چاروں طرف سے سرانڈ اٹھ رہی تھی۔ اس کے علاوہ تاریکی بھی پھیلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے کچھ نظر نہ آرہا تھا۔ ہمارا میزبان بھی ہمارے ساتھ اندر آگیا تھا لیکن اب بھی وہ نظر نہیں آرہا تھا۔

"نوید"

میں نے گھبرائے انداز میں نوید کو آواز دی۔

"جی بھائی صاحب" نوید گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔ بدبو کی وجہ سے اسے کھانسی اٹھ رہی تھی۔

"نکل چلو یہاں سے، یہاں رکنا مشکل ہے۔"

میں نے کہا اور نوید نے میرا ہاتھ پکڑ لیا لیکن اچانک روشنی کی وہ لکیر جو کھلے دروازے سے اندر آرہی تھی غائب ہوگئی۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ ہم دونوں ہی دروازے کی طرف لپکے، لیکن مضبوط دروازہ باہر سے بند تھا۔

"میرے منہ سے ڈوبتی ہوئی آواز نکلی"

"اس گھٹن اور بدبو میں تو ہم مر جائیں گے۔"

اس سے قبل کہ نوید کوئی جواب دے ایک کونے میں مٹی کے تیل کا چراغ روشن ہوگیا اور اصطبل نما مکان میں زرد مدقوق سی روشنی پھیل گئی۔ چراغ روشن کرنے والا ہمارا محسن ہی تھا۔ ہم نے اسے حیرت اور خوف سے دیکھا اور اگر اندر ہے تو باہر سے دروازہ کس نے بند کیا ہے۔ میں سوچ رہا تھا اور نوید اس مکان میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔ بڑی گندی جگہ تھی۔ اس طرح نالی بنی ہوئی تھی۔ جس کے کنارے کنارے سیاہ رنگ کی کیچڑ پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف سیاہ رنگ کی کوئی چیز کافی تعداد میں پڑی ہوئی تھی۔ جس کے بارے میں بعد میں معلوم ہوا کہ جما ہوا پرانا خون ہے۔ مچھلیوں کے چھوٹے بڑے سر چاروں طرف بکھرے پڑے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے آبی جانوروں کے ڈھانچے بھی جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ بہت سے جانوروں کے جسم میں ابھی گوشت لگا تھا اور اس گوشت میں کیڑے رینگ رہے تھے اور یہ سڑانڈ انہی تمام چیزوں کی تھی۔ اس وحشت خیز ماحول میں ہم تو کیا اچھے اچھوں کا پتا پانی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے وحشت زدہ انداز میں کہا۔

"دروازہ کھلوؤ، دروازہ کس نے بند کیا ہے۔"

"میں نے بند کیا ہے اور تمہیں اسی جگہ رہنا ہوگا۔"

میزبان نے جواب دیا۔

"کیا بکواس ہے، ہمیں یہاں کون رکھ سکتا ہے تم کون ہو۔"

نوید نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔ ہمارا میزبان مسکرا رہا اور اس کے غلیظ اور پیلے دانت بے حد بھیانک نظر آرہے تھے۔ میں بھی جلدی سے ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ میزبان نوید کے بجائے مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"میں گرو تیجا کا داس ہوں فرید بابو۔ کیا تم سندر پار سفر کر کے گرو دیو سے مکتی حاصل کر سکتے ہو۔ یہ تمہاری بھول ہے۔ گرو دیو کی شکتی مہان ہے کسی طرح بھی ان کے پنجے سے نہیں بچ سکتے تم اتنا سفر کر چکے ہو، پر گرودیو کی آنکھ کے ایک اشارے سے تارا گڑھ پہنچ سکتے ہو۔ اب بھی وقت ہے کہ دیو کو ابھی تمہارے پر غصہ نہیں آیا۔ ان کی بات مان لو اور سنسار کی گھٹاؤں سے بچ جاؤ۔"

"ذلیل کتے، تو اس لیے ہمیں نکال کر یہاں تک لایا ہے۔ منحوس بوڑھا یہاں تک بھی پہنچ گیا۔"

میں نے طیش کے عالم میں کہا اور اس غلیظ انسان کی گردن پکڑ لی۔ میں اس کی گردن پوری قوت سے دبا رہا تھا اور مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ گردن میرے ہاتھ میں تحلیل ہو رہی ہے اور چند سیکنڈ صرف چند سیکنڈ، اس کے بعد گردن غائب تھی اور کندھوں اور گردن کے جوڑ سے سرخ سرخ خون ابل رہا تھا۔ میں دہشت زدہ انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ میری آستین خون سے سرخ ہوگئی تھی اور نوید۔ وہ سکتے کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت بغیر سر کے شیطان کا ایک بھیانک قہقہہ سنائی دیا اور اس کی آواز گونجی۔

"ٹھیک ہے فرید بابو، اب باقی جیون یہیں بتاؤ، بھوک اور بدبو تمہارا بھاگ ہے۔ ہاں اگر تمہارے من میں کبھی مہاراج کی بات مان لینے کا خیال آجائے تو تین بار گرودیو کا نام لے کر دھرتی چھو کر ماتھے کو لگا لینا۔ گرودیو تمہارے پاس آجائیں گے اور تمہاری سہارتا کریں گے۔ میں جا رہا ہوں تم سے ملتا رہوں گا۔"

اچانک ہی اس کا جسم ہلنے لگا اور پھر وہ بے سر کا جسم زمین پر گر پڑا پر چند ساعت تڑپنے کے بعد اس نے ایک اور بد ہیت شکل اختیار کر لی۔ وہ انگلی کے برابر اور ہاتھ بھر لمبا ایک کیڑا بن گیا جس کے جسم پر لمبے لمبے بال تھے اور پھر وہ رینگتا ہوا نالی میں اتر گیا۔ چند لمحات کے بعد وہ نالی سے باہر تھا۔ نوید اب بھی پتھر کے بت کی طرح ساکت و جامد کھڑا تھا۔ میں نے اسے جھنجوڑا اور وہ اچھل پڑا اس کا سارا جسم پسینے میں شرابور تھا اور آنکھوں سے دہشت جھانک رہی تھی۔

"یہ سب کیا ہے بھائی جن، یہ سب کیا ہے۔ وہ..... وہ..... وہ۔"

نوید بری طرح ہانپنے لگا۔ ابھی تک میں نے کسی کو اپنی بدنصیبی کی تفصیل نہیں

بتائی تھی جنہیں کچھ معلوم تھا وہ اس دنیا میں نہیں تھے۔ اب نوید کے سامنے کچھ واقعات پیش آگئے تھے۔ اس سلسلے میں اب خاموش رہنا مناسب نہیں تھا۔ دوسرے نوید سوالیہ انداز میں میری شکل دیکھ رہا تھا چنانچہ میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ یہ میری بدنصیبی کی داستان ہے نوید یہ ہماری مصیبت کا قصہ ہے اور یہ مصیبت اس منحوس دن سے شروع ہوئی جب میں شنع گڑھ کی ڈھلانوں پر کہانی کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ میں نے نوید کو شروع سے آخر تک تفصیل بتا دی اور نوید کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"آہ! بھائی جان تو صرف اتفاقیہ حالات نہیں ہیں بلکہ ایک منحوس انسان کے انتقام نے ہمارے بھرے پرے گھر کو اجاڑ دیا ہے کہاں ہے ذلیل کتا، مجھے اس کا پتہ بتایئے جو ہماری مصیبتوں کا ذمہ دار ہے۔"

"وہ گندی قوتوں کا مالک ہے نوید یہ اس کا ہرکارہ تھا۔ کئی بار اس نے مجھے اس کی بات مان لینے کی ترغیب دی ہے۔"

"لیکن وہ مسجد میں کیوں جانا چاہتا ہے بھائی جان، یہ کیا راز ہے۔"

"مجھے بھی نہیں معلوم، لیکن اتنا جانتا ہوں کہ گندی قوتوں کا مالک وہ انسان جس کے نمائندے یہاں تک پہنچ سکتے ہے ہیں جو اس کی زبردست قوتوں کا پرچار کرتے پھرتے ہیں اپنے قدموں میں چل کر مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا اگر وہ ایسا کر سکتا تو میرے پیچھے نہ پڑتا۔"

"عجیب راز ہے، اگر ہماری اس حالت کا ذمہ دار وہی شخص ہے تو پھر ہم اس کی قوتوں سے کیسے لڑ سکیں گے۔"

"ان قوتوں کے سہارے جو اس کے بس میں نہیں ہیں۔ میں نے اس روز بھی ایک خواب دیکھا تھا جس دن تم پیٹر سے ملنے گئے تھے اور مجھے والدہ اور دوسرے لوگوں نے اس کی بات ماننے سے منع کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے دیکھتے ہیں خدا نے شیطانی قوتوں کو کس قدر آزادی دی ہے ہم اس کے نام کے ساتھ اس سے مقابلہ کریں گے۔"

نوید نے ہمت سے کہا اور حالات کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہم نے قوت ارادی سے کام لے کر اس خطرناک بدبو کا احساس ذہن سے نکالنے کی کوشش کی اور اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں کسی حد تک کامیاب ہوگئے۔ زمین اتنی گندی تھی کہ اس پر پاؤں رکھنے کو بھی دل نہ مانتا تھا لیکن اب تو سب کچھ برداشت کرنا ہی تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ہم بھوکے پیاسے تھے۔ ابھی تک دونوں ہی برداشت کر رہے تھے لیکن زیادہ عرصے تک ایسا نہ کر سکتا تھے۔ بہر صورت کچھ بھی ہو، نوید دروازے کے قریب پہنچ گیا، اب محسوس ہوا کہ بے حد موٹی اور مضبوط لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ انسانی قوت بغیر کسی اوزار کے اسے کھولنے پر قادر نہ تھی۔ وقت گزرتا رہا۔ باہر نکلنے کی تمام کوششیں ناکام ہوگئی تھیں۔ ہم زمین پر بیٹھ گئے۔ نوید کے چہرے سے نقاہت ٹپکنے لگی تھی لیکن میں مجبو تھا۔ کیا کر سکتا تھا۔ مٹی کے تیل کا چراغ بدستور روشن تھا۔ ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے اور نجانے کب ہمیں بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ نیند بھی کافی طویل تھی۔ شاید بے ہوشی کی شکل اختیار کر گئی تھی اور ہم اس وقت بھی ہوش میں نہ آتے لیکن دروازہ کھلنے کی آواز اس قدر زوردار تھی کہ ہماری آنکھ ایک ساتھ کھل گئی۔ دروازہ پوری قوت سے کھلا اور روشنی اندر گھس آئی تھی۔ سورج کی تیز روشنی میں ہم نے ایک بھیانک منظر دیکھا وہی کریہہ بوڑھا تھا وہ بعد میں سرکٹا نمائندہ ثابت ہوا تھا اس کے چہرے پر بدحواسی کے آثار تھے اور جسم کے مختلف حصوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے جسم سے سیاہ رنگ کا ایک موٹا سانپ لپٹا ہوا تھا جو بار بار اس کے جسم کے مختلف حصوں کو ڈس رہا تھا اور بوڑھا بری طرح چیخ رہا تھا۔ اب نہیں کروں گا سید صاحب، مر جاؤں گا، آہ..... میں مر جاؤں گا سید صاحب بھول ہوگئی۔ آہ شما کردو، سید صاحب، اب بھول کر بھی اس طرف نہیں جاؤں گا۔ آہ، اس کے ساتھ ہی وہ سانپ کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن سانپ کی قوت کے آگے اس کی قوت بیکار تھی۔ سانپ اس کے جسم کو بھی جکڑے ہوئے تھا اور شاید اسے بھینچ رہا تھا۔ بوڑھا نیچے گر پڑا اور سانپ نے آخری بار اس کی پیشانی پر ڈسا اور پھر اس کے جسم کے گرد سے بل کھلنے لگے۔ اس کے بعد وہ رینگتا ہوا وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔ بوڑھا ہاتھ پاؤں مارتا رہا آہستہ آہستہ اس کا سر غائب ہونے لگا اور سیاہ جسم نمودار ہونے لگا اور چند لمحات گزرنے کے بعد وہ پراسرار سرکٹے کی شکل میں آ گیا لیکن اب اس کے جسم کے مختلف حصوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک اور لرزہ خیز منظر دیکھا۔ سرکٹے کا جسم آہستہ آہستہ ہل ہل کر بے ڈول ہوتا جا رہا تھا جیسے کوئی چیز پگھل رہی ہو اور سانچے سے نکل جانا چاہتی ہو اور پھر اس کا گوشت گاڑھے سیال خون کی

شکل میں چاروں طرف بہنے لگا۔ سیاہ بدبو دار خون جو چاروں طرف پھیل گیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد زمین پر گاڑھے سیال کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ ہم دونوں اس خوفناک اور پراسرار منظر میں ایسے گم تھے کہ کھلے دروازے کی طرف بھی خیال نہ کر سکے۔ سانپ کے چلے جانے کے بعد بھی ہم کئی منٹ تک اسی طرح کھڑے رہے پھر نوید کو ہی خیال آیا اور وہ میرا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف دوڑا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ ہم دونوں اس گندی قید سے نکل آئے۔ نجانے کتنی دیر ہم وہاں رہے تھے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے سالہا سال کے بعد کسی بہت بڑی مصیبت سے نجات پائی ہو۔ باہر آ کر کھلی فضا میں ہم نے گہری سانسیں لیں۔ بھوک کی وجہ سے برا حال تھا۔ تھوڑی دور پر کھجور اور تاڑ کے درخت موجود تھے۔ تاڑ کے درخت کے نیچے کچھ پھل پڑے ہوئے تھے۔ میں نے دوڑ کر انہیں اٹھا لیا اور پھر درخت کو مار کر انہیں توڑا اور ان کا پانی پینے لگا۔ نوید نے بھی ایسا ہی کیا۔ پانی پینے کے بعد قدرے سکون ہوا اور نوید کہنے لگا۔

"میں کھجور کے درخت پر چڑھ رہا ہوں، بھائی جان! آپ نیچے رہیں۔ کھجور ایک مکمل غذا ہوتی ہے۔"

"درخت کافی اونچا ہے نوید"

میں نے تشویش سے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔"

نوید نے جواب دیا اور پھر وہ درخت پر چڑھنے لگا۔ نوید کی پھرتی قابل دید تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ درخت پر پہنچ گیا۔ پھر اس نے اپنے جسم کو سنبھال کر کھجوریں توڑنا شروع کیں اور نیچے پھینکنے لگا۔ گو مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی لیکن میرا بھائی بھوکا تھا اور وہ خطرے سے دوچار تھا اس لیے میں کیسے کھا سکتا تھا۔ نوید کے نیچے آنے کے بعد ہم دونوں نے کھجوریں کھائیں اور ایک بار پھر تاڑ کا پانی پی کر سیر ہوگئے۔ اس منحوس مکان سے نکل کر ہم ایک ٹیلے کی طرف بڑھے تاکہ آبادی تلاش کریں۔

"درخت پر چڑھنے کے بعد اس کا خیال ہی نہ رہا ورنہ اس بلندی سے جزیرے کے بارے میں معلومات ہونا آسان تھیں۔"

نوید نے کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"بھوک ایسی ہی چیز ہے نوید، خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس اذیت ناک قید سے نجات دلائی۔"

"آپ نے اس سرکٹے کے الفاظ سنے تھے بھائی جان!"

"ہاں وہ سانپ کو سید صاحب کہہ رہا تھا۔ وہ یقیناً کوئی بزرگ تھے نوید، اور وہ گندی روح اس بزرگ کے قریب پہنچ گئی ہوگی۔ اس سے تو اسی بات کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ خیر و شر قوتوں میں شر کتنا کمزور ہوتا ہے اس وقت اس کا گرو دیو بھی اس کا کوئی مدد نہ کر سکا۔"

"کیا ہم اس بزرگ سے مدد نہیں مانگ سکتے بھائی جان۔"

"وہ ہمارے حال سے بے خبر نہ ہوں گے ممکن ہے اس میں بھی کوئی مصلحت ہو۔"

میں نے کہا اور ہم ٹیلے کی چوٹی تک پہنچ گئے۔ خاصی بلند چوٹی تھی اور اس پر بھی پورا جزیرہ نظر آتا تھا۔ ہمیں یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ وہ بہت چھوٹا اور بالکل ویران جزیرہ تھا۔

"گویا یہاں اس منحوس سرکٹے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ پھر میری نگاہ سمندر کے کنارے کنارے گھومتی ہوئی اس کشتی پر پہنچ گئی جو ہمیں یہاں تک لائی تھی میں نے نوید کا شانہ دبایا اور اسے اس طرح متوجہ کیا اور نوید اچھل پڑا۔

"اوہ..... یہ کشتی اس جزیرے سے نکلنے میں مدد کرے گی بھائی جان"

وہ خوشی سے بولا۔ میں نے بادبان سیدھے کیے اور کشتی کو ہوا کے رخ پر چھوڑ دیا۔ نوید نے اسے دھکیل کر گہرے پانی میں ڈالا اور کود کر کشتی میں سوار ہوگیا۔ ایک بار پھر ہم سمندر کے رحم و کرم پر تھے۔ سب سے زیادہ قربان علی کا خیال تھا۔ نجانے کم بخت کہاں ہو اور ثمینہ کا کیا حال ہو۔ بہن کا خیال آتے ہی ہم رنجیدہ ہوگئے اور نجانے کب تک اس کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ صبح کو سورج نکل آیا تھا۔ جب میری آنکھ کھلی۔ نوید شاید میرا انتظار ہی کر رہا تھا۔ میری آنکھوں کا خمار ہوگیا اور جلدی سے اٹھ کر جزیرہ دیکھنے لگا۔ دور سے بھورے رنگ کے پہاڑ نظر آرہے تھے۔ کشتی جزیرے کے کافی قریب پہنچ گئی تھی ہم دونوں سب کچھ بھول کر جزیرے کو دیکھ رہے تھے۔ جزیرہ اب صاف نظر آرہا تھا اور

خوشی کی بات کہ وہاں آبادی تھی۔ یہاں سے قربان علی کے بارے میں معلومات ہو سکتی تھیں اور میں دبئی بھی جا سکتا تھا۔ ہم نے کشتی کا رخ اس طرف موڑ دیا جہاں دوسری بادبانی کشتیاں اور لانچیں کھڑی تھیں۔ ہم نے اپنی کشتی بھی دوسری لانچوں اور کشتیوں کے پاس کھڑی کردی اور نیچے اتر آئے۔

ابھی ہم چند قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ کئی افراد ہماری طرف لپکے اور ہمارے قریب پہنچ کر کہنے لگے ہم سمجھ نہ رہے تھے کہ وہ مختلف قسم کی عربی بول رہے ہیں لیکن ہم عربی نہیں سمجھتے تھے۔ پھر ان میں سے ایک آگے بڑھ کر انگریزی میں بولا۔

"کیا آپ انگریزی بول سکتے ہیں۔"

"ہاں میں نے جلدی سے کہا اور مجھے انگریزی بولتے دیکھ کر بہت سے لوگ آگے بڑھ آئے۔

"سرائے نشیمن میں قیام کریں گے جناب بہت اعلیٰ ماحول ہے۔"

"سرائے خیام بہت حسین جگہ ہے مس جاسمین وہابی کا رقص آپ کے دل کو موہ لے گا۔"

"میں آپ کو اپنی مرضی کے مطابق لڑکی مہیا کر سکتا ہوں۔"

"میرے پاس دنیا کے بائیس ملکوں کی حسین لڑکیاں ہیں۔"

غرض یہ کہ بے شمار جملے ہمارے کانوں میں پڑ رہے تھے اور ہم دونوں منہ پھاڑے ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ پھر بمشکل ہم نے ان لوگوں سے نجات حاصل کی اور ایک آدمی کو نمائندہ منتخب کرلیا۔ یہ بھی مقامی باشندہ تھا اور خاصی روانی سے انگریزی بول لیتا تھا۔ جب ہم نے اس کا انتخاب کرلیا تو پھر دوسرے لوگوں نے فوراً ہمارا پیچھا چھوڑ دیا۔ اس شخص کا نام ابتشام تھا وہ ہمیں پیدل ہی کافی دور لایا۔ جزیرے کا رقبہ تین چار میل سے زیادہ نہیں تھا اس لیے یہاں سواری کی نہ تو ضرورت تھی اور نہ اس کا بندوبست تھا۔ جس جگہ وہ ہمیں لایا درحقیقت بہت ہی عمدہ تھی۔ یہاں انگریزی اور عربی میں

"کھجور کی جھونپڑی"

لکھا ہوا تھا اور اسے کھجور کے درخت کے مختلف حصوں سے ہی بنایا گیا تھا اس کے علاوہ خس استعمال کی گئی تھی۔ جزیرے کی ہوا خشک تھی لیکن خس کے بنے ہوئے کمروں کو

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پانی سے تر رکھنے کا خاص طور سے انتظام کیا گیا تھا جس کی وجہ سے دور تک خوشبو اور ٹھنڈک تھی۔ ہمارے نمائندے نے ہمارے لیے ایک بڑے کمرے کا بندوبست کیا جس میں دو اعلیٰ درجے کے بستر لگائے گئے تھے۔

ہم ابھی تک نہیں سمجھ پائے تھے کہ یہ جزیرہ کس قسم کا ہے اتنا تو ضرور معلوم ہوگیا تھا کہ کوئی آزاد جزیرہ ہے۔ جہاں ہر رنگ اور ہر نسل کے لوگ آتے رہتے ہیں اور کسی کے یہاں آنے پر روک ٹوک نہیں ہے لیکن یہ کس کے زیر نگیں ہیں لوگ یہاں کیوں آتے ہیں اس کے بارے میں ابھی تک کوئی معلومات نہ تھیں۔ ہم اپنے نمائندے سے یہ سوال کرنے سے ہچکچا رہے تھے کیونکہ ممکن ہے کہ یہاں مخصوص لوگ کسی مخصوص سلسلے میں آتے ہوں اور ہمیں اجنبی محسوس کرکے دوسرے لوگ ہماری طرف سے مشتبہ نہ ہو جائیں چنانچہ ہم نے اپنی طرف سے اس سلسلے میں کچھ نہ کہا اور ہمارا نمائندہ دو گھنٹے کے بعد ہم سے ملاقات کرنے کا وعدہ کرکے یہاں سے چلا گیا خس کے بنے ہوئے کمروں کے آرام دہ بستر پر بیٹھے ہوئے ہم دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ نوید پر خیال نظروں سے میری شکل دیکھ رہا تھا پھر اس نے کمرے کی دیواروں سے کان لگا کر دوسری طرف کی آوازیں سنی اور اٹھ کر میرے پاس آگیا۔

''ہمیں آہستہ آواز میں بات کرنی چاہئے بھائی جان! کیونکہ ادھر کی آواز دوسری سمت صاف سنی جاسکتی ہے۔ میں نے گردن ہلا دی تو نوید پھر بولا۔

'' آپ نے ساحل پر ان نمائندوں کی گفتگو سنی۔ ایک نمائندے نے رقص کی بارے میں ہمیں ترغیب دی تھی۔ دوسرے نے کہا تھا کہ اس کے پاس دنیا کے بائیس ملکوں کی لڑکیاں ہیں۔ ان باتوں سے ہم اس جزیرے کی حیثیت کو تو سمجھ سکتے ہیں گویا یہاں کھلے عام عیاشی ہوتی ہے ظاہر ہے جو لوگ یہاں آتے ہوں گے وہ اچھے لوگ نہ ہوں گے چنانچہ ہمیں یہاں بہت محتاط رہنا پڑے گا اس سلسلے میں ایک اور بات سوچ رہا ہوں۔''

'' کیا؟''

میں نے آہستہ سے کہا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس معاملات میں نوید کا ذہن میرے سے تیز تھا وہ حالات اور موقع کی نزاکت سمجھنے میں ملکہ رکھتا تھا۔

'' یہ تو طے شدہ بات ہے۔''

یہ جزیرہ بھی اسی علاقے میں ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ اس کا اندازہ یہاں کے مقامی لوگوں سے ہو جاتا ہے چنانچہ ممکن ہے یہاں سے قربان علی کا پتہ مل جائے ظاہر ہے پیشہ ور لڑکیاں بھی کہیں نہ کہیں سے ضرور آتی ہوں گی۔''

'' او ہاں''

میں چونک پڑا۔

'' یہ تو درست ہے۔''

لیکن اس کے لیے ہمیں بہت محتاط ہو کر کام کرنا پڑے گا۔ آیئے تیاریاں کرکے باہر نکلتے ہیں۔ جزیرے کا ماحول دیکھنے کے بعد ہی اس سلسلے میں فیصلہ کریں گے اس کے علاوہ ہمیں یہاں کی کرنسی کی بھی ضرورت پڑے گی۔

'' وہ کہاں سے حاصل کرو گے؟''

میں نے بے ساختہ پوچھا اور نوید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اس سلسلے میں فکر نہ کریں بھائی جان! دنیا کے ہر خطے میں ہر علاقے میں میرے بینک موجود ہیں۔ چلتے پھرتے بینک جو باآسانی میری ضرورت پوری کر دیتے ہیں۔''

میں خاموش ہوگیا۔ حالات ایسے پیدا ہوگئے تھے کہ اب نوید تکلف نہیں کرتا تھا۔ اس کی تمام کمزوریاں میرے سامنے تھیں اور میری اس کے سامنے۔ ہم دونوں ایسے عتاب کا شکار تھے جس کا سدباب ہمارے ہاتھ میں نہیں تھا چنانچہ تکلف کی دیواریں خود بخود گر گئیں تھیں۔ ایک گھنٹے تک ہم آرام کرتے رہے۔ کشتی کے تکلیف دہ سفر نے ہمیں تھکا دیا تھا۔ لیکن تھکن کا احساس ہمارے لیے سم قاتل تھا جس وقت ہم تھکن کا احساس کر لیتے ہماری جدوجہد ختم ہو جاتی۔ اس لباس کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہ تھا جو ہم پہنے ہوئے تھے۔ یہ لباس بھی کافی خراب ہوگیا تھا لیکن مجبوری تھی۔ بہرحال میں نے منہ ہاتھ وغیرہ دھویا اور باہر نکل گئے۔ ہوٹل کے مالک کو ہم نے کچھ نہیں دیا تھا لیکن نجانے کیوں اس نے ہمارے اوپر اعتماد کرلیا تھا۔ ظاہر ہے ہمارے پاس سامان وغیرہ نہیں تھا جو بطور ضمانت وہاں رہتا۔ بہرحال ممکن ہے یہاں ایسے لوگ نہ آتے ہوں جو کسی کا کچھ لے کر بھاگ جاتے ہوں۔ اس کے علاوہ اس چھوٹے سے جزیرے سے کسی کی نظروں سے بچ کر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

فرار ہو جانا نہ ممکن تھا۔ ہم بازار نکل آئے جزیرے کا اصل بازار دیکھ کر حیران رہ گئے۔ یہاں دنیا کی اعلیٰ اعلیٰ چیزیں نہایت سستے داموں فروخت ہو رہی تھیں۔ ظاہر ہے سب سمگلنگ کا مال تھا میں اور نوید چلتے رہے بازاروں میں خاصا رش تھا۔ نوید ایک دکان پر رک گیا۔ یہاں ریڈی میڈ لباس موجود تھے۔ ایک سے ایک اعلیٰ درجے کا لباس، ہم چٹانوں سے بنی ہوئی اس دکان میں داخل ہو گئے اور نوید یہاں میرے اور اپنے سائز کے لباس دیکھنے لگا۔ پھر اس نے دو تین جوڑے میرے لیے پسند کیے اور دو تین اپنے لیے اور دکاندار نے انہیں پیک کرنے کے لیے کہا۔

میں حیرت سے نوید کی شکل دیکھنے لگا کیونکہ ہمارے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ میرے نزدیک نوید نے ابھی تک کوئی کام بھی نہیں دکھایا تھا۔ اس لیے وہ ادائیگی کہاں سے کرے گا لیکن اس وقت میری حیرت کی انتہا نہیں رہی جب دکاندار کے بل دینے پر نوید نے اندرونی جیب سے اعلیٰ قسم کا پرس نکالا اور اس میں سے چند پونڈ نکال کر دکاندار کے سامنے ڈال دیئے۔ دکاندار نے کپڑے کی رقم کاٹ کر بقیہ رقم واپس کر دی اور ہم بنڈل بغل میں دبا کر دکان سے نکل آئے۔

"بٹوہ کہاں سے لے لیا۔"

میں نے لوگوں سے الگ ہوتے ہی نوید سے پوچھا۔

"میں عرض کر چکا ہوں بھائی جان! میرے بینک دنیا کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آیئے کسی مناسب جگہ پہنچ کر ہم لباس تبدیل کریں۔"

ہم کسی سنسان سی جگہ کی تلاش میں نکل پڑے۔ آخر ایک جگہ ہم نے لباس تبدیل کر لیے۔ پرانے لباس وہیں چھوڑ دیئے اور باقی خریدے ہوئے لباس ہاتھ میں دبائے وہاں سے آگے بڑھ آئے۔ ابھی تک صرف ہم نے ایک بازار دیکھا تھا جبکہ وہاں چاروں طرف بازار ہی بازار تھے۔ نیا لباس بہت شاندار تھا۔ بہت سے لوگوں نے ہمیں تحسین آمیز نظروں سے دیکھا لیکن ہم کسی تاثر سے بے نیاز آگے بڑھتے رہے پھر ایک جگہ سے کچھ سازوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ہم اس طرف چل پڑے۔ ایک شامیانہ لگا ہوا تھا جس کے نیچے رقص ہو رہا تھا ہم بھی دوسرے تماشائیوں کی طرح وہاں کھڑے ہو گئے۔ ایک طرف پیچھے سات لڑکیاں مختلف لباسوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کے چہرے اداس تھے

آنکھوں سے غم جھانک رہا تھا۔ ایک لڑکی رقص کر رہی تھی لیکن اس کی کیفیت مختلف نہ تھی۔

میں نے معنی خیز نظروں سے نوید کی طرف دیکھا اور نوید سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"اگر میرا خیال غلط نہیں ہے بھائی جان تو ان لڑکیوں کو فروخت کرنے کے لیے یہاں لایا گیا ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

میں نے کہا۔

"گویا قربان علی کا پتہ بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔"

نوید کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس وقت رقص ختم ہو گیا اور ایک موٹے تازے جلاد نما آدمی نے بیٹھی ہوئی لڑکیوں میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ پہلے اس نے نہایت وحشیانہ انداز میں لڑکی کے جسم کے نسوانی حصوں کی نمائش کی اور اس کے بعد اس کا نیلام شروع ہو گیا۔ بڑا عبرتناک منظر تھا ہمارے دل ڈوبنے لگے کیا مظلوم ثمینہ کا بھی یہی حشر ہو چکا ہے میں اور نوید ایک ہی بات سوچ رہے تھے کیونکہ میں نے نوید کی آنکھوں میں خون کی چادر دیکھی پھر وہ جذبات سے کپکپائی آواز میں بولا۔

"بھائی جان! اگر ثمینہ کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو چکا ہے تو خدا کی قسم....."

"جذباتی نہ بنو نوید، ان بھیڑیوں سے تم اور کیا توقع کر سکتے ہو، ان کا کام یہی ہے ہمیں ہوش و حواس سے کام لے کر کچھ کرنا ہو گا تمہارے پاس کتنی رقم ہے۔"

"کافی ہے کیوں۔"

"ہم ان میں سے ایک آدھ لڑکی خریدیں گے ان میں ہر ایک ثمینہ ہے۔ اگر ان کے بھائی بھی ہوں گے تو ہماری طرح ان کی تلاش میں سرگرداں ہوں گے۔"

میں نے کہا میری آواز میں رقت پیدا ہو گئی تھی۔

"آپ یہاں رکیے بھائی جان!"

نوید نے کہا اور ایک طرف کھسک گیا۔ میں نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ نہیں دی کیونکہ میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنے گیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گیا۔ لڑکی کی بولی لگ رہی تھی اور وہ نڈھال سی کھڑی تھی۔ ہم دونوں خاموش کھڑے رہے۔ جب بولی اسی پونڈ پر پہنچ گئی تو اس کے بعد کوئی آگے نہ بڑھا نیلام کرنے والا کئی منٹ تک کوشش

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرتا رہا اور جب بولی آگے نہ بڑھی تو اس نے ہتھوڑی اٹھالی۔ وہ آخری ضرب لگانے ہی جا رہا تھا کہ نوید نے پچاسی پونڈ کہہ دیئے۔ تمام لوگ چونک کر نوید کی طرف دیکھنے لگے اور نیلام کرنے والی کی باچھیں کھل اٹھیں۔

آخری بولی نوید کے نام چھوٹ گئی اور اس نے قیمت ادا کردی۔ فوراً ہی دوسری لڑکی کی بولی شروع ہوگئی۔ نوید کے نام چھوٹنے والی لڑکی ہمارے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔ نوید آہستہ سے میرے پاس آ کھڑا ہوا اور اس نے نوٹوں کی ایک موٹی گڈی میری جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''اس بار بولی آپ چھڑائیں بھائی جان!''

یہ دوسری لڑکی میں نے سو پونڈ میں خریدی اور تیسری لڑکی کی بولی ہونے لگی۔ اس طرح دو لڑکیاں میں نے اور دو نوید نے خریدیں۔ وہاں کھڑے ہوئے دلال خاص طور پر ہماری طرف متوجہ ہوگئے اور ہمارے قریب پہنچ کر کانا پھوسی کرنے لگے۔

''یہاں ایک ہی اڈا نہیں ہے جناب! اس سے کہیں زیادہ اچھا مال آپ کو پیش کیا جائے گا براہ کرم یہاں سے چلیں۔''

ہم نے چار لڑکیاں خریدیں تھیں۔ ظاہر ہے یہاں نجانے کتنی لڑکیاں ہوں گی کسے کسے خریدیں گے اور اس کا انتظام کیسے کریں گے۔ ہم تو خود ہی پریشان حال تھے۔ چنانچہ لڑکیوں کو لے کر ہم یہاں سے چل پڑے۔ چاروں لڑکیاں ہندوستانی تھیں اور اردو بولتی تھیں۔ وہ خاموش ہمارے ساتھ چل رہی تھیں ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور چہرے پر ضبط کے طوفان، ہم ان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔ دلال بدستور ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ آخر نوید نے مجھ سے کہا۔

''اب ان لوگوں کو لے چلئے بھائی جان! میں ابھی آتا ہوں۔''

میں نے گردن ہلائی اور لڑکیوں کے ساتھ ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ ہوٹل کے مالک سے مین نے ایک اور بڑا کمرہ حاصل کیا اور لڑکیوں کو اس کمرے میں بھیج کر خود اپنے کمرے میں آگیا۔ میں ان بدنصیبوں کی حالت پر غور کر رہا تھا اس کاروبار کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ نجانے کتنا وقت گزر گیا۔ پھر نوید آگیا اس کے ہاتھوں میں کئی بنڈل تھے جس کو اس نے مسہری پر ڈال دیا۔ اس کے انداز سے تھکن نمایاں تھی۔

''ان بنڈلوں میں کیا ہے''

میں نے پوچھا۔

''ان لڑکیوں کے لیے کپڑے وغیرہ ہیں۔ نوید نے جواب دیا اور نڈھال سا مسہری پر گر گیا۔

''کیا بات ہے نوید میں نوید کی غیر معمولی سی کیفیت دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ نوید کی پلکوں پر آنسو لرز رہے تھے۔ میں اس کے آنسو دیکھ کر بے چین ہوگیا اور بے قراری سے اس سے احوال دریافت کرنے لگا۔ میرے دل میں نجانے کتنے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔

''میں نے قربان علی کے بارے میں ان دلالوں سے معلومات حاصل کیں تھیں بھائی جان''

نوید افسردہ لہجے میں بولا۔

''پھر..... پھر کیا ہوا؟''

اس کے مال فروخت کرنے کی بھی یہی جگہ ہے۔

''اوہ..... تفصیل بتاؤ نوید خدا کے لیے جلدی بتاؤ۔''

''ایک ہفتہ قبل وہ انہی لائی ہوئی لڑکیاں فروخت کر کے جا چکا ہے۔''

''فروخت کر کے جا چکا ہے..... کہاں؟''

''اس سلسلے میں کسی کو نہیں معلوم ہے۔ دلالوں نے بتایا کہ وہ مال کی تلاش میں گیا ہوگا۔''

''اس نے جن لڑکیوں کو فروخت کیا ہے ان کے بارے میں کسی کو معلوم ہے۔''

''اتنی معلومات یہاں کسی کو کسی کے بارے میں نہیں ہوتیں''

''قربان علی کا کوئی آدمی مل سکتا ہے۔''

''میں نے اس بارے میں معلومات حاصل کیں تھیں لیکن یہاں اس کا کوئی آدمی نہیں ہے۔''

''ہوں''

میں نے بجھے دل سے کہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نوید ابھی جذباتی تھا میرے اوپر اتنی مشکلات پڑیں تھیں کہ بڑے سے بڑا غم سینے سے لگانے کا عادی ہوگیا تھا۔ کافی دیر تک میں گردن جھکائے مظلوم ثمینہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ دیوانی لڑکی کی ذرا سی لغزش نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔ امید کی آخری شمع بھی گل ہوگئی تھی۔ ثمینہ فروخت ہو چکی تھی۔ وہ فروخت ہو کر کہاں گئی اس بارے میں کوئی نہیں بتا سکتا تھا اب ہمارے پاس اسے تلاش کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کافی دیر تک ہم دونوں افسردہ بیٹھے رہے۔ پھر نوید نے مجھ سے سوال کیا۔

"اب کیا کریں گے بھائی جان۔"

"ہماری زندگی کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ نوید جب تک خدا کی طرف سے موت نہیں آئے گی ہم مر بھی نہیں سکتے۔ کیوں نہ اس کا ایک نصب العین بنائیں۔"

"کیا؟"

نوید نے پوچھا۔

"ثمینہ کی تلاش، ہم اسے تلاش کرتے رہیں گے مرتے وقت تک موت آنے بعد ان جھگڑوں سے بے نیاز ہو جائیں گے۔"

میں نے مایوسی سے کہا لیکن نوید کی آنکھوں میں شمعیں جل اٹھیں۔

"بالکل ٹھیک ہے بھائی جان! ہمیں ایک نیے عزم سے کام کرنا چاہیے۔ یہ بردہ فروشوں کا جزیرہ ہے قربان علی یا اس کا کوئی ساتھی یہاں ضرور آئے گا۔ ہم یہاں کے چکر لگاتے رہیں گے۔ ہم دوسری جگہوں سے دولت سمیٹیں گے یہاں بڑے پیمانے پر مظلوم لڑکیوں کو خریدیں گے اور آزاد کریں گے۔ ممکن ہے ان میں سے کسی کی دعا ہمارے کام آجائے۔ یہ سب ہماری ثمینہ ہیں بھائی جان۔ ہم ان ثمیناؤں کو زیادہ سے زیادہ آزاد کرائیں گے۔ اس وقت تک جب قربان علی کا پتہ نہ چل جائے۔"

"عمدہ خیال ہے نوید۔"

میں نے بجھے دل سے کہا نوید کا دل رکھنا تھا ورنہ میرا دل تو اس خبر سے بجھ گیا تھا۔"

"ارے ہاں ان لڑکیوں کا کیا حال ہے ان کے لباس انہیں دے دیں اور ان سے گفتگو کریں نجانے غریب کہاں کہاں سے آئیں ہیں۔"

نوید نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ ہم دونوں اس کمرے میں پہنچ گئے۔ جہاں چاروں لڑکیاں اداسی سے سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ ہمیں دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خوف کے تاثرات ابھر گئے۔ نوید نے کپڑوں کے پیکٹ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہارے لیے کپڑے لائے ہیں کیا تم اپنے بھائیوں کی طرف سے یہ تحفہ قبول نہیں کروگی۔"

لڑکیوں کو شاید اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ لفظ بھائی ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ ایک لڑکی مضطربانہ انداز میں کھڑی ہوگئی۔

"کیا کہا..... تم نے کیا کہا..... خدا کے لیے دوبارہ کہو..... یہ تحفہ تمہیں ہمیں کس حیثیت سے دے رہے ہو۔"

"بھائیوں کی حیثیت سے، تم ہماری بہنوں کی طرح ہو، سگی بہنوں کی طرح، کیا تمہیں اعتراض ہے۔"

"پھر سے کہو..... خدا کے لیے کہو۔"

لڑکی بلک پڑی اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ دوسری لڑکیوں کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

"میری بہن مجھے دکھ ہے کہ میرے ہم جنسوں نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا۔ گھر کی زینت کو بازار میں سستی اشیاء کی طرح لے آئے۔ میرا سر تمہارے سامنے شرم سے جھکا ہوا ہے۔"

نوید نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بھیا۔"

لڑکی اس سے لپٹ گئی۔ دوسری لڑکیاں بھی اٹھ کر ہمارے گرد کھڑی ہوگئیں۔ ان کی آنکھوں میں امید کی مسکراہٹیں پیدا ہوگئی تھیں۔ لڑکی نوید سے لپٹی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ میں بھی جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور میں نے دونوں بازو پھیلا کر تینوں لڑکیوں کو سمیٹ لیا۔ وہ سب میرے سینے سے لپٹی ہوئی سسک رہی تھیں اور میں درد بھرے دل سے اس معصوم جنس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کئی منٹ تک یہ رقت آمیز منظر جاری رہا۔ پھر ہم نے انہیں تسلیاں دے کر مسہریوں پر بیٹھا دیا۔ ان کی آنکھوں میں بے شمار سوال رقص کر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رہے تھے میں نے ان سوالوں کو پڑھا اور بولا۔

"تم لوگ بالکل فکر مت کرو۔ ہم تمہیں کسی مناسب جگہ لے چلیں گے اور وہاں سے تمہارے گھروں پر جانے کا بندوبست کردیں گے کیا تم اپنے بارے میں بتاؤ گی۔ سب کی کہانی ایک جیسی تھی۔ وہ سب اچھے گھرانوں کی لڑکیاں تھیں۔ کچھ نادانی میں راستے سے بھٹک گئیں تھیں۔ ایک ہندو لڑکی جس کا نام نیشا تھا۔ شام نگر ہی سے لائی گئی تھی۔ شام نگر کا نام سن کر میں بھی چونک پڑا۔

"تمہیں شام نگر سے کب لایا گیا؟"

تقریباً ڈیڑھ ماہ ہوا ہے۔ شام نگر سے مجھے دبئی لے جایا گیا اور پھر وہاں سے لایا گیا۔"

"کون لایا تھا کیا تم اس کا نام بتا سکتی ہو؟"

میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"اس بردہ فروش کا نام قربان علی تھا؟"

قربان علی میرے ذہن میں دھماکہ ہوا۔ نوید بھی اچھل پڑا۔

"کیا تمہارے ساتھ کچھ اور لڑکیاں بھی تھیں؟"

"کیا ان میں ثمینہ نام کی کوئی لڑکی تھی۔ ہم دونوں کا چہرہ دیکھو، ثمینہ ہماری شکل سے ملتی جلتی تھی۔"

"ہاں! ان میں ثمینہ موجود تھی اس نے مجھے اپنی کہانی سنائی تھی وہ شمع گڑھ۔

ابھی اس کا جملہ پورا نہیں کیا تھا کہ نوید لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"وہ شمع گڑھ کی رہنے والی تھی نا؟"

"ہاں ایک ہندو اسے بہکا کر بھگا لایا تھا۔ وہ مسلمان تھی اور پھر کچھ دن رہنے کے بعد قربان علی کے ہاتھ فروخت کردیا۔"

"ثمینہ کہاں ہے نیشا؟ خدا کے لیے اس کا پتہ بتا دو۔ ہم تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔"

نوید نے نیشا کے دونوں شانے پکڑ کر دیوانہ وار جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ نیشا اس کے اس انداز پر سہم گئی اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"مجھے اس کے بارے میں نہیں معلوم قربان علی نے اسے نیلام کردیا تھا۔"

"کب کیا تھا، کس کے ہاتھ کیا تھا۔ کون تھا وہ، جس نے میری بہن کو خریدا"

نوید درد میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔

"وہ تمہاری بہن تھی؟"

"ہاں نیشا ہم اس بدنصیب کو تلاش کرتے کرتے دردر مارے پھر رہے ہیں میں نے کہا۔

"میں بھی اس کے ساتھ تھی۔ تمام لڑکیاں نیلام ہوگئیں۔ ثمینہ کو ایک نواب صاحب نے خرید لیا۔ میں اس نواب کو نہیں جانتی۔ صرف میں رہ گئی تھی۔ اس لیے قربان علی نے مجھے اس دوسرے بردہ فروش کے ہاتھوں فروخت کیا اور یہاں سے چلا گیا۔"

"قربان علی کہاں گیا اس بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

"میں نے ایک رات قربان علی کے آدمیوں کی گفتگو سنی تھی وہ کہہ رہے تھے کہ اس بار وہ ایران جا رہے ہیں کسی بڑے نواب نے کچھ ایرانی لڑکیوں کی فرمائش کی تھی بلکہ اس لیے مجھے قربان نے دوسرے بردہ فروش کے ہاتھ فروخت کیا تھا تاکہ وہ اس دوسرے کام کے لیے روانہ ہو سکے۔"

"ایران"

نوید نے میری طرف دیکھا۔ ہم ایران چلیں گے نوید، خواہ کچھ بھی ہو ہم فوری طور پر ایران چلیں گے۔"

میں نے کہا اور پھر ان لڑکیوں سے بولا۔

"تم لوگ بے فکری سے یہاں رہو ہم تمہیں کسی ایسی جگہ بھیج دیں گے جہاں سے تم اپنے شہروں کو روانہ ہو سکو۔"

لڑکیوں کو دلاسہ دینے کے بعد ہم اپنے کمرے میں واپس آگئے۔ جہاں سے تم اپنے اپنے شہروں کو روانہ ہو سکو۔"

ہمارے ذہنوں میں ہل چل مچی ہوئی تھی۔ اس وسیع و عریض علاقے میں ہم اس نواب کو نہیں تلاش کر سکتے تھے لیکن اگر قربان علی مل جاتا تو شاید ثمینہ کا کچھ پتہ چل سکتا۔ نوید میرے سوال پر کچھ الجھا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایران تک جانے میں کافی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وقت صرف ہو سکتا ہے اور اس عرصے میں ممکن ہے کہ قربان علی اپنا کام کر کے وہاں سے چل پڑے لیکن میرے ذہن میں ایران جانے کی دھن سمائی ہوئی تھی چنانچہ میں تھوڑی دیر کے بعد نوید کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ہماری کشتی چھوٹی سی تھی اور چھ آدمی اس میں سوار ہو کر نہیں جا سکتے تھے۔ اس لیے دوسری کشتی کا بندوبست کرنا تھا۔ ہم کچھ لوگوں سے ملے۔ یہاں ایسا کام ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں تھی کیونکہ کرائے کے اسٹیمر ان لوگوں کو یہاں سے ان کی مطلوبہ جگہ پر چھوڑ دیتے تھے جن کے پاس کشتیوں کا بندوبست نہ ہوتا۔ ایک دلال نے کچھ رقم کے عوض ہمیں ایک ایسی کمپنی تک پہنچا دیا جو یہ کام کرتی تھی۔ کمپنی منیجر نے بتایا کہ فوری طور پر اس کا ایک اسٹیمر ایک بڑے شہر جا رہا ہے لیکن سواریاں پوری ہونے کا انتظار ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ اگر پورے سٹیمر کو استعمال میں رکھیں تو کیا خرچ ہوگا وہ رقم ایسی نہیں تھی کہ ہم نہ دے سکتے چنانچہ ہم نے فوراً سٹیمر ارینج کر لیا۔ دوسرے دن ایک چھوٹا سا خوبصورت سٹیمر ہم لوگوں کو لے کر چل پڑا۔ لڑکیوں کے چہروں سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ لیکن ہمارے دل بدستور غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کاش! ثمینہ بھی یہاں مل جاتی۔ اسٹیمر سفر کرتا رہا۔ اسٹیمر کا نوجوان ایک خوبصورت عربی تھا۔ راستے میں ہم اس سے کافی بے تکلف ہو گئے۔ عربی نے ہم سے پوچھا کہ ہماری منزل کون سی تھی؟۔

''ان لڑکیوں کو ہندوستان بھیجنا ہے اور ہم افغانستان جانا چاہتے ہیں۔''

میں نے جواب دیا۔

''کیا آپ کے پاس سفر کے لیے پاسپورٹ وغیرہ کا بندوبست ہے؟''

اس نے پوچھا وہاں جا کر بندوبست کریں گے کیوں تم نے یہ سوال کیوں کیا۔''

کپتان کہنے لگا پھر بولا۔

''ایسے ہی معلوم کر رہا تھا ایسی کچھ کمپنیاں میرے علم میں ہیں جو یہ کام کرتی ہیں میں نے سوچا شاید تمہارے کام آجاؤں۔''

''یعنی ہمیں پاسپورٹ وغیرہ آسانی سے مل سکتے ہیں۔''

'دولت چاہئے جناب! دنیا کا کون سا کام رکتا ہے۔''

''اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اگر تم ہمارے یہ کام کر دو تو ہم تمہیں منہ مانگی رقم دیں گے۔ لیکن کام ایسا ہو

کہ کسی طرح پھنسنے کا امکان نہ رہے۔''

نوید نے کہا اور کپتان پھر ہنسنے لگا۔

''دولت سے ہی آدمی پھنستا بھی ہے اور دولت سے نکل جاتا ہے جو کام تمہیں کرا کر دوں گا اس میں ذرا برابر بھی پھنسنے کا امکان نہیں ہوگا لیکن میں اس کام کے دو ہزار ڈالر لوں گا۔ کسی بھی کرنسی میں ہو رقم دو ہزار ڈالر ہوگی۔''

''مجھے منظور ہے۔''

نوید نے جلدی سے کہا۔

''تب ٹھیک ہے، ایک ہزار ڈالر میرے اور ایک ہزار ڈالر میرے ساتھیوں کے پاسپورٹ کی رقم ہوگی وہ الگ سے دینا ہوگی، کپتان نے کہا اور نوید نے منظور کر لیا۔ میرا دل ڈوب رہا تھا نوید ہی تو میرا سہارا ہے اگر رقم حاصل کرنے کے چکر میں وہ پھنس گیا تو میرا کیا ہوگا۔ یہ دنیا میرے لیے پھر تاریک ہو جائے گی۔ مایوسی نے اندھیروں میں بھٹکنے کے بعد نوید کے ساتھ نے امید کی کچھ کرنیں جگمگا دیں تھیں اور اگر وہ بھی گم ہو گئیں۔

''کیا سوچ رہے ہو بھائی جان!''

نوید نے میرے چہرے پر چھائی ہوئی فکر کی گھٹاؤں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اتنی رقم کا بندوبست کہاں سے کرو گے نوید، نجانے کیا خرچ ہو۔''

''کیا آپ میرے بینکوں سے مطمئن نہیں ہیں بھائی جان؟''

نوید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں نوید میں مطمئن نہیں ہوں۔ خدانخواستہ اگر کبھی پھنس گئے تو میں کیا کروں گا؟

''تمہارے سہارے تو زندہ ہوں۔''

''بڑے بول سے توبہ کرتا ہوں بھائی جان! کم از کم اس سلسلے میں تو نہیں پھنس سکتا۔ میرا استاد بھی میری صفائی کا لوہا مانتا تھا اور میرے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد کف افسوس ملتا رہ گیا تھا۔''

''پھر بھی نوید''

''اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے بھائی جان''

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نوید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ نوید درست ہی کہہ رہا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ بھی کیا تھا۔ میں اکیلا ہوتا تو یہ سب کچھ کبھی نہیں کر سکتا تھا چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔

اڑھائی دن کے سفر کے بعد ہم ایک سنسان ساحل پر پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے جتنا خوبصورت جال پھیلایا تھا اس کا جواب نہیں۔ ساحل سے ایک وین ہمیں لے کر شہر آ گئی اور اس عظیم الشان شہر کے خوبصورت ہوٹل میں مقیم ہو گئے۔ کپتان نے تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ ہم لوگ صرف ہوٹل تک محدود رہے البتہ نوید صرف ایک دن ہوٹل سے باہر گیا اور رات بارہ بجے تک وہ ہوٹل واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں چرمی بیگ تھا۔ اس نے بیگ میرے سامنے کھول دیا اور میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں بیگ نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔

"کیا تم نے کسی بینک میں ڈاکہ ڈالا ہے نوید۔"

"نہیں بھائی جان حالات ایسے ہیں کہ میں کوئی خطرے کا کام نہیں کر سکتا۔ آج ایک دوسرے استاد کا نام لے کر کام شروع کیا۔ ایک بڑے کا پرس اڑایا۔ اس میں چار ہزار ڈالر کے نوٹ تھے۔ انہیں لے کر ایک جوئے خانہ میں پہنچ گیا۔ وہاں بڑے اعلیٰ پیمانے پر جوا ہوتا ہے بھائی جان اور مزے کی بات یہ ہے کہ لوگ بڑی ایمانداری سے کھیلتے ہیں۔ ایسے سیدھے لوگ تھے بیچارے کہ انہوں نے میرے بے تحاشا جیتنے پر بھی نہ سوچا کہ میں کارڈ لگا رہا ہوں۔ جوئے خانے کے بینک منیجر نے مجھے گوٹوں کے عوض رقم دیتے ہوئے زبردست مبارکباد دی تھی۔ ویسے اس شہر میں یہ رقم جیت جانا کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔"

"گویا تم شارپنگ بھی کر لیتے ہو؟"

میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور نوید شرارت آمیز انداز میں مسکرانے لگا۔

دوسرے دن آٹھ بجے کپتان میرے پاس آیا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"سب لوگ میرے ساتھ چلو تصویریں لینا ہیں۔ باقی بات چیت ہو گئی ہے پانچ ہزار ڈالر خرچ ہوں گے۔ دو ہزار میرے گویا کل سات ہزار ڈالر کام ایسا ہے کہ کوئی کھٹکا ہی نہیں رہے گا۔"

ٹھیک ہے ایسا ہی کام ہونا چاہئے۔ میرے بجائے نوید نے کہا اور ہم سب اس

کے ساتھ چل پڑے۔ چوتھے دن کپتان نے ہمارے پاسپورٹ ہمارے حوالے کر دیئے اور رقم لے کر چلتا بنا۔

"پھر کبھی ضرورت پڑے تو مجھے یاد رکھنا، ہر کام چٹکیوں میں کرا دوں گا۔"

اس نے چلتے چلتے کہا تھا۔ پاسپورٹ ہمیں مل گئے تھے ہمارے لیے تو ایک ایک پل بھاری تھا۔ ہم نے ہر جگہ زیادہ سے زیادہ رقم خرچ کر کے کام کرایا۔ لڑکیوں کے ایک جہاز سے ان کے وطن کے ٹکٹ بنوائے۔ سوار ہوتے وقت انہوں نے خلوص دل سے ہمیں دعائیں دیں اور کہا تھا کہ ہماری مرادیں پوری ہوں۔ انہیں روانہ کرنے کے بعد ایک طیارے سے ہم بھی چل پڑے۔ طیارہ براہ راست ایران نہیں جاتا تھا ایک دوسرے ملک سے ہمیں طیارہ بدلنا تھا۔ بہرحال پاسپورٹ بالکل درست تھے ہمیں اس سلسلے میں کوئی دشواری نہ ہوئی پانچویں دن ہم ایران پہنچ گئے۔ یہاں ہم بالکل اجنبی تھے لیکن ہمارے پاس کافی فارن ایکسچینج موجود تھا اور دولت کی قوت تمام اجنبیت دور کر دیتی ہے۔ ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں ہم نے قیام کیا۔ رات ہو چکی تھی۔ اس لیے قربان علی کی تلاش کا کام ہم نے دوسرے دن پر ملتوی کر دیا۔ ویسے رات گئے تک ہم اسے تلاش کرنے کا پروگرام بناتے رہے۔

"اتنے بڑے شہر میں کسی ایسے آدمی کو تلاش کر لینا معمولی کام نہیں تھا اور پھر قربان علی ایک جرائم پیشہ شخص تھا۔ اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو اس کے حصول کے لیے کوئی دشواری پیش نہ آتی لیکن قربان علی!

لیکن جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ نوید ایک ذہین ترین انسان تھا۔ اپنی ذہانت سے کام لیتے ہوئے اس نے یہاں بھی ایک نئے انداز سے کام کیا۔ اس نے یہاں کے تمام روزناموں میں ایک اشتہار نکلوایا اشتہار کا مضمون یہ تھا۔

"گمشدہ بھائی کی تلاش"

قربان علی جس کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ وہ یہاں موجود ہے جہاں کہیں بھی ہو ہوٹل

"تاج"

کے کمرہ نمبر 48 میں پہنچ جائے۔ اس کے دو بھائی اس کی تلاش میں یہاں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آئے ہیں۔"

اس اشتہار کے علاوہ نوید نے ایسی جگہوں پر اس کی تلاش شروع کردی جو جرائم پیشہ افراد کا گڑھ تھیں۔ ایسی جگہوں پر تو قربان علی نہ ملا لیکن اشتہار والی ترکیب کامیاب رہی۔ مسلسل تین روز سے اشتہار چھپ رہا تھا۔ تیسرے دن رات کو کسی نے ہمارے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ میں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ ایک آدمی اوور کوٹ پہنے کالر چڑھائے کھڑا تھا۔

"مسٹر نوید یہاں رہتے ہیں؟"

"ہاں اندر آجایئے۔"

میں نے اخلاق سے کہا حالانکہ میرا دل دھاڑ دھاڑ کر رہا تھا۔

"میں آپ کے گمشدہ بھائی کے سلسلے میں آیا ہوں۔"

"ہم سمجھ گئے اندر تشریف لے آیئے۔"

میں نے کہا اور وہ اندر آگیا اس کا ہاتھ اوور کوٹ کی جیب میں تھا اور یقیناً اس میں پستول موجود ہوگا۔ میں نے دروازہ بند کردیا۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ آنے والے کا چہرہ ابھی تک فلیٹ کے نیچے پوشیدہ تھا۔

"کیا عمر تھی آپ کے بھائی کی؟"

نوید نے سنجیدگی سے کہا

"کیوں؟"

اس نے پراسرار انداز میں پوچھا۔

"ہم اس جزیرے سے آرہے ہیں جہاں تم مال فروخت ہوتے ہو۔"

"کون سا مال؟"

"لڑکیاں! بہرحال اس کا ذکر چھوڑو ہمیں ایک لڑکی کی تلاش ہے اگر تم صرف اس کا پتہ بتا دو تو ہم تمہیں اتنی ہی رقم مزید دے دیں گے جتنے میں تم نے اسے فروخت کیا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو کیسی لڑکیاں، کون سا جزیرہ..... شاید تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے میں تم سے تمہارے اشتہار کے بارے میں گفتگو کرنے آیا تھا اور تم نے یہ بے تکی

گفتگو شروع کردی۔"

آنے والے نے جھلاتے ہوئے کہا۔

"تب تم ہمارے مطلوبہ آدمی نہیں ہو سکتے، جاؤ ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے اور اگر تم وہی تلہ ور حرف بن رہے ہو تو یقیناً اس طرح کرلو۔"

نوید نے چرمی بیگ اٹھالیا جس میں اب بھی بہت سے نوٹ موجود تھے اور جسے نوید نہایت صفائی سے نکال لایا تھا اس نے بیگ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا اور بولا۔

"اس میں کم از کم آدھی گڈیاں تمہاری ہوسکتی ہیں۔"

اس نے فلیٹ اونچا کر کے چاروں طرف دیکھا اور پھر دھیمے لہجے میں بولا

"تم میں سے ایک کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"کہاں؟"

قربان علی کے پاس میں اس کا نمائندہ ہوں۔"

"وہ کہاں ہے۔؟"

نوید نے جلدی سے پوچھا۔

"ایک مقامی ہوٹل میں مقیم ہے میں خود اس کے پاس لے چلوں گا۔"

"میں اس کے ساتھ جارہا ہوں بھائی جان! آپ انتظار کریں۔"

نوید کھڑا ہوا بولا۔ نہیں نوید ہم دونوں ہی چلیں گے اگر قربان علی سے بات ہو جاتی ہے تو اسی وقت معاملہ طے کرلیں گے۔"

میں نے کہا اور نوید ہچکچاتے ہوئے انداز میں میری شکل دیکھنے لگا میں نے اس شخص کی غیر موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"اس رقم کی فکر مت کرو۔ دولت سے ہمیں دلچسپی نہیں ہے۔ ہم اسے ساتھ لے چلیں گے، اول تو ہم موم کے بنے ہوئے نہیں ہیں دوئم یہ کہ ہم خود یہ رقم قربان علی کو دے رہے ہیں چنانچہ اس کی فکر کرنا بے سود ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

نوید نے ایک گہری سانس لے کر کہا اور ہم دونوں نے لباس تبدیل کرلیا۔ نوٹوں کی گڈیاں نکال کر جیبوں میں ٹھونسیں اور تیار ہو کر نووارد کے ساتھ چل پڑے۔ نیچے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس کی کار موجود تھی۔ ہم دونوں پچھلی نشست پر بیٹھ گئے اور اس نے سٹیئرنگ سنبھال لیا۔ کار آگے بڑھ گئی۔ میں خود بھی اس سلسلے میں اپنی جلد بازی کو محسوس کر رہا تھا۔ ممکن ہے یہ شخص رقم کے لالچ میں ہمیں کہیں اور لے جا رہا ہو۔ ہمارے پاس پستول وغیرہ بھی نہیں تھا۔ ایسی حالت میں ہم با آسانی چوٹ کھا سکتے تھے لیکن اب اس سلسلے میں سوچنا بے کار تھا۔ میں تو خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ چکا تھا لیکن نوید کا مسئلہ تھا۔ نجانے اس کے خیالات کیا ہوں گے۔ کار دوڑتی رہی اور اسی رفتار سے میرا ذہن دوڑتا رہا۔ یہاں تک کہ کار ایک خوبصورت ہوٹل کے لان میں داخل ہوگئی۔ پارکنگ میں کار کھڑی کر کے اس نے ہمیں نیچے اترنے کے لیے کہا اور پھر ہمارے آگے آگے چلتا ہوا ہوٹل کے اس حصے کی طرف بڑھ گیا جہاں لفٹ لگی ہوئی تھی۔ لفٹ نے ہمیں تیسری منزل پر چھوڑ دیا۔ ایک راہداری میں چند قدم چل کر ہم تینوں ایک کمرے کے سامنے رک گئے۔ اس شخص نے دروازے پر دستک دی۔ دستک دینے کا انداز مخصوص تھا۔ چند ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والا عربی لباس میں ملبوس تھا۔ اس نے ہم دونوں کو غور سے دیکھا اور پھر دروازے سے ہٹ گیا۔ ہم کمرے میں پہنچ گئے۔ اعلیٰ قسم کے فرنیچر سے آراستہ کمرے کے عین درمیان پڑے ہوئے صوفے پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ ایک بھاری بھرکم عرب جس کی جسامت کسی دیو سے کم نہ تھی۔ سیاہ چہرے پر سیاہ داڑھی اور بڑی مونچھیں بے حد خطرناک لگ رہی تھی۔ یہی قربان علی تھا۔ ہمارے ساتھ آنے والے نے عربی میں اس سے کافی دیر گفتگو کی۔ اس دوران میں اور نوید کھڑے ہی رہے۔ نوید کی آنکھوں کے بدلتے ہوئے رنگ کو میں نے دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ضبط کرنے کا مشورہ دیا۔ ظاہر ہے قربان علی نے ثمینہ کو فروخت کیا تھا یہی بہت سی لڑکیوں کی زندگی تباہ کرنے کا ذمہ دار تھا۔ اسے دیکھ کر غصہ آنا لازمی بات تھی۔ پھر قربان علی ہماری طرف رخ کر کے انگریزی میں بولا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

"ہم دونوں خاموشی سے بیٹھ گئے۔ میں انگریزی میں بول سکتا ہوں۔ انگریزی میں گفتگو کرو، تم کیا چاہتے ہو۔"

"ہم تم سے ایک لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"پہلے یہ بتاؤ وہ لڑکی تمہاری عزیز تھی؟"

"ہاں بہت عزیز"

میں نے حسرت سے کہا۔

"ٹھیک ہے وہ کون تھی، کہاں تھی اور تمہیں کیسے شبہ ہوا کہ وہ کبھی میرے پاس تھی؟"

"پچھلی بار تم شام نگر گئے تھے۔ تم نے وہاں ایک ہندو جس کا نام ارجن تھا اس سے اسے خریدا تھا مسلمان لڑکی تھی اور اس کا نام ثمینہ تھا۔"

"ٹھیک ہے آگے کہو۔"

"وہی ہماری مطلوبہ لڑکی ہے وہ ہماری بہن ہے اور ہم اس کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ تمہاری تلاش میں ہم دبئی گئے جہاں سے ایک جزیرے پر لڑکیاں فروخت ہوتی ہیں وہاں سے ہمیں پتہ چلا کہ تم ایران آئے ہو چنانچہ ہم وہاں سے آرہے ہیں۔"

"خوب، بہت خوب شام نگر میں تمہیں میرے بارے میں کس نے بتایا۔"

"ارجن نے۔"

"اوہ، ٹھیک ہے ٹھیک ہے ہاں تو دوست اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے میں نے اسے اغوا تو نہیں کیا تھا کسی نے اسے میرے ہاتھ فروخت کیا میں نے اسے تھوڑے سے منافع سے بیچ دیا۔ بہرحال اب تم کیا چاہتے ہو۔"

"صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ اسے تم نے کس کے ہاتھوں فروخت کیا تھا۔ سنو قربان علی ہم تمہیں صرف اس کا پتہ بتانے کی اتنی قیمت دے سکتے ہیں جتنے میں تم نے اسے فروخت کیا ہوگا۔"

نوید نے کہا۔ اب تک وہ انتہائی چالاکی سے گفتگو کر رہا تھا اور اپنی گفتگو سے اس نے اب تک قربان علی کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہونے دیا تھا۔

"خوب، کسی چیز کی قیمت ادا کرنا بہت اچھی عادت ہے۔ ہاں تو دوست تم اس کا پتہ بتانے کی کیا قیمت دے سکتے ہو؟"

"کیا مانگتے ہو؟"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"پانچ ہزار ڈالر۔"

قربان علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"منظور"

نوید جلدی سے بول پڑا۔

"ایک سودا اور کرو اس دوسرے سودے کے ساتھ ہی یہ سودا بھی طے ہو سکتا ہے۔"

قربان علی نے کہا اس خونخوار آدمی کے چہرے سے اسے ایسی کراہت ہو رہی تھی کہ دل چاہ رہا تھا کہ اس کی بوٹیاں چبا ڈالی جائیں لیکن افسوس ہم دونوں ہی ایسا کرنے سے مجبور تھے۔ ہم اس کی منحوس شکل سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ چند منٹ سوچتا رہا پھر بولا۔

"لڑکی ایک نواب نے خریدی تھی۔ بے پناہ دولت مند نواب ہے، میرا مستقل گاہک ہے اس لیے وہ مجھے یاد ہے ورنہ جانے کتنے سودے کرتا ہوں کتنے ملک کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے سب کو بھول جاتا ہوں ہاں تو یہ کہہ رہا تھا کہ نواب میرا پرانا واقف ہے میں اس کی عادت جانتا ہوں جو چیز اسے پسند آجائے اسے ہر قیمت پر خرید لیتا ہے اور پھر دنیا کی کوئی طاقت اس سے حاصل نہیں کر سکتی۔ وہ لڑکی میرا مطلب تمہاری بہن سے ہے اس نے بڑے شوق سے خریدی تھی۔ مجھے یقین ہے وہ اسے آسانی سے واپس کرنے پر تیار نہیں ہوگا۔ اسے صرف میں ہی حاصل کر سکتا ہوں۔ صرف میں..... میں اسے ہی پٹی پڑھاؤں گا کہ وہ اس لڑکی کو واپس دینے پر تیار ہو جائے اس نے اسے واپس نہ کیا تو جس طرف دوسری لڑکیاں آسانی سے قبضے میں آجاتی ہیں وہ لڑکی بھی دوبارہ میرے پاس آسکتی ہے..... کیا خیال ہے۔"

"ٹھیک ہے وہ لڑکی ..... ہمیں دلوا دو۔"

"پندرہ ہزار ڈالر ہوں گے اس کے کیا خیال ہے۔ کل ہوئے بیس ہزار ڈالر میرا خیال ہے ایک بہن کی یہ قیمت زیادہ نہیں ہے۔"

"ہمیں منظور ہے قربان علی لیکن کیا تم وعدے کی پابندی کرو گے۔ نوید نے پوچھا۔

"مرد کا وعدہ، قربان علی کو عورت کہنے والے نے آج تک جنم نہیں لیا۔"

"ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"

"صرف تین دن انتظار، میرا کام ختم ہو چکا ہے تیسرے دن ہم خشکی کے راستے یہاں سے عراق نکل جائیں گے پھر وہاں سے واپس اس جگہ جہاں تمہاری بہن موجود ہوگی۔ پہلے میں تمہاری بہن کو حاصل کر کے تمہارے حوالے کر دوں گا اور اس کے بعد دوسرا کام کروں گا۔"

"ٹھیک ہے یہ گڈیاں سنبھالو اور گن لو کتنی۔ نوید نے کہا اور جیب سے گڈیاں نکالتے ہوئے مجھے بھی اشارہ کیا اور میں نے بھی نوٹ نکال کر قربان علی کے سامنے ڈھیر کر دیئے۔ 13 ہزار ڈالر تھے۔ باقی رہے 7 ہزار ڈالر ان کے لیے نوید زیادہ فکر مند نہیں تھا سات ہزار ڈالر کے علاوہ پانچ ہزار میری طرف تھے۔ قربان علی کام ہوتے ہی تمہیں یہ رقم ادا کر دی جائے گی۔"

"سودا منظور قربان علی نے نوٹ سمیٹتے ہوئے کہا یہ گڈیاں ایک طرف رکھتے ہوئے ہماری طرف ہاتھ بڑھایا اور بولا۔

"قربان علی ایسے لوگوں کے لیے دل و جان لگا کر کام کرتا ہے جو اس کا اعتبار کرتے ہیں آج سے تم میرے مہمان ہو۔ تمہارا سامان یہاں منگوا لیا جائے گا شاید تمہیں یہ سن کر خوشی ہو کہ یہ ہوٹل تمہارے خادم کا ہی ہے دنیا کے بے شمار ملکوں میں میرے ایسے ہوٹل موجود ہیں۔ اصل میں میرے کاروبار کے سلسلے میں یہ میری بڑی مدد کرتے ہیں۔....."

میں خاموش رہا لیکن نوید قربان علی میں بہت دلچسپی لے رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک قربان علی سے گفتگو کرتا رہا اور اس خطرناک آدمی سے اس کی اچھی خاصی دوستی ہوگئی۔ قربان علی نے اسی ہوٹل میں ایک کمرہ خالی کروا دیا اور ہم اسی میں مقیم ہوگئے نوید کو نجانے کیا ہوگیا تھا کہ ہر وقت قربان علی کے ساتھ ہی لگا رہتا۔ دوسرے دن اس نے مجھے بتایا کہ اس نے قربان علی کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اسے یہ بھی پتہ چل گیا ہے قربان علی لڑکیاں کس طرح حاصل کرتا ہے اس نے بتایا کہ خوبصورت لڑکیاں قربان علی کے ہوٹل آتی ہیں ایک ایسی جگہ ہے ہوٹل میں جہاں سے ہال میں نگاہ رکھی جاتی ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قربان علی وہیں سے اپنے شکار کا انتخاب کر لیتا ہے اور پھر کسی طرح اپنی منتخب لڑکی کو اغوا کرا لیتا ہے۔ یا اسے کسی دوسرے ذریعے سے حاصل کر لیتا ہے اور پھر وہ فروخت ہو جاتی ہے۔ تیسرے دن قربان علی نے ہمیں تیار رہنے کو کہا پھر رات کو آٹھ بجے کے قریب ایک کار لے کر ہمیں چل پڑی ایک دور دراز علاقے میں ہم دو جیپوں اور ایک ٹرک کے قریب اتر گئے جیپ میں قربان علی موجود تھا۔ اس نے نوید کو اپنے قریب جگہ دی، نوید اس سے بہت گھل مل گیا تھا۔ بہرحال یہ قافلہ تاریکی میں چل پڑا۔ ناہموار اور خطرناک راستے طے کر کے صبح کے قریب ہم ایک علاقے میں پہنچ گئے۔ یہاں قربان علی کے بہت سے ساتھی اس سے جدا ہو گئے۔ ٹرک سے تین لڑکیوں کو اتار کر اسی جیپ میں ٹھونس دیا گیا جس میں قربان علی موجود تھا۔ قربان علی کے دوسرے ساتھی دوسری جیپ میں تھے۔ ٹرک واپس چلا گیا۔ اب ہم سرحد پار کر رہے تھے قربان علی نے سرگوشی کے انداز میں بتایا۔

"یہ ہمارا مخصوص راستہ ہے لیکن پھر بھی خطرناک ہے کیونکہ بائیں طرف کی پہاڑیوں پر فوج موجود ہے۔"

"ہم دونوں خاموش رہے تقریباً تین میل چلنے کے بعد جیپ ایک سرنگ میں داخل ہو گئی تو قربان علی نے سکون کی سانس لی۔"

"اب خطرہ ٹل گیا ہے وہ بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔"

"سرنگ سے نکلنے کے بعد جیپ کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ راستہ اب بھی ناہموار تھا لیکن وہ لوگ اب بے فکر ہو گئے تھے۔ ہم نے ابھی تاریکی میں سفر کیا تھا اس لیے ان مظلوم لڑکیوں کو بھی نہیں دیکھ سکے تھے جنہیں اغوا کر کے لایا گیا تھا۔ سفر جاری رہا پھر دور سے کسی بستی کے آثار نظر آئے اور روشنیاں چمک رہی تھی لیکن پھر میں نے چند ہی لمحوں کے بعد محسوس کیا کہ جیپیں بستی سے کترا کر گزر رہی ہیں پھر صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ سورج کی پہلی روشنی کے ساتھ ہمیں بلند و بالا عمارتیں نظر آنے لگیں گویا ہم کسی بڑے شہر کے قریب پہنچ گئے تھے ٹھیک سات بجے ہم اس شہر میں داخل ہو گئے۔ جیپوں کی رفتار بہت تیز تھی اور قربان علی بہت محتاط نظر آ رہا تھا۔ شاید وہ روشنی سے قبل یہاں پہنچ جانا چاہتا تھا لیکن دیر ہو گئی تھی شہر میں داخل ہو کر زیادہ سفر طے نہ کرنا پڑا ایک خوبصورت عمارت جس پر ایک ہوٹل کا بورڈ لگا ہوا تھا جیپ اندر داخل ہو گئی اور عمارت کے عقب میں رک گئی فوراً ہی دس

بارہ آدمی دوڑ پڑے انہوں نے سب سے پہلے لڑکیوں کو اتار کر اندر پہنچایا۔ جو سیاہ برقعوں میں ملبوس تھیں اور جن کی صورتیں جھکی ہوئی تھیں۔ قربان علی دوسرے آدمیوں کے ساتھ ہوٹل کی جانب بڑھ گیا ہم سب کے لیے آن کی آن میں ہوٹل میں اعلیٰ انتظام کر دیا گیا۔ ناشتہ ہمارے کمرے میں آ گیا اور ناشتہ کرتے ہوئے میں نے نوید سے پوچھا۔"

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے نوید میری سمجھ میں نہیں آتا تم قربان علی سے اتنے گھل مل کیوں گئے ہو؟"

میرا جملہ پورا ہوتے ہی نوید نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش کر دیا اور میرے کان کو قریب منہ کر کے بولا۔"

"یہ بات نہ بولو بھائی جان تو یہ ہوٹل قربان علی کا ہے اور وہ کہیں بھی ہماری آواز سن سکتا ہے۔ میں نے واقعی محسوس کیا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ اس کے بعد میں نے نوید سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی۔ وہ دن ہم نے سکون سے گزارا ہم اسے سکون کہہ سکتے تھے لیکن ہمارے دل تو مضطرب تھے۔ ثمینہ کے لیے قربان علی جیسے خطرناک آدمی پر بھروسہ بھی نہیں تھا۔ دوپہر کو قربان علی کا ایک آدمی اپنے ساتھ کھانا لے کر آیا اور اس نے مجھ سے کہا۔"

"قربان علی کا حکم ہے آپ لوگ بھی اپنے کمرے سے باہر قدم نہ رکھیں یہ قید صرف آج کے لیے شاید کچھ خطرناک حالات پیدا ہو گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں نے کہا اور پھر رات گئے تک میں اور نوید گفتگو کرتے رہے رات کو ٹھیک ایک بجے تک جب ہم دونوں سونے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ ہمارے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور ہم ادھر چل پڑے۔

"کون ہے میں نے پوچھا؟"

"دروازہ کھولو ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی، یہ قربان علی کا آدمی تھا۔ میں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا تو وہ بولا۔

"صرف چند منٹ میں تیار ہو جاؤ ہم چل رہے ہیں، نوید نے ایک لفظ بھی نہ کہا اور خاموشی سے لباس پہننے لگا۔ قربان علی کے دوسرے آدمی شاید جا چکے تھے۔ نیچے کھڑی ہوئی گاڑی میں صرف ہم دو لوگ تھے یا وہ شخص جو ہمیں بلانے کے لیے آیا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چوتھا آدمی ڈرائیور تھا، ہم لوگ چل پڑے۔ کار کی تمام روشنیاں بجھی ہوئی تھیں۔ ہمیں نہیں پتہ تھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ بیس منٹ کی کافی تیز رفتاری سے سفر کرنے کے بعد کار ایک ایسے علاقے میں رک گئی جہاں روشنی نہیں تھی، دور دور تک سناٹا چھایا ہوا تھا اور پانی کا شور سناٹے کی آواز کو زخمی کر رہا تھا۔ شاید سمندر قریب تھا۔ میرا اندازہ صحیح نکلا۔ سمندر کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ پھر ساحل نظر آنے لگا یہاں تاروں کی چھاؤں میں بہت سے ساحل نظر آ رہے تھے تھوڑے سے فاصلے پر یہاں اسٹیمر لانچ کھڑی تھی۔ ایک چھوٹی سی ماہی گیری کشتی، ہم تینوں کو لانچ تک لے گئی یہاں ہم نے قربان علی کو دیکھا جو کچھ لوگوں سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے ہماری طرف توجہ نہ دی اور لانچ کے سامنے والے حصے میں پہنچا دیا۔ یہیں وہ تینوں لڑکیاں بھی سہمی ہوئی بیٹھی تھیں جنہیں اب برقعوں سے آزاد کر دیا گیا تھا۔ ان کی شکلیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ فی الحال ہم ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ ہم خود مجبور تھے۔ لانچ تیز رفتاری سے سفر کرتی رہی پھر رات کے کسی حصے میں قربان علی ہمارے پاس آیا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آواز میں شوخی تھی۔

"کہو دوستو کوئی تکلیف تو نہیں ہے بے آرامی بے شک ہے لیکن کل دن بھر ہم آرام کریں گے۔ اس نے کہا اور ہم نے اندازہ لگا لیا کہ کل صبح ہم کسی خشک پر پہنچ جائیں گے اور یہی ہوا صبح کی آمد آمد تھی اور لانچ کسی ساحل پر جا لگی۔ اس بار کسی بھری پری جگہ پر اترے تھے۔ جہاں قربان علی کے بہت سے شناسا موجود تھے۔ ہم سب کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ پھر ہم قافلے کی طرف چل پڑے۔ تینوں لڑکیاں بری طرح نڈھال ہو رہی تھیں۔ وہ بہت خوبصورت تھیں لیکن ان کے چہرے خوف اور صدمے سے سفید ہو گئے تھے۔ ویران آنکھوں میں دہشت کے علاوہ اور کوئی تاثر نہیں تھا۔ میں نے ان کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں کہ کہیں کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھوں جو مجھے ثمینہ سے دور کر دے چنانچہ میں نے سب کچھ برداشت کر لیا۔ نوید مجھ سے زیادہ گرم خون رکھتا تھا لیکن وہ اپنے چہرے کو لاتعلق بنائے ہوئے تھا۔ اس بار ہمارا قیام کسی ہوٹل یا سرائے میں نہیں ہوا تھا بلکہ خشک جگہ خیمے لگائے گئے تھے اور ان خیموں میں سے لڑکیوں کو ایک بار منتقل کر دیا گیا تھا۔ ایک میں ہم اور باقی دوسرے خیموں میں قربان علی اور اس کے ساتھی دوپہر تک قربان علی سے ملاقات نہیں ہوئی لیکن دو بجے کے بعد ہمارے خیمے میں آ گیا اور بولا۔ اتفاق سے دوستو پروگرام میں کچھ

تبدیلی ہو گئی۔ پہلے مجھے ان لڑکیوں کو ٹھکانے لگانے جانا تھا لیکن ہمیں اطلاع ملی کہ جس راستے سے ہمیں جانا ہے وہ خطرناک ہو گیا ہے جب تک وہ صاف نہ ہو جائے ہمیں وہاں سے نہیں گزرنا چاہئے چنانچہ میں اس طرف آ نکلا اور یہ جگہ تمہاری مطلوبہ جگہ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"نوید نے چونک کر پوچھا۔"

اسی علاقے میں وہ شخص رہتا ہے جس کے پاس ہمیں جانا ہے وہ یہاں کے ایک بہت بڑے حصے کا مالک ہے جنوبی ساحل کا اس کا ٹھیکہ ہے اور اس کے آدمی وہاں ماہی گیری کرتے ہیں اس نے تمہاری بہن کو مجھ سے خریدا تھا۔ قربان علی کی زبان سے یہ تفصیل سن کر ہم دونوں کی بے چینی کی انتہا نہ رہی ہمارا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر ثمینہ کے پاس پہنچ جائیں اور اسے گلے لگا لیں۔"

"پھر اس کے پاس کب چلو گے نوید نے پوچھا۔"

"تھوڑی دیر بعد چلیں گے پہلے میں اس سے اپنے طور پر گفتگو کر لوں، اگر لڑکی واپس کر کے اس کے بدلے کسی اور لڑکی کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پرسوں ہم سے یہاں سے روانہ ہوں گے اور تمہاری بہن کو اغوا کر لیں گے۔ اس بات پر ہم نے قربان علی سے اتفاق کیا اور بڑی بے چینی سے وقت گزارنے لگے آخر کو قربان علی ہمیں ساتھ لے کر چل پڑا۔ جزیرے کے ریتلی علاقے عبور کرتے ہوئے ہمارے دل زور سے دھڑک رہے تھے۔ ثمینہ سے ملنے کی آرزو شدید تر ہوتی جا رہی تھی کتنی خوش ہو گی وہ ہم دونوں کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے بعد ہم پیلے رنگ کی مٹی اور تختوں سے بنے ہوئے کشادہ مکان کے پاس پہنچ گئے جہاں دو کالی شکلوں والے آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ قربان علی نے ان میں سے ایک کو کہا شیخ کو اطلاع دو کہ قربان علی آیا ہے پھر اس نے ایک منٹ کے اندر آ کر کہا۔"

"شیخ نے انہیں طلب کیا ہے، باہر سے یہ مکان زیادہ اچھا نہیں تھا لیکن اندر سے اسے دیکھ کر آنکھیں کھل جاتی تھیں، صحن میں اعلیٰ درجے کے قالین بچھے ہوئے تھے۔ دنیا بھر کی عیش و آرام کی ہر چیز موجود تھی۔ ملازم کی رہنمائی میں ہم خوبصورت ہال میں پہنچ گئے جس کا اس بڑھے ہوئے مکان میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہال کے ایک آرام دہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

صوفے پر عربی لباس پہنے ہوئے ایک شخص موجود تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ مسکرا کر کھڑا ہو گیا اور مجھے زمین گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے گرنے سے بچنے کے لیے نوید کا سہارا لیا ورنہ میں گر پڑا ہوتا۔ یہ شیخ صاحب ہیں، قربان علی نے ہمارا تعارف کرایا، لیکن مجھے اس تعارف کی ضرورت نہیں تھی میں اس شیطان کو اچھی طرح پہچانتا تھا جو مجھے دیکھ کر طنزیہ مسکرا رہا تھا اس کا نام تیجا ہی تھا۔ میں سکتے کے عالم میں تیجا کی صورت دیکھ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہی سچ ہے یا یہی میری نظر کا دھوکا ہے۔ میں پاگلوں کی طرح اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ دوسرں کو میری اس کیفیت کا کوئی اندازہ نہیں تھا لیکن تیجا میری کیفیت سے بخوبی واقف تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بتاتی تھی کہ وہ میری اس کیفیت سے خوب لطف اندواز ہو رہا ہے کچھ لمحوں کے بعد اس کی مکروہ آواز سنائی دی۔

"آؤ، آؤ فرید جی، سیانے ٹھیک ہی کہتے ہیں دنیا گول ہے۔ پوری کی پوری گول ہے۔ اس نے ہنس کر کہا اس کے منہ سے میرا نام سن کر قربان علی اور نوید حیران ہو گئے تھے۔ قربان علی نے حیران لہجے میں کہا آپ پہلے سے فرید صاحب سے واقف ہیں شیخ۔

"واقف، ارے ہماری دوستی تو اتنی پرانی ہے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ کیا جانتے ہو تم لوگ ان کے بارے میں جتنا ہم جانتے ہیں؟

"تعجب ہے، قربان علی بولا۔"

"یہ ضدی اور پاگل ہیں۔ پورے پاگل، تیجا بولا۔ اس کے لہجے میں نفرت اور حقارت تھی جس پر نوید بری طرح چونک پڑا۔ تیجا کے الفاظ اور لہجے پر نوید کی صورت بگڑتی ہی جا رہی تھی میرے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا اور میں نے غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کمینے کتے، بتا میری بہن کہاں ہے۔ اسے میرے حوالے کر دے ورنہ۔

"ورنہ سے آگے، وہ بدستور مسکراتا رہا۔"

"بھائی جان یہ کون ہے اور آپ۔"

"ورنہ سے آگے تجھے بتاؤں۔ میں نے نوید کی بات کو نظر انداز کر کے کہا۔

قربان علی بھی سخت پریشان نظر آرہا تھا۔ یہ شیطان تیجا ہے۔ یہ وہی مردود ہے جس نے ہمیں اس حالت تک پہنچا دیا۔ یہی وہ کتے کا بچہ ہے جس نے اس دنیا کو ہمارے خاندان پر جہنم بنا دیا۔ یہی وہ ہے نوید جس کے ملنے سے پہلے ہم بھی سکون او رانسانوں کی مانند زندگی بسر کرتے تھے۔ میں نے نفرت اور دکھ سے کہا اور نوید کے چہرے پر جہنم سلگ اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"یہ..... یہ وہ ذلیل انسان ہے۔"

"چلو یک نہ شد دو شد۔ قربان علی بڑے اچھے مہمان لائے ہو ہمارے پاس مگر کوئی بات نہیں۔ آج تم بھی ہمارے پرانے دوستوں کو دیکھ لو۔

"کتے کے بچے آج تو میرے ہاتھ سے نہیں بچ نکلتا۔ نوید نے کہا اور پتلون کا پائنچہ الٹ کر ایک لمبا خنجر نکال لیا اور مٹھی میں دبا کر اچانک ہی تیجا پر ٹوٹ پڑا۔

"ارے ارے، یہ کیا ہو رہا ہے، پاگل ہو گئے ہو کیا تم۔ لیکن اس کا یہ کہنا بیکار تھا اور نہ ہی وہ اس حملے کو روک سکتا تھا۔ نوید نے بجلی کی سی تیزی سے تیجا پر چھلانگ لگائی تھی اگر تیجا اس کی زد میں آجاتا تو یقیناً اس کا کام تمام ہو گیا تھا لیکن جہاں کام ہی دوسرا ہو گیا تھا۔ نوید تیجا کے بدن سے گزر گیا تھا اور ساتھ والی دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ تیجا نے تو اسے روکنے کے لیے کوئی کوشش کی تھی نہ اس نے اپنی جگہ بدلی تھی بس ایسا ہی لگا تھا جیسے کہ یہ دھویں کی دیوار سے گزر گیا ہو۔ بمشکل تمام اس نے خود اپنے ہاتھ کو زخمی ہونے سے بچایا تھا۔ البتہ اس نے ہار نہیں مانی اور ایک بار پھر وہ سنبھل کر پلٹا لیکن اس وقت ایک فولادی زنجیر اس کے ہاتھوں میں آپڑی۔ پھر کسی غیر مرئی ہاتھ سے اس کے چاقو والے ہاتھ کو پٹکا دیا اور چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔ نوید کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار تھے۔ اس نے پریشانی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر دانت بھینچ کر آگے بڑھا تو اس کے پاؤں بھی جکڑ گئے۔

"بے وقوف لڑکے۔ یہ سب کچھ کرنے سے پہلے تو فرید جی کے بارے میں معلوم کر لیتا۔ خیر لڑائی ہماری ہے تو ہمارے درمیان بے کار آ گیا ہے۔ فرید جی جانتے ہیں کہ ہمیں ان کے خاندان کے کسی فرد سے دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی ہم نے اس خاندان کے کسی فرد کو کوئی نقصان پہنچایا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"میں تمہیں زندہ دفن کردوں گا کتے۔" نوید دھاڑ کر بولا۔

"ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو ہم تجھے اس کا موقع ضرور دیں گے۔" تیجا نے کہا اور اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی اس کی آنکھوں کا رنگ بدلنے لگا اور میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ یہ سب غیر متوقع تھا۔ آہ میرا نوید اس وقت سخت خطرے میں پڑ گیا اور میں بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ تیجا کی آنکھیں خوفناک ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر اس نے نوید کے عقبی میں دیکھا اور اس وقت عقب دروازہ کھل گیا ایک خوفناک پھنکار دکھائی دی۔ آہ وہ ایک کالا سانپ تھا جس کا پھن ایک گز کے قریب زمین سے اونچا اٹھا تھا۔ اچانک ہی سانپ نے پھن ڈالا اور آگے بڑھنے لگا۔ قربان علی اچھل کر ایک طرف ہوگیا۔ سانپ نوید پر لپکا لیکن نوید کا یہ انجام نہیں ہونا چاہئے میری اپنی جان ہی کیوں نہ چلی جائے چنانچہ میں نے سانپ پر چھلانگ لگا دی لیکن سانپ میرے ہاتھ نہ آسکا وہ کھڑا ہوکر اپنی چمکیلی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ قربان علی اور نوید نے میری اس جانثاری کو دیکھا تھا۔

"تیجا کمینے ذلیل انسان بلکہ انسان نام کے شیطان تو میرے بھائی کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔"

"اس نے مجھے گالیاں دی ہیں میری توہین کی ہے۔"

"تو اس سے بڑا کتا ہے جتنا تجھے کہا گیا ہے۔"

"اس وقت میں تیرے ساتھ بھی رعایت نہیں کروں گا فرید۔ سانپ کے سامنے سے ہٹ جا ورنہ یہ تجھے بھی نہیں چھوڑے گا۔"

"ٹھیک ہے، یہ میری موت کے بعد ہی میرے بھائی کو نقصان پہنچا سکے گا۔ میں نے کہا اور سانپ پر دوسری چھلانگ لگا دی لیکن سانپ نے پینترہ بدل لیا۔ جلدی سے اپنی جگہ چھوڑ دی وہ اگر چاہتا تو مجھ پر حملہ کرسکتا تھا لیکن اس نے مجھ پر حملہ نہیں کیا تھا۔ پاگل ہوگیا ہے کیا۔ تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ یہ سانپ نہیں میرا بیر ہے مگر میں نے اس کے اندر اتنا زہر بھر دیا ہے کہ پتھر پر منہ مار دے تو سنکھیا بن جائے دیکھنا چاہتا ہے اپنے بھائی کا حال۔ تیجا نے پھر چٹکی بجائی اور سانپ پھر لہریں لینے لگا بڑا بھیانک منظر تھا اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے اس بار نوید سانپ سے نہ بچ سکے گا میں نے کہا۔

"اگر تیرا میرے خاندان سے جھگڑا نہیں ہے تیجا تو اس سانپ کو واپس بھیج دے۔ میرا بھائی جذباتی ہوگیا تھا وہ تجھ سے واقف نہیں تھا۔

"ایسی بات ہے تو پھر مجھ سے اس کی زندگی کا سودا کرلے۔"

"ٹھیک ہے، میں تم سے بات کروں گا۔"

"ہوں، اس نے کہا اور سانپ کی طرف دیکھا۔ سانپ نے رخ بدلا اور پھر رینگتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ نوید بھی کافی بدحواس ہوگیا تھا اس کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں پڑی ہوئی تھیں اور وہ سانپ سے اپنا بچاؤ بھی نہیں کرسکتا تھا جبکہ سانپ کو دیکھ کر وہ نروس بھی ہوگیا تھا سانپ کے جانے کے بعد دروازے سے دو مکڑے کی شکل کے آدمی اندر آگئے اور تیجا نے کہا ان دونوں کو لے جاؤ اور کالی کنڈ میں بند کردو۔ آنے والوں نے قربان علی اور نوید کے بازو پکڑے تو قربان علی خوف سے چیخ پڑا۔ میں تو تمہارا وفادار ہوں۔

"شیخ، ارے کون شیخ رے؟"

"مگر شیخ۔"

قربان علی روتا ہوا بولا۔

"کیا دیکھ رہے ہو تم کتیا کے بچو۔ لے کیوں نہیں جا رہے اسے۔ تیجا غرا کر بولا اور دونوں بدشکل آدمی نوید اور قربان علی کو گھسیٹ کر باہر لے گئے۔ میں اب اپنے بھائی کی کوئی مدد نہیں کرسکا اور بڑی بے بسی محسوس کر رہا تھا اب میں تیجا کے پاس کمرے میں رہ گئے تھے۔ تیجا مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ بیٹھو فرید۔ بڑے دن کے بعد ملے ہو ساتھ بیٹھ جاؤ۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ تیجا سے تعاون کروں۔ اب نوید میری زندگی کا آخری سہارا تھا اور میں کوئی سخت عمل کرکے اس کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا چنانچہ میں بیٹھ گیا۔ تیجا بھی سنجیدہ نظر آرہا تھا کچھ دیر بعد بولا۔

"اس دوران جو کچھ کرتے رہے ہو تمہارا کیا خیال ہے مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں اس عورت نے بے شک تمہیں سمندر پار کراکے میرے سارے جادو ختم کردیئے تھے لیکن ہمارا نام تیجا ہے اور ہم دونوں کا خوب گٹھ جوڑ ہوا ہے۔ ہم سے بات کرو گے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ہاں تیجا، میں نے کہا۔"

"دیکھو فرید جی، کیوں اپنے سارے خاندان کو مشکل کیے ہوئے ہو وہ ہماری شکتی دیکھ چکے ہو جو چاہیں کر سکتے ہیں ہم تم روک نہیں سکتے ہمیں۔ ہم نے اب تک نرمی سے کام لیا ہے ورنہ تمہارے سامنے تمہارے سارے خاندان کو ختم کر سکتے ہیں اب بھی ہماری بات مان لو۔ ہمیں مسجد میں پہنچا دو اور ساری زندگی سکھ سے سیر کرو۔ سنسار میں اتنا کچھ دے دیں گے تمہیں کہ یاد کرو گے۔

"مسجد میں پہنچا دو، میں حیرت سے بولا تم نے پہلے تو مجھ سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا موقع ہی نہیں دیا تم نے، تیجا بولا اور میں اس کی بات پر غور کرنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔ مجھے بتاؤ تیجا، آخر تم چاہتے کیا ہو۔

"ہاں ضرور لگتا ہے کہ آج ہمارے درمیان جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ اچھا ہی ہوگا۔ سنو ہم تم سے کیا چاہتے ہیں۔ وہ بولا اور میں اس کی کہانی سننے کے لیے تیار ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

تیجا کچھ دیر خاموش رہا پھر گہری سانس لے کر بولا۔ "میرے پتا دوارکا ناتھ ایک بڑے جوتشی تھے۔ بڑی دھوم تھی ان کی۔ ایک دن انہوں نے میرا ہاتھ دیکھ کر بتایا کہ سنسار کی بہت بڑی شکتی مجھے حاصل ہو گی۔ ہم غریب لوگ تھے بس کام نہیں نام تھا پتا جی کا۔ پاس پلے کچھ نہیں تھا۔ میرے من میں یہ بات بیٹھ گئی۔ پر کہیں سے بڑا آدمی بننے کے آثار نہیں تھے۔ پتا جی مر گئے۔ مگر میرے من میں یہ خیال چھوڑ گئے آخرکار میں نے ایک سادھو سے جادو منتر سیکھے اور میری آخری جادو کی تکمیل یہ تھی کہ میرا ایک پتلا مسلمانوں کی مسجد میں پہنچا دیا جائے اور یہ کام ایک مسلمان ہی کر سکتا ہے۔ اس کے بعد مجھے سنسار کی سب سے بڑی شکتی مل جائے گی۔"

"اور یہ کام تو مجھ سے لینا چاہتا ہے۔" میں غرا کر بولا۔

"ہاں تجھ سے"

"بھول جا اس بات کو میں یہ کام کبھی نہیں کروں گا۔"

کرے گا، ضرور کرے گا۔ یہ میرا سب سے بڑا مقصد ہے۔" تھوڑی دیر بعد وہی غلام اندر آ گئے اور انہوں نے مجھے پکڑ کر اس قید خانے میں پہنچا دیا۔ تاریک قید خانے میں تھوڑی دیر کے بعد میرے بھائی اور قربان علی کو بھی پہنچا دیا گیا۔

"قربان علی سخت غصے میں تھا اور اس نے غرا کر کہا۔ "تم نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ تم کسی جادوگر کے چکر میں پھنسے ہوئے ہو۔"

یہ بات تو ہم بھی نہیں جانتے تھے اور تمہیں معلوم ہے کہ تم ہمیں یہاں لائے تھے۔

"مجھے بھی نہیں معلوم تھا کہ کہ وہ مردود جادوگر بھی ہے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"خیر ہمیں تو اپنی بہن کی تلاش ہے اب بتاؤ اس بارے میں کیا کریں؟"

"جہنم میں گئی تمہاری بہن، اس اولد الخبیث نے میری دوستی کا خیال بھی نہ کیا، میں اسے دیکھ لوں گا۔" قربان علی نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ قربان علی کی خونخوار فطرت عود کر آئی تھی۔ بہرحال ابھی ہمیں اس سے کام لینا تھا۔ اس لیے ہم بالکل خاموش رہے۔ اب میری آنکھیں بھی تاریکی کی عادی ہو گئی تھیں۔ اس لیے قربان علی اور نوید کے ہیولے دیکھ سکتا تھا۔ کافی دیر تک مکمل خاموشی رہی پھر قربان علی کچھ بڑبڑانے لگا اور پھر ہم سے بولا۔

"اگر تم آزاد ہو گئے تو اپنی بہن کے لیے کیا کرو گے؟"

"اسے تلاش کرتے رہیں گے۔ قربان علی ہماری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے۔"

"مجھے تمہاری رقم واپس کرنی پڑے گی" اس نے کہا۔

"اوہ، رقم کی فکر مت کرو، ہمیں صرف اپنی بہن کی ضرورت ہے۔ ہم اس سے دس گنی رقم خرچ کر سکتے ہیں۔ بس ہماری بہن مل جائے نوید نے کہا اور قربان علی کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا پھر چند منٹ کے بعد بولا۔

"میں اس خبیث نواب سے تمہاری بہن کے بارے میں ضرور معلوم کروں گا اور سنو، اگر تمہارے سامنے اپنی بہن کو تلاش کرنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے تو تم یہ کام میرے اوپر چھوڑ دو۔ پوری دنیا میں میرے آدمی پھیلے ہوئے ہیں وہ اسے تلاش کریں گے اور جہاں بھی مل گئی اسے لے آئیں گے۔"

"اگر تم چاہو تو اس وقت میرے ساتھ بھی رہ سکتے ہو جب تک تمہاری بہن نہ مل جائے۔"

"ہمیں منظور ہے قربان علی" نوید جلدی سے بول اٹھا اور یہ حقیقت تھی کہ سکیمیں بنانے میں نوید مجھ سے تیز تھا۔ نہ جانے کیا سوچ کر اس نے قربان علی کی یہ بات قبول کر لی تھی۔ تھوڑا سا اندھیرا اور پھیل جانے دو اس کے بعد ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔" قربان علی نے کہا۔

"کس طرح؟"

"میرا نام قربان علی ہے۔ الیاس نے مجھ سے دشمنی مول لی ہے یہ دشمنی اسے

کس قدر مہنگی پڑے گی، تم دیکھ لو گے۔ وہ اگر جادوگر ہے تو اس کا جادو میرے اوپر نہیں چلے گا۔ میں نے بڑے بڑے جادوگروں کو ٹھکانے لگایا ہے۔" قربان علی نے اکڑ کر کہا اور ہم خاموش ہو گئے۔ وقت گزرتا رہا قربان علی کی وجہ سے ہم دونوں کسی خاص موضوع پر گفتگو بھی نہیں کر سکتے تھے۔ نہ جانے کتنی رات گزر گئی جب قربان علی اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کی طرف گیا۔ ہم تاریکی میں اس کا سایہ بھی دیکھ سکتے تھے۔ کئی منٹ تک دروازے سے ہلکی ہلکی آوازیں نکلتی رہیں پھر روشنی کی ایک کرن اندر رینگ آئی اور اس کے ساتھ ہی ہوا کا جھونکا بھی۔ اور کئی گھنٹے بعد اس تکلیف دہ گھٹن سے نجات ملی جبکہ ہم عادی ہوتے جا رہے تھے۔ قربان علی نے دروازہ کھول لیا تھا پھر اس نے سرگوشی کے انداز میں مجھے آواز دی اور ہم دونوں جلدی سے اس کے پاس پہنچ گئے۔

"آؤ" اس نے کہا اور ہم تینوں باہر نکل آئے۔ قربان علی چونکہ پہلے بھی اس عمارت میں آ چکا تھا اس لیے اس کے بارے میں، اچھی طرح جانتا تھا۔ کئی راستوں سے گزرنے کے بعد ہم اس جانے پہچانے حصے میں پہنچ گئے۔ جہاں قربان علی کے ساتھ آئے تھے۔ اس کمرے میں روشنی تھی جہاں تیجا سے ملاقات ہوئی تھی۔ قربان علی نے دروازے کو تھوڑا سا دھکیلا اور پھر خوش ہو کر گردن ہلائی اس کے بعد وہ ہمیں اشارہ کر کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک خوبصورت مسہری پر شیخ الیاس سو رہا تھا یا بالفاظ دیگر تیجا، لیکن اس وقت اس کے چہرے پر شیطانیت نہیں بلکہ سادگی تھی۔ وہ سوتے میں ایک عام انسان معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے لمحے قربان علی نے ایک لمبا خنجر نکال لیا اور اس کی مسہری پر ایک زوردار ٹھوکر ماری۔ الیاس بری طرح اچھل پڑا اور پھر جاگ کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔ دوسرے لمحے وہ مسہری پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے قربان علی اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے خنجر کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کے حلق سے سہمی سہمی آواز نکلی۔

"قربان علی یہ تم ہو..... میرے خدا، تم اس حالت میں یہاں کیسے آئے؟"

"ادھار چکانے جادوگر نواب، ان لوگوں سے تمہاری دشمنی تھی تو تم نے قربان علی کا بھی خیال نہ کیا۔"

قربان علی نے خنجر چمکارتے ہوئے کہا۔

"کیا..... کیا کہہ رہے ہو عزیز..... کیا کہہ رہے ہو۔ ضرور تمہیں غلط فہمی ہوئی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہے۔ میں تو تین دن سے جزیرے سے باہر گیا ہوا تھا۔ آج ہی واپس آیا ہوں۔''

''بے وقوف بنا رہے ہو نا تیجا! تیرا خیال ہے تو اپنی چالاکی سے ایک بار پھر مجھے احمق بنائے گا۔'' قربان علی نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''یقین کرو قربان علی، نجانے کیوں، تم میری طرف سے غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو۔'' الیاس روہانسا ہو گیا تھا۔ اور میرے ذہن میں نئے خیالات جنم لے رہے تھے۔ بوڑھے شیطان سے کچھ بعید نہ تھا ممکن ہے اس وقت اس نواب کے بھیس میں ہو اور اب یہ اصل نواب ہو۔ چنانچہ میں نے قربان علی سے پوچھا۔

''اس سے ثمینہ کے بارے میں معلوم کرو۔'' بتاؤ وہ لڑکی کہاں ہے جس کو آخری بار تم نے مجھ سے خریدا تھا۔''

''ثمینہ..... ہاں..... میں نے خریدی تھی۔ بڑی مغرور لڑکی تھی۔ ایک رات بھی میرے ساتھ نہ رہی۔ حالانکہ میں نے اس کے جسم سے کھال ادھیڑ دی، لیکن اس نے میرا کہا نہ مانا۔ اس دوران مرشد آ گئے۔ اور انہوں نے مجھ سے وہ لڑکی مانگ لی۔ یقین کرو قربان علی، مگر کیا بات ہے تم کیوں پوچھ رہے ہو۔''

ثمینہ کے بارے میں اس ذلیل انسان سے سن کر میرا خون کھول گیا اور میں دیوانہ وار آگے بڑھ آیا۔ ''تو نے اس کے جسم سے کھال ادھیڑ دی تھی..... تو نے؟'' میں نے لرزتے ہوئے کہا۔

''بتاؤ اب وہ کہاں ہے ورنہ میں تمہارے پورے جسم سے کھال ادھیڑ دوں گا۔'' اور اچانک میں نے قربان علی کے ہاتھ سے خنجر جھپٹ لیا۔ میری اس پھرتی پر قربان علی حیران رہ گیا تھا۔ بہرحال اس نے اس معاملے میں مداخلت نہ کی اور قدرے پیچھے ہٹ گیا۔

''یہ کیا تماشا ہے قربان علی! میرے دوست، تمہارے دوست کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے اور تم خاموش دیکھ رہے ہو یہ کون لوگ ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔''

''تو نے بھی تو مجھے اپنے سیاہ غلاموں کے ذریعے قید کرا دیا تھا، الیاس تو نے بھی تو اپنی جادوگری مجھ پر آزمائی تھی۔ یہ لوگ اپنی بہن ثمینہ کی تلاش میں آئے ہیں۔ پہلے ہم تجھ سے کوئی باعزت سمجھوتہ کر سکتے تھے، لیکن تو نے سمجھوتے کے دروازے بند کر

دیئے۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا..... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔'' الیاس نے دونوں ہاتھوں سے بال نوچتے ہوئے کہا۔

''ثمینہ کہاں ہے کہتے، تجھے کچھ سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ تو صرف میری بات کا جواب دے۔'' نوید نے آگے بڑھ کر الیاس کے منہ پر گھونسہ رسید کرتے ہوئے کہا۔ الیاس کی آنکھوں میں غیظ کے آثار نظر آئے، لیکن میں نے خنجر کی نوک اس کے حلق پر رکھ دی اور وہ سنبھل گیا۔

''میں بتا چکا ہوں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں نے اسے مرشد کو دے دیا تھا، مرشد اسے لے کر سندرنگر گئے تھے۔ یقیناً وہ سندرنگر کے حرم میں ہو گی۔'' اس نے کہا۔

''مرشد کون ہے؟'' میں نے کڑک کر پوچھا۔

''ایک ولی کامل، انہوں نے کہا تھا کہ وہ لڑکی ان کے کام کی ہے۔ وہ لڑکی کے بھائی سے کوئی کام لینا چاہتے تھے۔'' نواب الیاس نے کہا اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔ ظاہر ہے یہ مرشد اس خبیث کے علاوہ کون ہو سکتا ہے جس نے نجانے کہاں کہاں اپنے پاؤں پھیلا رکھے تھے، لیکن دوسری طرف یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ ممکن ہے کہ الیاس کے روپ میں موجود تیجا نے اب کوئی نئی چال چلی ہو۔

''سندرنگر کہاں ہے۔'' میں نے غیظ و غم میں کانپتے ہوئے کہا۔

''سندرنگر یہاں سے ایک سو ساٹھ میل دور ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ مرشد وہاں موجود ہوں۔ وہ سیلانی آدمی ہیں اور پھر زمین ان کے لیے مختصر ہے۔ لمحات میں وہ لاکھوں میل کا سفر کرتے ہیں۔

''یہ کون سے مرشد کی بات کرتا ہے۔ مسٹر فرید! میں اس چالاک انسان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ کیا تم اس کی باتوں میں آ رہے ہو۔ تمہیں یاد نہیں کہ اس نے کس چالاکی سے ہم لوگوں کو قید کر دیا تھا جو شخص دوستوں کو قید کر سکتا ہے وہ کیا نہیں کر سکتا۔'' قربان علی نے کہا اور الیاس حیرت سے قربان علی کی شکل دیکھنے لگا۔ پھر وہ لرزتے ہوئے لہجے میں بولا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو، قربان علی میرے دوست۔"

"میں تمہاری دوستی پر لعنت بھیجتا ہوں جو وقت کے ساتھ بدلتی ہے۔ میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا کہ میں تمہارے مکان میں قید رہا ہوں۔"

"تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے، قربان علی۔ مجھے معاف کر دو اور ٹھنڈے دل سے حالات پر غور کر کے میری دوستی کے بارے میں فیصلہ کرو۔" الیاس نے کہا اور قربان علی مکاری سے اسے دیکھنے لگا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"اچھا تو پھر دوستی کے ثبوت پر اس لڑکی کو میرے حوالے کر دو۔ میں اس کے عوض تمہیں دوسری لڑکی دے سکتا ہوں۔"

"اگر وہ میرے پاس ہوتی تو میں تمہیں بغیر عوض لیے دے دیتا۔ یا اگر وہ یہاں سے نکل آئے تو تم میری دوستی کو ٹھکرا سکتے ہو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ مرشد نے اسے پسند کیا اور وہ لے گئے۔"

"ہوں....." قربان علی نے ایک معنی خیز سانس لی اور پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔ بہرحال مسٹر فرید اگر یہ درست بھی کہہ رہا ہے تو لڑکی کی تلاش کے لیے اس کی موت ضروری ہے، ورنہ یہ بقول اس کے کہ وہ اپنے مرشد کو بھی ہمارے بارے میں اطلاع کر دے گا اور مرشد انتظام کر لیں گے۔ اس کے علاوہ میں بتا چکا ہوں کہ یہ جزیرہ آدھے سے زیادہ اس کی ملکیت ہے۔ اگر ہم اسے زندہ چھوڑتے ہیں تو پھر یہ جزیرہ کبھی نہ چھوڑ سکیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں اس علاقے میں اپنا کاروبار بھی جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ ان چند باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ ہم اسے موت کے دروازے پر روانہ کر دیں اور پھر لڑکی کو یہاں تلاش کریں۔"

"کیا کہہ رہے ہو قربان علی، کیا برسوں کی دوستی کا یہ صلہ مل رہا ہے۔" الیاس نے کہا، لیکن کینہ پرور قربان علی بیدردی سے ہنسنے لگا۔ لیکن ظاہر ہے وہ بردہ فروش تھا جس سنگدل کے دل پر معصوم کلیوں کی آہیں، سسکیاں اور فریادیں اثر نہ کرتی ہوں۔ وہ ایک بوڑھے، عمر رسیدہ نواب کی دوستی کا واسطہ کیسے قبول کر سکتا ہے۔ میں نے اس کے اس رویے سے اس کی شخصیت کے بارے میں مکمل اندازہ لگایا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ قربان علی صرف دوستوں کا دوست ہے۔ وہ دولت کے ذریعے بہترین دوست رہ سکتا ہے اور جہاں

کوئی چیز اس کے مفاد کے آڑے آئی وہ سب بھول جاتا ہے۔ بہرحال مجھے اس سے محتاط رہنا تھا۔ قربان علی آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس نے خنجر میرے ہاتھ سے لے لیا۔ نواب الیاس کے چہرے پر خوف کے آثار گہرے ہوتے گئے اور پھر اس نے چیخنے کی کوشش کی، لیکن قربان علی نے کسی چیتے کی طرح جھپٹ کر اس کو دبوچ لیا اور پھر اس کا چمکدار خنجر الیاس کے سینے میں اتر گیا۔ الیاس کی چیخ قربان علی کی انگلیوں میں دب گئی۔ خنجر کئی بار بلند ہوا اور قیمتی قالین میں کچھ اور خوش رنگ نقوش بن گئے۔ قربان علی نے اسے دھکیل دیا اور پھر اس کے جسم سے خنجر صاف کر کے پیٹی میں اڑس لیا اور میری طرف رخ کر کے بولا۔

"آؤ..... اس چھوٹی سی کوٹھی کی تلاشی مشکل کام نہیں ہے۔ تلاشی لینے کے بعد ہم سیدھے بندرگاہ پر چلے جائیں گے۔ اور راتوں رات یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ دن کی روشنی ہمارے لیے خطرناک ہے۔"

میں نے کچھ نہ کہا۔ نوید بھی خاموش تھا۔ ویسے ہم قربان علی جیسے درندے سے بھی خوفزدہ نہیں تھے بلکہ ہم دونوں ہی کے دل میں ثمینہ کا غم موجزن تھا۔ نجانے وہ بدنصیب کس حال میں ہو گی۔ تلاش بیکار رہی۔ ثمینہ وہاں نہ تھی ہم واپس چل پڑے۔ قربان علی کے ساتھی بے فکری سے خیموں میں سو رہے تھے۔ قربان علی کے فوری حکم نے انہیں بدحواس کر دیا اور وہ جلدی جلدی روانگی کے لیے تیار ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد لانچ نے ساحل چھوڑ دیا۔ قربان علی اپنے آدمیوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کی لائی ہوئی لڑکیاں بدستور اس کی قید میں تھیں۔ ہمارے دل غم سے نڈھال تھے، آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا اور ہم دونوں لانچ کے ایک حصے میں خاموش کھڑے تھے۔ جب خاموشی طویل ہو گئی تو میں نے نوید کو مخاطب کیا۔

"کیا سوچ رہے ہو نوید۔"

"سوچ رہا ہوں بھائی جان کے خدا نے ہماری خوشیاں ایک شیطان کے ہاتھ میں کیوں دے دی ہیں۔ وہ ہماری قسمت کا مالک کیوں بن بیٹھا ہے۔ ہمارے خاندان کی بربادی اگر خدا کی طرف سے ہوتی تو ہمیں غم نہ تھا۔ لیکن کوئی شیطانی قوتوں کا عامل ہمارے خاندان کو اس قدر ذلیل کر رہا ہے، آخر کیوں؟" نوید کی آنکھوں میں آنسو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ڈبڈبانے لگے۔

"خدا کی مصلحت وہی سمجھ سکتا ہے نوید..... یہ امتحان ہے، دعا کرو کہ ہم اس امتحان میں ثابت قدم رہیں۔ وہ منحوس مجھے بڑی بڑی قوتیں دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ میں بھی مصائب سے تنگ آ کر دنیا کے فریب میں آ سکتا ہوں، لیکن مجھے اس قوت کی ضرورت نہیں ہے جو انسان کی بخشی ہوئی ہو..... مجھے تو صرف خدا کا انصاف چاہئے، شیطانی قوتوں کا مجھے کیا کرنا ہے۔ لیکن اس مسجد میں کیا ہے بھائی جان! ایسی کون سی بات ہے اس میں؟ اور وہاں جا کر اس شیطان کی قوت کیوں مفلوج ہو جاتی ہے۔

"مجھے نہیں معلوم نوید، مجھے بالکل نہیں معلوم۔"

"کیوں نہ یہاں چل کر دیکھا جائے۔"

"ایں..... اس نئے خیال سے میں چونک پڑا..... یہ خیال آج تک میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ نوید کی بات پر غور کرنے لگا اور کافی دیر تک اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس وقت نوید نے پھر کہا۔

"قربان علی کے بارے میں کیا خیال ہے بھائی جان!"

"کیا مطلب ہے.....؟"

"اس کی پیشکش پر آپ نے غور کیا۔"

"ہاں اس پر بھی غور کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے نوید وہ احمق ہے یہ کوئی انسانی مسئلہ نہیں ہے کہ اسے قربان علی کے ذریعے حل کیا جائے۔ اس کے ساتھی ثمینہ کو کیا تلاش کر سکیں گے۔ دوسرے وہ کس قسم کا آدمی ہے اسے تم جانتے ہو۔ اس کے ساتھ رہنا خطرناک ہے۔ دراصل وہ ہم سے لی ہوئی رقم کے عوض کچھ کرنا چاہتا ہے تاکہ ہم اس سے رقم واپس نہ مانگیں۔ ثمینہ ملے نہ ملے اسے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے بھائی جان!" نوید نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"عراق چل کر ہم اسے چھوڑ دیں گے۔" میں نے کہا اور نوید پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ وقت گزرتا رہا، لانچ تیزی سے سفر کر رہی تھی۔ کافی دیر تک وہاں کھڑے رہنے کے بعد ہم تھک گئے اور وہاں سے ہٹ آئے۔ اور پھر ایک مناسب جگہ دیکھ کر لیٹ گئے۔ اور نجانے خیالات کے ہجوم میں کب نیند آ گئی۔ سورج کی کرنوں نے

ہمیں جگایا۔ لانچ پر بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ ہم دونوں منہ ہاتھ دھو کر کیبن کی طرف چل دیئے قربان علی وہاں موجود تھا۔

"آؤ بھائی میں ناشتے پر تمہارا انتظار کر رہا تھا، مجبوراً ناشتہ کر لیا۔" پھر اس نے ایک آدمی کو اشارہ کیا وہ ہمارے لیے ناشتہ لے آیا۔

"خوش قسمتی سے ہم بغیر کسی خطرے کے ساحل تک پہنچ گئے ہیں اب چند گھنٹوں کا سفر باقی ہے۔ عراق میں ہم آٹھ دن قیام کریں گے۔ وہیں رہ کر میں یادداشت کے سہارے تمہاری بہن کی تصویر اپنے آدمیوں تک پہنچا دوں گا اور وہ اس کی تلاش شروع کر دیں گے۔ ہاں کچھ رقم اور خرچ ہو جائے گی میرا خیال ہے کہ تم اس کا بندوبست کر سکتے ہو۔"

"ہم سب بندوبست کر دیں گے قربان علی۔" نوید نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور قربان علی گردن ہلانے لگا۔ عراق کے ویران ساحل پر ہماری لانچ رکی، یہاں بھی قربان علی کے آدمیوں نے اس کا استقبال کیا اور ہم سب کو ایک خوبصورت عمارت میں پہنچا دیا گیا جو سرسبز درختوں سے گھری ہوئی تھی۔ لڑکیوں کو بھی ہمارے ساتھ ہی لایا گیا تھا۔ وہ بے زبان سکتے کی سی کیفیت میں تھیں اور کچھ نہ بولتی تھیں۔ مجھے ان کی حالت دیکھ کر دلی رنج ہوتا تھا، لیکن میں شیطان قربان علی کے مقابلے میں کیا کر سکتا تھا۔ لیکن یہ میری سوچ تھی، نوید مجھ سے مختلف انداز میں سوچ رہا تھا۔ چنانچہ دوپہر کے پرتکلف کھانے کے بعد اس نے کہا۔

"اگر ہم نے تاخیر کی بھائی جان تو آج رات یا کل صبح ان لڑکیوں کا سودا ہو جائے گا اور پھر یہ معصوم اپنے والدین سے کبھی نہ مل سکیں گی۔"

"ہاں، کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میرا مطلب ہے کہ قربان علی کے ساتھ ہمارا کافی وقت گزر چکا ہے۔ اب ہمیں اسے چھوڑ دینا چاہئے اس کے ساتھ ہی ان لڑکیوں کو اس کی قید سے رہائی دلانا بھی ضروری ہے۔"

"مگر کیسے....." میں نے پوچھا۔

"یہ کون سی بڑی بات ہے میں ابھی بندوبست کر لیتا ہوں۔ نوید نے کہا اور اپنی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جگہ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''ٹھہرو میں بھی چلتا ہوں، ہم شیر کی کچھاڑ میں ہیں۔ میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔'' میں نے کہا اور نوید کے ساتھ چل دیا۔ باہر نکل کر ایک آدمی سے ہم نے قربان علی کے بارے میں پوچھا۔''

''وہ آرام کر رہے ہیں۔'' اس نے بتایا اور اس کے کمرے کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ ہم دونوں اس طرف بڑھ گئے۔ قربان علی کے کمرے کا دروازے کھلا ہوا تھا ہم نے اسے دھکیلا اور وہ کھل گیا۔ ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ قربان علی ایک آرام دہ کوچ پر دراز تھا اور شاید نیم غنودگی کے عالم میں تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے آنکھیں کھول دیں اور خشک لہجے میں بولا۔

''کسی نے تمہیں بتایا نہیں کہ میں آرام کر رہا ہوں..... آرام کے وقت میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا، یوں بھی رات بھر جاگتا رہا ہوں۔''

''ایک ضروری کام تھا قربان علی'' نوید نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ اور قربان علی برا سا منہ بنا کر اٹھ بیٹھا۔ وہ کوچ پر دونوں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا اور عجیب سی نظروں سے ہمیں گھورنے لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نوید کیا کرنا چاہتا ہے چنانچہ میں خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

ہم تم سے ان تینوں لڑکیوں کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں قربان علی۔ جنہیں تم افغانستان سے لائے ہو۔

''کیسی گفتگو.....؟'' ''انہیں آزاد کر دو، یوں بھی جانے تم کتنی زندگیاں برباد کر چکے ہو، نجانے کتنے گھروں کے چراغ تم نے بجھائے ہیں۔ مزید بربادی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔'' نوید نے کہا اور میں ہوشیار ہو گیا۔ نوید کے الفاظ میں خون کی مہک تھی۔ پھر میں جانتا تھا کہ قربان علی سے اس گفتگو کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔ وہی ہوا قربان علی کی آنکھیں خون میں سرخ ہو گئیں۔

''کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، کیا بکواس کر رہے ہو۔'' وہ غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''بکواس نہیں حقیقت ہے اب ہم دنیا کو تمہارے مظالم سے بچانے کا تہیہ کر چکے ہیں، تمہاری زندگی اب غیر مناسب ہے قربان علی!'' نوید نے کہا اور قربان علی طیش

کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے خنجر کی طرف ہاتھ بڑھائے جو تھوڑے ہی فاصلے پر رکھا تھا، لیکن نوید کی پھرتی قابل دید تھی۔ اس نے لپک کر خنجر اٹھا لیا اور قربان علی ٹھٹھک گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے حیرت نظر آئی، لیکن دوسرے لمحے وہ سنبھل کر نوید پر جھپٹا، لیکن شاید وہ مجھے بھول گیا تھا کیونکہ وہ جونہی نوید کی طرف لپکا میرا پاؤں اس کے پاؤں سے الجھ گیا اور وہ بری طرح نیچے گرا۔ اس کے ساتھ ہی نوید اس پر پل پڑا۔ میں نے قربان علی کا منہ بھینچ دیا اور نوید کا ہاتھ مشینی انداز میں چل پڑا۔ کھچاک کھچاک کی بہت ہی آوازوں کے ساتھ ہی قربان علی کے سرخ خون کی دھاریں ابل پڑیں اس کی آنکھیں اذیت سے باہر نکل آئیں اور پھر اس نے دم توڑ دیا۔ نوید نے اس کے لباس سے خنجر صاف کیا اس کے بعد جیب سے رومال نکال کر خنجر کے دستے کو صاف کرنے لگا اس کے بعد اس نے لاپروائی سے خنجر ایک طرف ڈال دیا اور مجھے باہر نکلنے کا اشارہ کر کے خود بھی باہر نکل آیا۔ باہر قدم رکھتے ہی میں ٹھٹک گیا۔ دو آدمی قربان علی کے کمرے کی طرف آ رہے تھے۔ میرا دل لرز گیا، لیکن نوید مجھ سے زیادہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ وہ اطمینان سے آگے بڑھا اور آنے والوں سے پوچھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' ''قربان علی کے پاس''

''وہ گہری نیند سو گئے ہیں، ہم سے کہا تھا کہ باہر کسی سے کہہ دیں کہ انہیں تین چار گھنٹے سکون سے سونے دیا جائے۔''

''میں پہلے بھی کہہ رہا تھا کہ وہ سو رہے ہوں گے.....'' آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ اور دونوں واپس چل دیئے۔ عارف دوسری سمت چل پڑا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ ہم دونوں نے ایک طویل راستہ اختیار کیا اور آخر کار دوسروں کی نظروں سے بچتے ہوئے باہر نکل آئے۔ باہر آ کر ہماری رفتار بہت تیز ہو گئی۔ اس شہر میں ہم اجنبی تھے، لیکن ہمیں کسی قسم کی جھجک نہیں ہو رہی تھی کیونکہ یہاں کا ماحول ہمارے لیے اجنبی نہیں تھا۔ ہم آگے بڑھتے رہے نوید سڑکوں پر دور دور تک نظر دوڑا رہا تھا اور پھر وہ تیز قدموں سے ایک طرف بڑا گیا۔ میں کچھ نہ سمجھ پایا تھا کہ اب وہ کیا کرنا چاہتا ہے، لیکن اسے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر میں نے ایک گہری سانس لی۔ ہم دونوں بوتھ میں داخل ہو گئے اور نوید نے فون کے اوپر حصے پر درج شدہ نمبروں کا چارٹ دیکھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس میں پولیس ہیڈ آفس، فائر سٹیشن اور ہسپتال کے نمبر تھے۔ نوید نے ریسیور اتار کر پولیس ہیڈ آفس کے نمبر ڈائل کیے اور آپریٹر کے بولنے پر اس نے کسی بھی بڑے آفیسر سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے کہا کہ چند ایک خطرناک لوگوں کے بارے میں اطلاع دینا چاہتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ایس پی سے بات ہوئی اور نوید نے کہا۔

''آپ کے ریکارڈ میں قربان علی نامی ایک بردہ فروش کی تفصیل ضرور ہو گی، مجھے بتایئے کہ کیا آپ اس سے واقف ہیں۔''

''ہاں، ہاں کیونکہ خلیج کی ریاستوں کو شدت سے اس کی تلاش ہے، کیا آپ اس کے بارے میں کوئی اطلاع دینا چاہتے ہیں؟''

''سو فیصدی..... براہ کرم جلدی کریں۔''

''اطمینان رکھیں میں ابھی چھاپہ ڈالتا ہوں، کیا آپ اپنے بارے میں بتانا پسند کریں گے۔'' بس ایک محب انسانیت ہوں۔ خدا حافظ..... نوید نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نوید کی ذہانت کی دل ہی دل میں داد دے رہا تھا۔ اس نے کس خوبصورتی سے دونوں کام کرا لیے۔ پھر ہم ٹیلی فون بوتھ سے نکل آئے اور نوید ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کچھ کہنے لگے۔ ''فوری طور پر ہمیں کسی ہوٹل میں قیام کرنا ہو گا اس کے بعد ہم کوئی فیصلہ کریں گے۔'' اس نے کہا اور پھر جیبیں ٹٹولنے لگا۔

''رقم کا بندوبست بھی ضروری ہے۔'' اور اس کی نظریں چاروں طرف بھٹکنے لگیں اسے کسی شکاری کی تلاش تھی۔

''میں ابھی حاضر ہوا بھائی جان!'' اس نے کہا اور مجھے فٹ پاتھ پر چھوڑ کر ایک طرف چل پڑا۔

میری نظریں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ دور فٹ پاتھ کے نزدیک سفید رنگ کی لمبی کار سے ایک شخص نیچے اتر رہا تھا۔ نوید شاید اس کو شکار بنانا چاہتا تھا۔ چند فٹ کے بعد نوید اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ کار سے اترنے والی شخصیت کافی بارعب تھی۔ سفید براق شیروانی، چوڑی دار پائجامہ، سفید ہی ٹوپی اور سفید داڑھی، سنہری رنگ کے فریم کی عینک، قد تقریباً چھ فٹ، کمر بالکل سیدھی، غرض انتہائی شاندار شخصیت تھی۔ نوید اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ نجانے کیوں میرا دل ہول رہا تھا۔ اس سے قبل کبھی ایسی شخصیت نہیں دیکھی تھی۔

میرے قدم بھی اس طرف بڑھ گئے۔ ابھی میں سڑک کراس ہی کر پایا تھا کہ اچانک شور ہوا اور میں سہم گیا۔ میں نے سامنے دیکھا اور میرا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ سفید شیروانی والے نے نوید کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور چند لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ شاید کسی نے نوید کو سفید شیروانی والے کی جیب میں ہاتھ ڈالتے دیکھ لیا تھا۔ میں نے تاریک ہوتے ہوئے ذہن کو سنبھالا اور فوری طور پر نوید کو بچانے کی ترکیب سوچنے لگا۔ میں نوید کو ذرا بھی تکلیف نہیں ہونے دینا چاہتا تھا خواہ اس کے لیے مجھے قتل عام کرنا پڑتا۔ چند لوگ نوید کی طرف بڑھے، لیکن سفید شیروانی والے نے ہاتھ الٹا کر انہیں روک دیا۔ اتنی دیر میں میں بھی نوید کے قریب پہنچ گیا۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے اجنبی کے سے انداز میں پوچھا اور سفید شیروانی والے نے چونک کر مجھے دیکھا پھر اس کے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کچھ نہیں یہاں، یہ لوگ احمق ہیں۔ یہ صاحبزادے غالباً جیب میں اپنی عینک تلاش کر رہے تھے۔ دوسرے لوگ سمجھے کہ یہ جیب کترے ہیں جاؤ میاں جاؤ اپنا کام کرو، خواہ مخواہ جمع ہو رہے ہو۔'' ان بزرگ نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا اور لوگ منتشر ہو گئے۔ میں محو حیرت تھا صاف ظاہر تھا کہ نوید نے ان کی جیب سے پرس اڑانے کی کوشش کی تھی اور رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ اگر وہ صرف ذرا سا اشارہ بھی کر دیتے تو نوید خاصی مصیبت میں گرفتار ہو سکتا تھا، لیکن اس نے ظرف سے کام لیتے ہوئے نوید کو صاف بچا لیا تھا۔''

''آؤ میاں، آپ بھی آیئے فرید صاحب'' انہوں نے نوید اور مجھ سے کہا اور میرے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ انہوں نے مجھے فرید کے نام سے مخاطب کیا تھا جبکہ میں نے زندگی میں پہلی بار ان کی شکل دیکھی تھی۔

''ارے بھئی آؤ..... کیا لڑکیوں کی طرح نخرے کر رہے ہو۔'' انہوں نے نوید کو کار میں ٹھونستے ہوئے کہا اور میرے لیے اپنے برابر کا دروازہ کھول دیا۔ نوید اندر بیٹھ گیا تھا بادل نخواستہ میں بھی سٹیئرنگ کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا اور انہوں نے کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ ہم دونوں ابھی تک اپنے اعصاب پر قابو نہ پا سکے تھے نوید کا چہرہ تو فق تھا۔

''خاکسار کو مرزا آفتاب بیگ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔'' تھوڑی دیر بعد

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سفید شیروانی والے نے کہا میرے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی تھی۔

''نوید میاں اور میں تم سے بخوبی واقف ہوں۔'' کیسے تفصیل سے بتاؤں گا۔

''میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔'' میں نے بمشکل کہا۔

''یقیناً..... یقیناً کہاں دیکھ سکو گے، لیکن ہم قدم قدم پر تمہاری ثابت قدمی دیکھ رہے تھے۔'' مرزا آفتاب نے کہا۔

بلاشبہ میں نے پوری زندگی میں اتنی متاثر کن شخصیت کا انسان کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں کچھ نہ بول سکا دفعتاً انہوں نے چونک کر عقب نما آئینے میں دیکھا اور بولے۔

''نہیں نوید میاں میں اس ذلیل تیجا پر لعنت بھیجتا ہوں۔ الحمدللہ میں مسلمان ہوں اور وہ کافر غلط فہمی میں پڑ کر غلط اقدام سے پرہیز کرو۔'' میں نے چونک کر نوید کی طرف دیکھا تو نوید کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ اپنی جگہ ساکت بیٹھا تھا۔ مرزا آفتاب نے ایک قہقہہ لگایا اور بولے۔

''صاحبزادے میرے گردن ناپنے پر غور کر رہے تھے کہ میں تیجا تو نہیں ہوں۔''

''آپ کون ہیں؟'' میں لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

''خدا کا ایک گناہگار بندہ، اور بس..... مجھے حکم ملا ہے کہ تم دونوں کی مدد کروں چنانچہ میں حاضر ہو گیا اب یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ نوید میاں کو میری ہی جیب پسند آئی تھی۔''

بات میری سمجھ میں نہ آ سکی میں اس پراسرار انسان سے بے حد مرعوب ہو گیا تھا۔ کار کافی دور تک دوڑتی رہی پھر ایک خوشنما بنگلے کے دروازے پر مڑ گئی۔ بنگلے کا پھاٹک کسی نے کھول دیا اور کار اندر داخل ہو کر پورچ میں رک گئی۔ مرزا آفتاب نے اتر کر دروازہ کھولا اور ہم دونوں سے نیچے اترنے کو کہا ہم سحرزدہ سے نیچے آ گئے اور مرزا آفتاب ہمیں لے کر اندر آ گئے۔ ایک بڑے کمرے میں پہنچ کر انہوں نے ہم سے بیٹھنے کے لیے کہا اور پھر کسی کو آواز دی۔

''ارے بھئی بالی'' بالی ایک بھاری جسم لیکن خوبصورت چہرے والی عورت اندر آ گئی اور اس نے آنکھیں مٹکا کر ہم دونوں کو دیکھا۔

''کیا بات ہے میاں''

''بچوں کو ذرا غسلخانے پہنچا دو اور ہاں ان کے لیے پہلے گرم چائے بنا دو۔ غسل کے بعد چائے پئیں گے۔''

''آؤ میاں.....'' بالی نے کہا اور ہم دونوں مشینی انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ خوشنما کمرے کی ترتیب بڑی نفیس تھی۔ دو علیحدہ علیحدہ غسلخانوں میں ہم نے غسل کیا۔ ہمارے لیے ہمارے جسموں کے ناپ کے کرتے پائجامے موجود تھے، جنہیں ہم نے پہن لیا۔ نوید اور میں ایک ہی انداز میں سوچ رہے تھے اور سخت حیران تھے کہ یہ بزرگ کون ہے ان کی پاکیزہ شکل اور پاکیزہ انداز گفتگو ہے۔ کسی قسم کا شبہ کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا، لیکن اب تک انہوں نے جو گفتگو کی تھی وہ بڑی حیرت انگیز تھی۔ آخر انہیں ہمارے بارے میں معلومات کیسے تھیں۔ نوید کے ساتھ ایک کمرے کی طرف جاتے ہوئے میں نے آہستہ سے نوید سے کہا۔

''کیا تم کار کے اندر مرزا آفتاب پر حملہ کرنے پر غور کر رہے تھے۔''

''ہاں بھائی جان میں سوچ رہا تھا کہ یہ تیجا کا کوئی روپ نہ ہو، چنانچہ اگر وہ چند لمحات نہ بولتے تو میں حالات کی پروا کیے بغیر ان پر چھلانگ لگا دیتا۔''

''کیا خیال ہے؟ قابل اعتماد آدمی ہے۔''

''نجانے کیوں ان کی طرف کیوں دل کھنچ رہا ہے بھائی جان! حالانکہ بڑے پراسرار حالات میں ملاقات ہوئی ہے، لیکن دل کہہ رہا ہے کہ وہ ہمدرد شخصیت ہیں۔'' میں پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ اس وقت بالی نظر آئی جو ہماری طرف ہی آ رہی تھی۔''

''آیئے.....'' اس نے بدستور آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا اس کی آنکھیں تھیں بھی بڑی خوبصورت۔ ہم اس کے ساتھ چل پڑے اور عمارت کے دوسرے ہال میں پہنچ گئے جہاں ایک لمبی میز لگی ہوئی تھی۔ میز پر چاندی کے خوبصورت برتن سجے ہوئے تھے جن میں خشک میوے رکھے ہوئے تھے۔ ایک کیتلی سے چائے کی سوندھی سوندھی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں میں سے ایک پر مرزا آفتاب ایک باریک کرتے اور پائجامے میں ملبوس بیٹھے تھے۔ بڑا جامہ زیب انسان تھا۔ اس عمر میں بھی دلکش اور حسین نظر آتا تھا۔ حسب عادت پراخلاق مسکراہٹ سے اس نے ہمارا استقبال کیا اور بالی نے ہمارے لیے بھی دو کرسیاں گھسیٹ دیں اور پھر خاموشی سے چائے کا دور شروع ہو گیا۔ مرزا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آفتاب ہم لوگوں سے اس طرح بے تکلف نظر آ رہے تھے جیسے برسوں سے جان پہچان ہو۔ چائے کے بعد میں نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"نواب صاحب آپ کی نوازشوں کے ہم بے حد شکر گزار ہیں، لیکن کتنی تکلیف دہ بات ہے ہم آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ یہ اجنبیت ہمیں سخت الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔"

میرے بارے میں اتنا جان لینا کافی ہے صاحبزادے کہ خدا کا ایک حقیر گناہگار بندہ ہوں تمہاری افتاد سے واقف ہوں اور میرے مرید نے مجھے کہا ہے کہ تمہاری مدد کروں۔ تیجا شیطان کا دوسرا روپ ہے، وہ گندی قوتوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتا، لیکن خدا کے کلام کے سامنے کون سی قوت رک سکتی ہے۔ مجھے تمہارے دکھوں کا علم ہے، میرے بچے، لیکن مشیت ایزدی نیکی اور بدی میں ہمیشہ جنگ رہی ہے۔ گو نیکی ہمیشہ فاتح ہے، لیکن بدی اپنی یلغار جاری رکھتی ہے، البتہ خدا کی راہ میں جو ثابت قدم رہا اس نے نعمتیں بے پناہ پائی ہیں اوران کے لیے ضروری نہیں ہے کہ موت کے بعد کا ہی انتظار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کا ایک حصہ دنیا میں بھی عطا کر دیتا ہے۔ ثابت قدمی بڑی چیز ہے، تم نے ثابت قدم رہ کر ایک معصومہ کے ایمان کی حفاظت کی ہے۔ اس کا صلہ تمہیں ضرور ملے گا۔" مرزا آفتاب کا چہرہ عجیب، پراسرار انداز میں چمک رہا تھا اور ہم دونوں حیرانی سے ان کی شکل دیکھ رہے تھے۔ پھر نوید نے پوچھا۔

"تو آپ کو ہمارے کل حالات معلوم ہیں۔"

"ہاں، مجھے ان حالات سے روشناس کرایا گیا ہے۔ مجھے تمہارے دکھوں کی کہانی معلوم ہے۔"

تب پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ ہمارا نظریہ حیات کیا ہے۔ ہم کسی چیز کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔"

"ہاں....." مرزا آفتاب نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔

"اور میں تمہیں خوشخبری سناتا ہوں کہ ثمینہ خیریت سے ہے، تیجا کا ایک ہرکارہ سید جاوید عباس کے مزار کی طرف جا نکلا تھا۔ سید جاوید جیسے پاکیزہ بزرگ اس گندے خبیث کی یہ جرات کیسے برداشت کر سکتے تھے چنانچہ تم نے دیکھا ہو گا کہ سرکٹے ہرکارے کو

کس طرح فنا کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح تمہاری بہن کو گلباز پور لے جاتے ہوئے تیجا کے نمائندے ایک ایسے علاقے سے گزرے جہاں ایک ولی کامل کا قیام تھا۔ مرشد محترم یہ برداشت نہ کر سکے کہ کوئی مسلمان آبرو یوں ایک شیطان کے قبضے میں ہو۔ چنانچہ بزرگ نے ان گندی روحوں کو خاک میں ملا دیا اور تمہاری بہن کو اپنی تحویل میں لے لیا اب تمہاری بہن طہارت دل کر رہی ہے۔ اس نے اپنی کہانی مرشد کو سنائی اور مرشد نے ہمیں حکم دیا کہ میں تمہاری مدد کروں۔ شیطان تیجا کو بھی اس بات کی خبر ہوگئی ہے کہ مرشد تمہاری مدد پر آمادہ ہو گئے ہیں چنانچہ وہ مردود اپنی صد ہا سالہ سکیم کی طرف سے بہت فکر مند ہو گیا ہے اور اب وہ یقیناً نئی گھاتوں کی فکر میں ہو گا۔ دراصل ثمینہ کو گلباز پور میں پہنچانے کا اس کا ایک خاص مقصد تھا وہ یہ کہ اگر تم کسی طرح اس کے فریب میں نہ آؤ اور اپنی منزل پا لو تو وہ شیطان تمہیں اس آخری حربے سے مجبور کر سکے، لیکن اس کی یہ زبردست سکیم فیل ہو گئی ہے۔ بہرحال محتاط رہنا ہو گا شکست بدی کی ہوتی ہے اور اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔"

مرزا آفتاب خاموش ہو گئے۔ میرا ذہن ان کے الفاظ میں الجھا ہوا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی ذہن اوردل بے پناہ خوشی محسوس کر رہا تھا۔ ثمینہ مردود تیجا کے چنگل سے نکل آئی تھی۔ اس سے زیادہ خوشی کی اورکیا بات ہو سکتی تھی۔ بہرحال ان کے خاموش ہوتے ہی میں نے سب سے پہلے یہی سوال کیا۔

"ثمینہ کہاں ہے مرزا صاحب؟"

مرشد کے قدموں میں، اس کی طرف سے بے فکر رہو"

"میں اس سے ملنے کے لیے بے چین ہوں۔ یہ سن کر کہ وہ مجھے مل سکتی ہے میری بے چینی اور بڑھ گئی ہے۔"

تم اس سے مل سکتے ہو، لیکن اس ملاقات کے بعد تمہیں ایک نئی راہ پر چلنا ہو گا۔ ایک انوکھی اور انجانی راہ پر اوراس راہ پر چلنے کے لیے تمہیں اپنے بہن اور بھائی دونوں کو چھوڑنا ہو گا۔ ایک طویل عرصے کے لیے یا پھر ہمیشہ کے لیے، غور کر لو کیا تم اس کے لیے تیار ہو۔"

"یہ کیسی شرط ہے مرزا صاحب، اتنے عرصے کے بعد میں اپنی بہن سے ملوں گا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور اتنی جلدی جدا ہو جاؤں گا یہ ظلم ہے۔"

"نہیں یہ ضروری ہے، اس بڑے کام کے لیے جس کے لیے تم منتخب کیے گئے ہو اور وہ کام بے حد ضروری ہے۔ تمہارا بھائی نوید تمہاری بہن کی نگرانی کرے گا۔ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا اور ممکن ہے زندگی کے کسی حصے میں تم بھی ان سے آ ملو۔ میں گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر میں نے کہا۔

"مجھے منظور ہے مرزا صاحب ! مجھے منظور ہے۔" اور نوید گھبرائی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ بھائی جان" اس نے کہا لیکن مرزا آفتاب بول اٹھے۔

"تمہارے بھائی یوں بھی تمہارے لیے نہیں ہیں نوید میاں ! اسے اپنا فرض پورا کرنے دو۔ یہ ایک بڑی سعادت ہے۔ بڑی خدمت و عظمت ہے اس فرض کی ادائیگی میں۔"

"میرے ذہن میں آپ کی چند باتیں صاف نہیں ہیں مرزا صاحب!" میں نے کہا۔

"کیا؟"

آپ نے کہا کہ تیجا میری بہن کو گلباز پور لے جا رہا تھا یہ کون سی جگہ ہے۔ نمبر دو آپ نے کہا کہ تیجا اپنی صد ہا سالہ سکیم کی وجہ سے فکر مند ہو گیا ہے۔ وہ سکیم کیا ہے؟ اور یہ صد ہا سال کیا معانی رکھتے ہیں؟ نمبر تین آپ نے فرمایا تھا کہ ثمینہ کو گلباز پور میں لے جانے کا ایک خاص مقصد ہے کہ اگر میں اس کے فریب میں نہ آؤں اور اپنی منزل پا لوں تو وہ مجھے ثمینہ کے ذریعے مجبور کر سکے۔"

"بڑے مضبوط سوالات کیے ہیں، تم نے، لیکن افسوس ان میں سے کسی سوال کے جواب دینے کی مجھے اجازت نہیں ہے۔ بہرحال وقت زیادہ دور نہیں ہے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" مرزا صاحب نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے ہم نے بھی کرسیاں چھوڑ دیں تھیں۔

"ثمینہ کے پاس ہم کب چلیں گے مرزا صاحب!" کمرے سے نکلتے ہوئے

میں نے پوچھا اور مرزا صاحب چونک کر رک گئے۔

"کب چلنا چاہتے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"ابھی..... اسی وقت؟" میں نے بیتابی سے کہا۔

"تب رکو..... میں مرشد سے اجازت لے لوں تمہیں اعتراض تو نہ ہو گا۔" مرزا آفتاب نے کہا اور پھر عجیب سے انداز میں ہم سے چند گز کے فاصلے پر ہٹ کر کھڑے ہو گئے پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور ہماری آنکھوں نے ایک حیرت ناک منظر دیکھا۔ مرزا آفتاب کے دونوں بازو ایک پنکھ کی شکل اختیار کر گئے اور دوسرے ہی لمحے وہ پنکھ مارتے ہوئے فضا میں اڑ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کسی پرندے کی مانند پرواز کرتے ہوئے ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ یوں تو اب تک کی زندگی حیرت انگیز واقعات میں بسر ہوئی تھی، لیکن مرزا آفتاب کا اس طرح پرواز کر جانا ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ کافی دیر تک ہم دونوں بھائی پاگلوں کی طرح کھڑے آسمان کو گھورتے رہے جہاں مرزا آفتاب بیگ کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ پھر بالی کی آواز نے ہمیں مجبور کر دیا۔

"اندر تشریف لے آئیے یہاں کب تک کھڑے رہیں گے۔" ہم دونوں نے چونک کر اسے دیکھا، ہمارے حواس ابھی تک درست نہیں ہوئے تھے، لیکن بالی کی خوبصورت آنکھوں کی شوخی اور دلفریب مسکراہٹ نے ہمیں ہوش میں آنے پر مجبور کر دیا۔

"بالی..... مرزا صاحب..... وہ..... وہ....." میں نے کہنے کی کوشش کی، لیکن میرے منہ سے جملہ مکمل ہونے سے قبل بالی بول اٹھی۔

"فضا میں پرواز کر گئے..... ہیں نا....."

"ہاں....." میں نے کہا۔

"اس میں کیا خاص بات ہے، خدا نے ہم لوگوں کو یہ طاقت بھی دی ہے صرف مٹی اور آگ کا فرق ہے۔"

"مٹی اور آگ؟" میرے منہ سے سرسراتے انداز میں نکلا، میں بالی کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

"تت..... تو کیا مرزا آفتاب جن ہیں؟"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

''اب اندر آ جاؤ میاں، نجانے کون سی بات مرشد کے حکم کے خلاف منہ سے نکل جائے، میں اس بارے میں کچھ نہ بولوں گی۔'' بالی نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا اور ایک طرف چل پڑی۔ میں اور نوید بادل نخواستہ اس کے پیچھے چل پڑے اور ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ ہماری ٹانگوں میں کھڑے ہونے کی سکت بھی نہیں رہ گئی تھی۔ اس لیے ہم قیمتی صوفوں پر بیٹھ گئے۔

''کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے یہاں.....؟'' بالی نے پوچھا۔

''نہیں شکریہ۔'' میں نے کہا۔

''اتنی بات بھی میں نے اس لیے بتا دی کہ اگر مرزا جی تم لوگوں سے یہ بات چھپانا چاہتے تو تمہارے سامنے اصلی شکل میں نہ آتے خدا حافظ، بالی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ میں نے نوید کی طرف دیکھا۔ نوید گہری گہری سانس لے رہا تھا پھر وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''تو یہ سب جن ہیں بھائی جان!''

''خدا ہی بہتر جانتا ہے مرزا آفتاب کے پرواز کرنے سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے، لیکن اگر وہ جن بھی ہیں تو ہمارے لیے نہیں ہیں۔ ان کا رویہ بہت اچھا ہے تم دیکھ چکے ہو۔ اس لیے ہمیں ان سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''میں خوفزدہ نہیں ہوں، میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ جن بھی ہم لوگوں کے درمیان اس طرح رہتے ہیں اب مرزا آفتاب کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ انسان نہیں ہیں۔ وہ کوئی نوابزادے معلوم ہوتے ہیں اور بس اس طرح تو نجانے کتنے جن ہمارے آس پاس رہتے ہوئے گے۔''

''میرا خیال ہے عام طور پر نہیں رہتے۔ انہیں ویرانے پسند ہیں نجانے یہ کس لیے یہاں قیام پذیر ہیں۔ شاید ہماری مدد کرنے کے لیے۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

''خدا کا شکر ہے بھائی جان ثمینہ محفوظ ہے۔ ذلیل تیجا ناپاک ارادوں میں ناکام رہا ہے، لیکن مرزا آفتاب کی حیرت انگیز گفتگو نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ اس کی بہت سی باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔''

''کون سی باتیں'' میں نے پوچھا۔

''مرزا نے جو کچھ بھی کہا تھا کیا وہ حقیقت ہے''

''بظاہر ایسا ہی لگتا ہے''

''پھر آپ..... ان..... ہم دونوں کو چھوڑ دیں گے۔'' نوید نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''خدا کی مرضی کے آگے تو ہم سب بے بس ہیں نوید، میں قیامت تک تم لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتا تھا، لیکن میری اس قربانی سے ثمینہ اور تمہیں اچھی زندگی مل سکتی ہے تو مجھے اعتراض نہیں ہے۔'' میں نے بھی نوید سے جدائی کے غم میں ڈبڈباتے ہوئے لہجے میں کہا۔

بلاشبہ اب تو یہ دونوں بہن بھائی میری دنیا میں میرا پورا خاندان تھے۔ ثمینہ سے ملنے کی آس بھی ہو گئی تھی میری خواہش تو یہی تھی کہ ان دونوں بہن بھائی کے ساتھ زندگی گزار دوں۔ اجڑی ہوئی بہن کو گلے لگا لوں اور نئی زندگی شروع کر کے اس کے ہاتھ پیلے کر دوں۔ نوید کی شادی کر کے اس کے لیے ایک دلہن لاؤں اور خود ایک بزرگ کی حیثیت سے زندگی گزار دوں، لیکن میشت ایزدی میں کس کو چارہ تھا۔ خدا نے جو کچھ قسمت میں لکھ دیا تھا اس کا پورا ہونا ضروری تھا۔ مرزا آفتاب نے جو کچھ پراسرار باتوں کی طرف اشارہ کیا تھا اور پھر انہیں ادھورا چھوڑ دیا تھا وہ پراسرار باتیں میرے ذہن میں بھی ادھوری تھیں اور انہیں جاننے کی خواہش بھی میرے دل کے کسی تاریک گوشے میں کروٹیں بدل رہی تھی۔ وہ کون سا فرض تھا جو مجھے ادا کرنا تھا، لیکن میرے کسی سوال کا میرے پاس جواب نہیں تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد مرزا آفتاب کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

''اس دوران یقیناً تم لوگ میرے ہی بارے میں قیاس آرائیاں کرتے رہے ہو گے۔ بہرحال پہلے خوشخبری سنو مرشد کا حکم ہے کہ رات کو تم لوگوں کو لے آؤں۔ ابھی ثمینہ کو تمہارے آنے کی اطلاع نہیں دی گئی ہے ورنہ وہ پگلی بھی بے چین ہو جاتی۔ بہرحال تمہیں بھی رات کا انتظار کرنا ہو گا۔ رات کو جب حلقہ ختم ہو جائے گا تو تم وہاں جا سکتے ہو۔''

میں نے گردن ہلا دی، مرزا آفتاب بھی ہمارے سامنے ہی ایک صوفے پر بیٹھ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گیا۔ نوید سحر زدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بچپن سے لے کر جوانی تک ہم لوگوں نے جنوں کے قصے تو بہت سنے تھے، لیکن ایک جن کو پہلی بار اس انداز میں سامنے دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی ماڈرن جن..... جو بلاشبہ حسین ترین شخصیت کا مالک تھا۔ مرزا آفتاب کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔''

یہ ہمارا دنیاوی روپ ہے نوید میاں، قدرت نے ہمیں کچھ فوقیت بخشی ہے وہ یہ کہ ہم بوقت ضرورت ہر روپ میں آ سکتے ہیں۔ تم سے ملاقات کے لیے یہ شکل ضروری تھی۔ چنانچہ یہ شکل اختیار کر لی گئی۔'' مرزا آفتاب بیگ نے حسب معمول نوید کے دل کی بات پڑھ لی اور اس کا جواب دے دیا۔

نوید ایک دم سنبھل گیا۔ چند منٹ خاموشی رہی، پھر میں نے پوچھا۔

''تیجا کے بارے میں کچھ بتاؤ گے مرزا''

''پھر تیجا.....'' مرزا آفتاب چند منٹ تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''اتنا بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ شیطان کے شاگردوں میں سے ہے۔ صدہا سال سے زندہ ہے کیونکہ آب حیات پی چکا ہے۔ گلباز پور کا پجاری ہے اور گلباز پور شیطان کا گڑھ ہے۔ لاکھوں برائیوں کا مرکز، جہاں شیطان منصوبے بناتا ہے، جہاں نیکیوں کو شکست دینے اور انسان کو بدی کی طرف راغب کرنے کی سکیمیں بنائی جاتی ہیں۔ وہ ایک مندر ہے، ایک ہندو راجہ نے اسے بنوایا تھا اور اس کو بنوانے میں بہت سے جادوگروں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ ہندو راجہ بھی عیاش تھا اور ابدی زندگی حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ اپنی عیاشیاں جاری رکھ سکے۔ وہ جادوگروں سے ان کے جادو چھیننے میں کامیاب ہو گیا اور زبردست پراسرار قوتوں کا مالک بن گیا۔ انہیں پراسرار قوتوں کے سہارے وہ چشمہ حیوانات پہنچ کر اس کے چند گھونٹ پینے میں کامیاب ہو گیا اور اس ہندو راجہ کا نام ہے تیجا.....''

''تیجا.....'' میرے اور نوید کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

''ہاں وہ تیجا ہے جو صدہا سال سے زندہ ہے۔ جو ہزارہا برائیوں کا موجب ہے۔''

میں اپنا اور تیجا کا موازنہ کرنے لگا۔ کہاں میں ایک عام اور حقیر سا انسان اور

کہاں شیطان تیجا، میرا اس کا کیا مقابلہ، لیکن وہ کمبخت میرے لیے وبال جان کیوں بن گیا۔

''خود کو اس قدر حقیر نہ سمجھو فرید میاں۔ خدا کا ایک نیک بندہ لاکھوں شیطانوں سے افضل ہوتا ہے اور اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔ تیجا اپنی تمام تر شیطانی قوتوں کے ساتھ تمہارا محتاج ہے اور اپنی لاانتہا زندگی کے کسی حصے میں وہ اس کام میں کامیاب نہیں ہو سکتا جس میں تمہارے ذریعے سے کامیاب ہونا چاہتا ہے۔ اس لیے حقیر وہ ہوا کہ تم۔''

روشن ضمیر مرزا آفتاب نے میرے دل کی بات پڑھ کر کہا۔ میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ مرزا آفتاب کافی دیر تک ہم سے گفتگو کرتا رہا۔ ہم اس سے بہت مرعوب تھے۔ کیسی انوکھی بات تھی ہم ایک جن کے مہمان تھے اور وہ جن ایک مشفق دوست کی طرح ہمارے ساتھ تھا۔ شام کا کھانا بھی بہت پرتکلف تھا۔ مرزا اصرار کر کے ہمیں کھانا کھلا رہا تھا، جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا ہمارے دلوں کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ ثمینہ سے ملنے کی ایک بار پھر امید ہو گئی تھی اور میرا دل ڈر رہا تھا۔ خدانخواستہ مردود تیجا کسی اور چال میں کامیاب نہ ہو جائے۔ ثمینہ پھر گم نہ ہو جائے، لیکن پھر مجھے تیجا کے سرکٹے ہرکارے کا حشر یاد آیا۔ بے شک اللہ کے نیک بندوں کے سامنے شیطانی قوتیں بالکل ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ جس طرح ایک بزرگ کے جلال سے تیجا کا ہرکارہ فنا ہو گیا تھا اسی طرح اگر تیجا نے اس بزرگ کامل کے مزار پر کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اس کا آب حیات بھی کام نہ کر سکے گا۔

''تمہارا خیال بالکل درست ہے'' میرے سامنے بیٹھے ہوئے مرزا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس خیال کو دل سے نکال دو کہ تیجا کی کوئی چال مرشد کے مزار اقدس پر کامیاب ہو سکتی ہے۔ مرشد کی شان نرالی ہے میرے جیسے سینکڑوں جن ان کے مرید ہیں اور ان کے اشارے پر پوری دنیا الٹ پلٹ کر دینے پر تیار رہتے ہیں۔''

میں شرمندہ ہو گیا اور احتیاط کرنے لگا کہ کوئی ایسی بات دماغ میں نہ آئے جو ان بزرگ کی شان کے خلاف ہو۔ آخر وہ وقت آ گیا جب مرزا نے ہم سے کہا کہ ہم

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مرشد کے مزار پر چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ ہم دونوں بھائیوں نے وضو کیا اور مرزا کے آئندہ قدم کا انتظار کرنے لگے۔ آخر مرزا ہمارے پاس آ گیا اور پھر اس نے ہم سے آنکھیں بند کرنے کے لیے کہا۔ ہم نے اس کی ہدایات کے مطابق آنکھیں بند کر لیں اور چند سیکنڈ کے لیے ہمارے ذہن تاریک ہو گئے۔ ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ ہم کہاں ہیں، کیا کر رہے ہیں پھر مرزا ہی کی آواز کانوں میں گونجی۔

''آنکھیں کھول دو۔''

''اور ہم نے آنکھیں کھول دیں۔ قرب و جوار میں نظر دوڑاتے ہی ہم چونک پڑے۔ ہم ایک لق و دق صحرا میں کھڑے تھے، دور دور تک طویل میدان اور چٹانیں بکھری پڑی تھیں، کہیں کہیں جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں جو چاند کی روشنی میں انتہائی عجیب اور پراسرار نظر آ رہی تھیں۔ دور ایک ننھی سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ میں نے نوید اور پھر ہم دونوں نے مرزا کی طرف دیکھا جو ہماری داہنی سمت موجود تھا۔

''وہ مرشد کا مزار ہے۔'' مرزا نے روشنی کی طرف اشارہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔

ہم اس کے ساتھ چل پڑے۔ ناہموار راستہ بے حد کٹھن تھا، لیکن اس وقت ہمارے دل محبت سے دھڑک رہے تھے۔ وہاں ثمینہ تھی اس بار کسی شیخ کے قبضے میں نہیں تھی بلکہ ایک برگزیدہ بزرگ کی پناہ میں تھی۔ اب وہ ہمیں ضرور مل جائے گی۔ ہماری آتش شوق اور بھڑک اٹھی اور ہم مرزا سے بھی دو قدم آگے جانے کی کوشش کرنے لگے، لیکن مرزا تو ہمارا سایہ تھا اس کا فاصلہ ہم سے ہی رہا جو تھا اور پھر ہم مزار کے قریب پہنچ گئے۔ اس ویران علاقے میں سفید رنگ کا خوبصورت حجرہ بنا ہوا تھا۔ جس کے سامنے کے طاق میں ایک چراغ جل رہا تھا۔ قرب و جوار میں عجیب سی بھنبھناہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے بے شمار لوگ آہستہ آہستہ لہجے میں کچھ پڑھ رہے ہوں، لیکن دور دور تک ہم تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

''فاتحہ پڑھ لو'' مرزا نے کہا۔ اور ہم دونوں بھائی فاتحہ پڑھنے لگے۔ مرزا بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ فاتحہ پڑھتے پڑھتے ہماری آنکھیں خودبخود بند ہو گئیں اور پھر جب ہماری آنکھیں کھلی تو ہم ہزاروں انسانوں کا مجمع دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ سب زمین پر بیٹھے عبادت میں مشغول تھے۔ ''یہ سب مرشد کے خادم ہیں، سب میرے ہم نسل ہیں

اور روزانہ یہاں عبادت کرتے ہیں۔'' ہمارے دل خوف سے لرزنے لگے۔ یہ سب جن تھے۔

''آؤ......'' مرزا نے ہم سے کہا اور ایک ایسے راستے کی طرف چلنے لگا جدھر لوگ نہیں تھے۔ اس طرح ہم مزار کے عقب میں پہنچ گئے اور پھر مرزا نے ایک طرف اشارہ کیا اور ہماری نگاہیں ایک طرف اٹھ گئیں۔

چاندنی میں ہم نے ایک پرنور شکل دیکھی۔ وہ جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سر پر سفید دوپٹہ تھا اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ ثمینہ تھی۔ میری پیاری بہن، میرا کلیجہ پھٹنے لگا، میرا دل چاہا کہ سینہ چیر کر اسے سینے میں چھپا لوں۔ نوید کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہ تھی۔ ہم لرزتے قدموں سے اس کے قریب پہنچ گئے۔ اس نے سلام پھیرتے ہوئے پہلے دائیں اور پھر بائیں دیکھا اور پھر دو مردوں کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ دوپٹہ اس نے چہرے پر ڈال لیا، میں نے لرزتے لہجے میں اسے آواز دی۔

''ثمینہ'' اور نجانے میری آواز کیسی تھی کہ وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھا اور پھر نوید کو۔ اس کے بعد وہ ایک دلدوز چیخ مار کر میری طرف لپکی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں بھی زاروقطار رو رہا تھا، نجانے میری مردی کہاں گئی تھی۔ نوید نے ہم دونوں کو بازوؤں میں بھر لیا، اس کی سسکیاں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ نجانے کتنی دیر ثمینہ مجھ سے لپٹی سسکتی رہی، وہ رو رو کر دیوانی ہوتی جا رہی تھی۔ میرے دل کی بھڑاس نکل گئی تھی اور میں اور نوید اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بار بار ثمینہ چہرہ اٹھا کر مجھے دیکھتی، میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ وہ یقین کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ یہ میں ہی ہوں یا اسے دھوکہ ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں میں جنون، بے قراری، اور استعجاب کی ملی جلی کیفیت رقصاں تھی۔ پھر وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''بھائی جان! کیا یہ آپ ہی ہیں۔ کیا میں یقین کر لوں کہ یہ خواب نہیں ہے، میری تو زندگی ہی خواب بن گئی ہے۔ خدارا اگر یہ خواب ہے تو مجھے خواب کیوں دکھایا۔ اس خواب کو دیکھنے کے بعد میں برسوں سسکتی رہوں گی۔''

''ثمینہ یہ خواب نہیں ہے بالکل حقیقت ہے آخر خدا کو ہم پر ترس آ ہی گیا۔ اس نے اس بچے کھچے خاندان کو آخر ملا ہی دیا، میری بہن یہ خواب نہیں ہے۔'' نوید نے دلسوز

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آواز میں کہا اور ثمینہ بھیا کہہ کر اس سے لپٹ گئی اور پھر ہم مزار شریف کے عقب میں لگی ہوئی گھاس پر بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے۔ میں نے ثمینہ کو امی کے بارے میں بتایا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ میں نے ثمینہ سے کہا میں اس پر بیتنے والی تمام حقیقت سے واقف ہوں اس لیے وہ مجھے کچھ بتانے کی کوشش نہ کرے۔ الغرض ہمیں باتیں کرتے ہوئے تمام رات گزر گئی اور وقت کا ذرا بھی احساس نہ ہوا۔ صبح کی نماز کی اذان سنائی دی اور ثمینہ چونک کر اٹھ گئی۔ وہ نماز پڑھنے چلی گئی اور میں اور نوید مزار کے اردگرد کی سیر کرنے لگے۔ اذان دینے والا ہمیں کہیں نظر نہ آیا۔ بہرحال ہمیں اس پر حیرت نہ ہوئی کیونکہ ہم جانتے تھے کہ یہاں کسی انسان کا گزر تو ناممکن ہے اور جنوں کے لیے ضروری نہیں ہے کہ انسان انہیں ہر وقت دیکھ سکیں۔ ابھی ہم سیر ہی کر رہے تھے کہ ایک طرف سے بالی آتی نظر آئی۔ ایک لمحے کے لیے تو مجھے حیرت ہوئی، لیکن خود بخود یہ حیرت ختم ہوگئی کیونکہ بالی مرزا آفتاب کے ساتھ نظر آئی تھی۔ اسے انسان سمجھنا حماقت تھی۔

''پانی گرم ہے، منہ ہاتھ دھولیں، ناشتہ تیار ہے۔''

''ارے بالی تم یہاں بھی موجود ہو'' نوید نے کہا اور بالی آنکھیں مٹکانے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی بہرحال ہم دونوں نے گرم پانی سے منہ دھویا۔ ثمینہ نماز سے فارغ ہو کر آ گئی۔ ہم نے مزار کے ایک حصے میں بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ بالی تمام وقت ہمارے ساتھ ہی رہی۔ پھر جب ہم ناشتہ کر چکے تو بالی نے مجھ سے کہا۔

''مرزا آفتاب مزار شریف کی پشت پر آپ کے منتظر ہیں۔''

''اوہ.....'' میں جلدی سے اٹھ گیا اور مزار کی پشت کی طرف چل دیا۔ حقیقتاً مرزا آفتاب وہاں موجود تھا۔ وہ پشت پر ہاتھ باندھے ٹہل رہا تھا، مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بہن سے ملاقات پر مبارکباد قبول کرو۔'' اس نے کہا۔

''شکریہ مرزا، میں تمہارا شکرگزار ہوں۔'' میں نے ممنون انداز میں کہا۔

''ارے نہیں میرا شکریہ ادا کر کے مجھے کیوں شرمندہ کر رہے ہو فرید، میں تو صرف ایک کارکن ہوں۔ ہدایات اوپر سے ہی ملتی ہیں۔ بہرحال ثمینہ تمہیں مل گئی اب تم

اس کام کی تیاریاں شروع کر دو فرید جس کے لیے تم نے پورا گھر لٹایا ہے۔ ویسے مرشد کی اجازت ہے اگر تم ایک ہفتہ ثمینہ کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو کسی کو اعتراض نہ ہوگا، لیکن نیک کام میں تاخیر کبھی پسند نہیں کی گئی۔''

''میں تیار ہوں مرزا، مجھے کیا کرنا ہوگا'' میں نے کہا۔

''آفرین..... مجھے اس وقت صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ تمہاری کیا خواہش ہے، کیا تم کچھ عرصہ آرام کرنا چاہتے ہو یا اپنے فرض کی انجام دہی کے لیے تیار ہو۔ بہرحال شام کو ملنے کے بعد تمہیں کچھ تفصیل بتائی جائے گی اور اس کے بعد تمہیں اپنا کام شروع کر دینا ہوگا۔''

میں نے گردن ہلا دی اور مرزا آفتاب مجھ سے مصافحہ کر کے چلا گیا۔ بظاہر اب میری زندگی کا کوئی مقصد نہ تھا۔ میرے خاندان کے دو افراد زندہ تھے نوید اور ثمینہ..... میری خواہش تھی کہ انہی کے ساتھ بقیہ زندگی گزار دوں، لیکن ثمینہ سے ملاقات سے قبل مرزا سے مجھ سے عہد لیا تھا اور اب میں عہد شکنی نہیں کر سکتا تھا۔ تیجا کی شیطانی قوتوں کے مقابلے میں مجھے کچھ ایسی روحانی قوتیں مل گئی تھیں جو ان شیطانی قوتوں کو مفلوج کر سکتی تھیں۔ میں ان قوتوں کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا اور دل کی بات آپ کو بتا دوں کہ اب مجھے بھی اس عجیب و غریب راز سے دلچسپی ہو گئی تھی۔ آخر تیجا اس مسجد میں کیوں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اس کام کے لیے اس نے مجھے ہی کیوں منتخب کیا ہے اور وہ کون سا راز ہے جس کے لیے یہ شیطان ایسی کوششیں کر رہا ہے۔ تیجا کے بارے میں مجھے مرزا نے جو تفصیل بتائی تھی وہ میرے لیے حیران کن تھی۔ مرزا مزار کے سامنے والے حصے کی جانب غائب ہو گیا اور میں نوید اور ثمینہ کے پاس پہنچ گیا۔ نوید اسے اپنی جدوجہد کی داستان سنا رہا تھا۔ وہ ثمینہ کو ضروری باتیں بتا چکا تھا اور ثمینہ اداس تھی۔ مجھے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے بولی۔

''آپ ہم سے پھر جدا ہو جائیں گے بھائی جان؟ خدارا ایسا نہ کریں۔ میں اب آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔''

''میں خود بھی تم لوگوں کو آنکھوں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتا ثمینہ، لیکن تمہاری بہتر زندگی اور ان فرعونی قوتوں کو شکست دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ میں ان بزرگوں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے کہنے پر عمل کروں اور پھر میری جدوجہد کو نیکی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کون سا نیک کام ہوگا۔ بہرحال جب ایسے ایسے لوگ اس بارے میں کہہ رہے ہوں تو یقیناً کوئی اچھی بات ہی ہوگی، لیکن بہرحال مطمئن رہو اگر زندگی رہی تو کبھی نہ کبھی تمہیں تلاش کر کے تم سے آملوں گا۔'' میں نے کہا اور ثمینہ سسکیاں بھرنے لگی۔

''تم بالکل فکر مت کرو ثمینہ، نوید تمہارا پورا پورا خیال رکھے گا میری درخواست ہے نوید اب تم سنبھل جاؤ، ٹھوکریں انسان کو عقل دیتی ہیں۔ مجھے تم پر کسی حد تک اعتماد ہے بس خوف یہ ہے کہ سکون کی زندگی ملتے ہی تم پھر نہ بہک جاؤ۔ ثمینہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ تم نے اس کے حصول کے لیے جو کچھ کیا ہے اس کی قدر کرو۔''

''میں ثمینہ کے لیے اپنی زندگی وقف کر دوں گا بھائی جان'' نوید نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا اور ماحول سوگوار ہو گیا۔ پورا دن ہم نے گفتگو کرتے ہوئے گزارا، بالی کھانے پینے کے وقت پر نجانے کہاں سے نمودار ہوتی اور ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کر کے غائب ہو جاتی۔ پھر رات ہو گئی اور مکھیاں کی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ قدموں کی آہٹیں، لباس کی سرسراہٹ، جیسے ہزاروں انسان جمع ہوں، حلقہ ہو رہا تھا اور یہ کیفیت ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ اس کے بعد مرزا میرے پاس آیا اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

''آؤ.....'' اس نے کہا اور میں ایک نظر ثمینہ اور نوید پر ڈال کر اس کے ساتھ چل دیا۔ میں نے ان بے شمار لوگوں کو دیکھا جو گردنیں جھکائے ہوئے بیٹھے تھے۔ مرزا مجھے ایک بے حد ضعیف مرد کے پاس لے گیا۔ جس کی داڑھی ناف تک لٹکی ہوئی تھی، چہرے سے بے پناہ رعب ٹپکتا تھا۔ ضعیف العمر شخص نے میری طرف نظریں اٹھائیں۔ خدا کی پناہ، ان آنکھوں میں کیسا جلال تھا، لیکن پھر ان کے ہونٹ مسکرائے اور ان سے ایک لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

''آفرین ہے تیری ثابت قدمی پر، بے شک انسان مصیبتوں میں پھنس کر گناہ کی دلدل کی طرف دوڑنے لگتا ہے۔ لیکن تو نے اس گناہ سے بچنے کے لیے اپنا پورا گھر لٹا دیا۔ بلاشبہ تو اس منصب کے قابل ہے جو تجھے ملنے والا ہے۔ بلاشک تیری وجہ سے اس فرعون کا منہ کالا ہوگا اور وہ عذاب کی قبر میں دفن ہو جائے گا۔ میں تیری پیشانی پر فتح کا نور جگمگاتا دیکھ رہا ہوں۔ پھر ان بزرگ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کالے رنگ کا حلقہ

نکالا اور اسے میری کلائی میں ڈال دیا۔ پھر وہ مرزا آفتاب کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے۔

''آؤ..... میرے ساتھ آؤ'' انہوں نے کہا اور میں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ صرف چند لمحات پھر نہ وہ مزار تھا اور نہ وہ ویرانہ۔ ایک عجیب پراسرار سا جنگل تھا جہاں چاروں طرف سوکھے درخت کھڑے تھے۔ بزرگ رک گئے اور انہوں نے مجھ سے کہا۔

''اپنے دونوں ہاتھ پھیلاؤ'' میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا اور حیران رہ گیا میرے دونوں ہاتھ شیشے کی طرح شفاف اور چمکدار تھے۔ میں ان ہاتھوں میں دیکھتا رہا اور پھر ان پر مناظر ابھرنے لگے۔ بالکل ٹیلی ویژن کی طرح میں نے ان میں شمع گڑھ کے ڈھلوان دیکھے جنہیں میں بخوبی پہچان گیا۔ لیچیوں کے باغات دیکھے اور اس کے بعد وہ پہاڑی علاقہ دیکھا جہاں تیجا سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ پھر کچھ اور آگے کے مناظر۔ اس کے بعد وہ مسجد نظر آئی جس میں تیجا داخل ہونا چاہتا تھا اور پھر میں نے خود کو مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھا۔ میرے نتھنوں میں عود و عنبر کی خوشبوئیں گھس گئیں اور میں نے خود کو ایک نیم تاریک ماحول میں محسوس کیا۔ میں قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ میرے سر پر بلند محراب تھے جن کے نیچے سے میں گزر رہا تھا اور پھر ایک بہت بڑے ہال میں پہنچ گیا جہاں ایک پراسرار ہلکی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں ایک چمکدار مسہری نظر آ رہی تھی جس کے پائے شاید کسی دھات کے تھے۔ اور اس مسہری پر کوئی محو خواب تھا۔ مسہری کے چاروں طرف مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا۔ بالوں کے باریک تار چاندی کی طرح چمک رہے تھے۔ میں اس سوتے ہوئے انسان کو دیکھنے لگا پھر ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کیمرا کسی چیز کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اب مجھے سونے والے کا چہرہ بھی نظر آنے لگا اور میرا دل زور سے دھڑکا وہ ملکوتی چہرہ جس پر ایک ابدی مسکراہٹ تھی۔ وہ محو خواب حسن میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر گیا۔ میری عجیب سی کیفیت ہونے لگی۔ میں ان تاثرات کو الفاظ نہیں دے سکتا۔ میں نے فرید بزمی کی حیثیت سے درجنوں کہانیاں لکھی تھیں۔ ان کہانیوں کی ہیروئنیں اکثر حسن کا اعلیٰ معیار ہوتی تھیں، لیکن میں پورے اعتماد سے کہتا ہوں کہ میرا تخیل کبھی اس قدر بلند نہیں ہوا۔ میں اس حسن بے مثال کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہ سکا۔ جو اب میرے سامنے تھا۔ میں سحر زدہ ہو گیا، لیکن وہ میری سمجھ میں نہ آ سکی۔ اس کے ملکوتی حسن پر مردنی چھائی ہوئی تھی اور پھر اس کے گرد تنا ہوا مکڑی کا جالا، وہ کب

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے اس جالے میں محصور ہے اور پھر میرے ذہن کے کچھ اور دریچے کھلے۔

''کیا تیجا اس کے لیے مسجد میں داخل ہونا چاہتا ہے مگر کیوں۔''

''اس لیے کہ وہ اس معصوم ہستی کو گلباز پور کی داسی بنانا چاہتا ہے'' بزرگ کی آواز سنائی دی۔ اور میں نے چونک کر انہیں دیکھا، بزرگ میری آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ میں نے پھر اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا، لیکن اب وہاں کچھ نہیں تھا میرا دل ڈوبنے لگا اس کے چہرے کو دیکھنے کے بعد میرے دل کو قرار نہیں رہا تھا۔ میں پہلی بار عشق کی لذت سے روشناس ہوا تھا۔ میرے جیسا انسان جس کا دل مصائب نے چھلنی کر دیا تھا میں جب حسن و عشق کی چاشنی کو محسوس کرتا تھا، لیکن اب اسے بھول چکا تھا۔ ایک بار پوری قوت سے عشق کرنے لگا تھا مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میں اس کے چہرے پر فریفتہ ہو گیا ہوں۔ میں آنکھیں مل مل کر اس چہرے کو دیکھنے لگا، کوشش کرنے لگا اور بزرگ نے پھر مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ''وہ صد ہا سال سے سو رہی ہے، ایک طویل نیند سے صرف تم جگا سکتے ہو، صرف تم اس کی زندگی کے تار تم سے وابستہ ہیں۔''

''مگر وہ کون ہے''

''ابھی یہ بتانے کا وقت نہیں آیا، ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ اگر میں نے تمہیں حقیقت بتا دی تو تمہاری جستجو ختم ہو جائے گی۔ ہاں اتنا ضرور بتاؤں گا کہ وہ تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ صد ہا سال سے اور اگر تمہاری لگن میں ذرا بھی کھوٹ پیدا ہوئی تو پھر تیجا کا جادو چل جائے گا اور وہ گلباز پور کی داسی بن جائے گی۔ تیجا امر ہو جائے گا۔ شیطان آزاد ہو جائے گا اور تیجا کی صد ہا سال کی محنت بار آور ہو جائے گی۔''

''مجھے کیا کرنا چاہیے محترم بزرگ''

''جدوجہد، تیجا کے ہتھکنڈوں سے بچتے ہوئے جاؤ اور اپنے شہر شمع گڑھ پہنچ جاؤ۔ پھر اس مسجد میں تنہا داخل ہو جاؤ، وہ تمہاری منتظر ہے، مسجد میں داخل ہونے کے بعد ہی تمہیں پتہ چل سکے گا کہ تم اسے کیسے جگا سکو گے۔''

''میں نے تھوک نگلتے ہوئے گردن ہلا دی۔ ہزاروں وسوسے میرے دل میں سر ابھار رہے تھے۔ اپنے وطن میں ایک مفرور قاتل تھا جس کی پولیس کو تلاش تھی۔ صد ہا مصائب میرے منتظر تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میرے دل کی ایک اور خواہش تھی

کسی بھی طرح ہو اس مسجد میں داخل ہو کر اس حسن خوابیدہ کو دوبارہ دیکھوں۔ اس کی پرستش کروں۔ اس خواہش نے میری ہمت۔ جوان کر دی۔

''میں وہاں جانا چاہتا ہوں محترم بزرگ''

''تو پھر جاؤ اپنے لیے خود راہیں تلاش کرو، خدا تمہاری مدد کرے۔'' بزرگ نے کہا اور دوسرے لمحے وہ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔

چاروں طرف لق و دق صحرا تھا اور میں تنہا بے یارومددگار، لیکن..... ایک عزم تھا، ایک حوصلہ تھا۔ ایک موہنی صورت میری ہمت جوان کر رہی تھی۔ نوید اور ثمینہ کو چھوڑنے کا غم مجھے ضرور تھا، لیکن اب اس غم میں وہ شدت نہ تھی، میں نے دل ہی دل میں انہیں خدا حافظ کہا اور سیدھا چل پڑا۔ میں جانتا تھا کہ میرے مصائب کا دوسرا دور شروع ہو چکا ہے، لیکن پہلے دور اور اس دور میں فرق تھا۔ پہلے میرے چاروں طرف مایوسی کے بادل چھائے ہوئے تھے، میری زندگی کی کوئی راہ نہیں تھی، لیکن اس بار ایک روشنی تھی جو دیوانہ وار مجھے کھینچ رہی تھی۔ ایک خواہش، ایک لگن تھی اور میں نے اس لگن کو اپنی منزل بنا لیا اور چل پڑا۔ رات کے اندھیرے مجھے خوفزدہ کرتے رہے۔ درندوں کی چیخوں سے جنگل گونج رہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میں کسی صحیح راستے پر جا رہا ہوں یا کسی اور گھنے جنگل کی طرف۔ بس میں چل رہا تھا۔ تیز قدموں سے میرا سفر عجیب تھا۔ کئی بار چند درندے میرے قریب سے گزرے اور مجھے گھورتے ہوئے نکل گئے۔ نجانے انہوں نے میری طرف توجہ کیوں نہیں دی تھی۔ پھر ظلمت شب چھٹنے لگی، روشنی کی کرنیں آسمان صاف کرنے لگیں اور پھر اوپر کے کام کو ختم کرنے کے بعد زمین کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ سورج جنگلوں کے آخری سرے سے بلند ہو رہا تھا۔ پرندے غول در غول سفر کر رہے تھے۔ میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ میرے پاس کھانے کو تو کچھ تھا نہیں، میں نے اپنی حالت پر غور کیا، بے یارومددگار..... خالی ہاتھ، ویران جنگل، تن تنہا میں اتنا طویل سفر کیسے کر سکوں گا۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ میں کہاں ہوں۔ اپنے وطن میں پہنچنے کے لیے مجھے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ مجھے اپنی کیفیت سے خوف آنے لگا۔ گو اس امتحان میں کامیابی کی منزل بے حد حسین تھی، لیکن اس کٹھن صورتحال کا مقابلہ بھی تو آسان نہیں ہے۔ میں چلتا رہا۔ بھوک شدید ہوتی رہی، پرندے اور دوسرے جانور میرے سامنے سے گزرتے رہے،

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لیکن میں نہتا بھی تھا۔ کوئی ہتھیار نہیں تھا جس سے شکار کرنے کی کوشش کرتا اور دور تک جنگل پھیلا ہوا تھا، لیکن کوئی ایسا درخت نہیں تھا جس پر کسی قسم کے پھل ہوتے۔ عجیب عجیب سے درخت تھے جنہیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کافی دور چلنے کے بعد مجھے ایک چشمہ نظر آیا اور میں تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ پانی بھی اس وقت نعمت معلوم ہوا۔ میں نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ اس کے بعد مجھے خبر نہ رہی، نجانے کتنی دیر سویا تھا اور ایسی گہری نیند کہ سورج کی تپش بھی مجھے نہ جگا سکی۔ آنکھ کھلی تو سورج سر سے گزر چکا تھا اور شام کی آمد آمد تھی۔ میرا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ میں اٹھا چشمے میں منہ ہاتھ دھویا، تھوڑا سا پانی پیا اور پھر چل پڑا۔ گو بھوک اب بھی لگ رہی تھی، لیکن سونے کے بعد حالت قدرے بہتر ہو گئی تھی۔ اس لیے اس بار میری رفتار تیز تھی۔ اب درختوں کی چوٹیوں کی دوسری طرف پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ گویا یہ جنگل ختم ہو رہا تھا۔ میرے قدم تیزی سے اٹھنے لگے اور شام جھکنے سے قبل میں جنگل عبور کر گیا۔ چھوٹے چھوٹے جانور خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ میں اس وقت تک دوڑتا رہا جب تک میرے دونوں پاؤں میں سکت رہی۔ اور جب قدم اٹھانا دوبھر ہو گیا تو اسی جگہ بیٹھ گیا۔ چاروں طرف چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ میں حسرت سے ان چٹانوں کو دیکھنے لگا۔ خدا جانے یہاں سے نکلنا بھی نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ میں نے دل میں سوچا، لیکن مایوسی کفر ہے۔ اگر میں نے ہمت ہار دی تو پھر کچھ بھی نہ کر سکوں گا۔ شام اب تیزی سے جھک رہی تھی۔ میں نے پلٹ کر جنگل کی طرف دیکھا تا کہ اندازہ لگا سکوں کہ کتنی دور نکل آیا ہوں اور یہ دیکھ کر میں دنگ رہ گیا کہ اب جنگل کا نام و نشان نہیں ملتا تھا۔ گویا میں نے اس عرصے میں کافی سفر طے کر لیا تھا۔ تھوڑی دیر ستانے کے بعد میں ایک چٹان کی طرف بڑھا تا کہ دیکھ سکوں کہ قرب و جوار میں کوئی بستی، کوئی آبادی تو نہیں ہے۔

چٹان پر چڑھنا ایک بھوکے اور تھکے ہوئے آدمی کے لیے بہت مشکل تھا، لیکن میں اس میں کامیاب ہو گیا۔ چٹان پر پہنچ کر میں نے تاحد نگاہ نظریں دوڑائیں۔ خشک اور بنجر پہاڑیوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ میرے دل میں مایوسی کروٹیں بدلنے لگی۔ اس حالت میں ان چٹانوں کو کیسے عبور کر سکوں گا۔ بھوک اور تھکن سے نڈھال میں اسی جگہ لیٹ گیا۔ نیچے سخت اور کھردری زمین تھی۔ لیکن مجھے کوئی احساس نہیں تھا اب تو پانی بھی میسر نہیں ہو

سکتا تھا۔ رات ہو گئی اور میں یونہی پڑا رہا اور پھر قدرت کو مجھ پر رحم آ گیا یعنی مجھے نیند آ گئی۔ گہری نیند بلکہ باالفاظ دیگر غشی نے مجھے بھوک پیاس سے بے گانہ کر دیا اور میں صبح تک اسی طرح پڑا رہا۔ صبح کو سورج کی تیز کرنوں نے میرے جسم کو جھنجھوڑا اور میری بے ہوشی ختم ہو گئی، لیکن کیفیت یہ تھی کہ زبان سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی۔ ہاتھ پاؤں من من بھر کے تھے، میں انہیں ہلانے میں ناکام رہا۔ مجھے اپنی زندگی کی انتہا نظر آنے لگی اور میں اس انتہا سے خوفزدہ ہو گیا۔ ہاں..... جس نے خودکشی کرنے کے لیے ریل کی پٹڑی پر گردن رکھ دی تھی۔ مجھے اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، لیکن اب موت کو قریب دیکھ کر پریشان تھا۔ میں زندہ رہنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے حواس مجتمع کیے اور اپنی حالت پر غور کرنے لگا۔

بے شک میں بھوک سے نڈھال تھا میرے قویٰ مفلوج ہو گئے تھے، لیکن موت سے اتنی جلدی شکست قبول کر لینا تو مردانگی نہیں ہے۔ مجھے اپنا عزم بروئے کار لانا چاہئے۔ ایک کوشش اور سہی موت تو آنی ہی ہے پھر جدوجہد کرتے ہوئے کیوں نہ جان دی جائے۔ میں نے اس تصور کو دل سے نکال دیا کہ میں بے جان ہاتھ پاؤں کا مالک ہوں۔ میں نے سوچ لیا کہ میرا جسم میرے تابع ہے میں اس سے چوپالوں کا کام لے سکتا ہوں۔ اور میں اس نئے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ میں چٹان سے نیچے اتر آیا اور ایک طرف چل پڑا۔ میرا ذہن تاریک تھا، لیکن قدم مضبوط تھے بس میں چل رہا تھا۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ میں اس سفر کے دوران کیا سوچ رہا تھا، بس چل رہا تھا۔ پتھر میرے قدموں تلے تھے اور پھر..... میں زمین کے اختتام تک پہنچ گیا۔

ہاں..... اس وقت میں نے یہی سوچا تھا کہ شاید زمین ختم ہو گئی ہے۔ یہ زمین کا آخری کنارہ ہے کیونکہ اس کی دوسری طرف تاریکی تھی۔ میں مکمل تاریکی، میں نے اس تاریکی میں جھانک کر دیکھا، لیکن نیچے کی تاریکی اور گہری تھی۔ مجھے کچھ نظر نہ آیا اور میں پلٹ پڑا۔ آگے راستہ ختم ہے گویا۔ میں نے غلط راستے کا انتخاب کیا ہے۔ میں نے بائیں طرف دیکھا اور پھر ادھر چل پڑا۔ نجانے کتنی دیر چلتا رہا۔ اور پھر وہی تاریکی۔ یہ بھی ویسا ہی کنارہ تھا۔ میں چلتا رہا۔ مختلف سمتوں میں اور پھر یہ تاریکی چاروں طرف مسلط ہو گئی۔ سورج چھپ گیا تھا مگر میں چلنا چاہتا تھا تا کہ کوئی منزل پالوں اور میں چلتا رہا روشنی نہ سہی تاریکی سہی اور پھر مجھے روشنی نظر آ گئی۔ ہوں، وہ روشنی ہی تھی۔ شاید کوئی چراغ اور اسے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دیکھ کر میری امیدوں کے چراغ روشن ہو گئے۔ میں نے ڈوبتے ذہن کو سنبھالا۔ مجھے اپنے جسم کا ہوش نہیں تھا وہ تو ایک مشین تھی جو بغیر ایندھن کے چل رہی تھی۔ اگر میں اس مشین کے بارے میں سوچنے لگتا تو ایک قدم بھی نہ چل سکتا۔ روشنی قریب آتی رہی اور میں اپنے دل کو بہلاتا رہا۔ بس اب منزل قریب ہے، بالکل قریب، اور منزل قریب آتی گئی۔ میرا دل مسرت سے جھوم اٹھا وہ ایک عمارت تھی۔ سیاہ پتھر سے بنی ہوئی عمارت اور اس کے اوپری عکس پر یہ چراغ جل رہا تھا۔ چراغ کی روشنی بہت تیز تھی۔ اس کے قرب و جوار کا ماحول منور تھا۔ اور اسی روشنی میں میں نے اس عمارت کو دیکھا۔ عجیب سی عمارت تھی..... کسی مقبرے کی طرح اوپر مندر کا سا عکس تھا۔ بہرحال مجھے اس عمارت کی بناوٹ سے کوئی غرض نہیں تھی۔ میں تو صرف ایک بات سوچ رہا تھا جہاں روشنی جل رہی ہے اس لیے زندگی بھی ضرور ہو گی۔ میں بے چینی سے عمارت کا دروازہ تلاش کرنے لگا۔ دروازہ دوسری طرف تھا۔ میں گھوم کر عمارت کے دوسرے حصے میں پہنچ گیا جو اصل میں سامنے والا حصہ تھا۔ عمارت میں داخلے کے دو دروازے تھے، لیکن دونوں نامکمل۔ ان کی شکل کچھ عجیب سی تھی اس وقت میں نے اس شکل پر توجہ نہ دی اور اندر داخل ہو گیا۔ اندر کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ایک حسین باغ لگا ہوا تھا جس کے چاروں طرف پھولوں کے تختے تھے۔ باغ پھولوں سے مہک رہا تھا۔ درمیان میں ایک روش تھی۔ جس کے دونوں طرف پانی کے حوض بنے ہوئے تھے۔ ان حوضوں میں کنول کھلے ہوئے تھے۔ روش کا اختتام ایک دروازے پر ہوتا تھا جو سنہرے رنگ کا تھا۔ دروازہ سونے کی طرح چمک رہا تھا۔

میں اس بند دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس سے قبل کہ میں یہ دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا اس کے بند کواڑ خود بخود کھل گئے اور تیز روشنی باہر چھننے لگی۔ میں اس حیران کر دینے والی روشنی کو نظرانداز کر کے اندر داخل ہو گیا اور میری آنکھوں میں رنگ بکھر گئے۔ وہاں باریک کپڑوں میں ملبوس دو حسینائیں میرے سامنے کھڑی تھیں۔ انہوں نے ہندو داسیوں کے سے لباس پہنے ہوئے تھے جن سے ان کے عریاں جسم کا ایک ایک خط نمایاں تھا۔ میں حقیقت کہہ رہا ہوں۔ ان دونوں کو دیکھ کر میں کچھ دیر کے لیے اپنی بھوک پیاس بھول گیا۔ ان کے حسین جسم میرے رگ و پے میں سنسنی پیدا کر رہے تھے اور ان کے

یاقوتی لبوں پر پھیلی ہوئی دلکش مسکراہٹ میرا خیر مقدم کر رہی تھی۔

پھر وہ صبا کے جھونکوں کی طرح آگے بڑھیں اور انہوں نے دونوں طرف سے میرے بازو پکڑ لیے ان کے نرم و نازک ہاتھ اپنے بازوؤں پر محسوس کر کے میں بے خود ہو گیا۔

''آیئے مہاراج.....'' انہوں نے مترنم آواز میں کہا اور مجھے آگے لے جانے لگیں۔ میں بے خودی میں ان کے ساتھ آگے بڑھتا رہا اور وہ مجھے لیے سنگ مرمر سے بنے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہو گئیں جہاں ایک حوض بنا ہوا تھا۔ جس کے کنارے کی ایک سل تھی۔ ایک عجیب سی تھالی میں کچھ چیزیں رکھی ہوئی تھیں جنہیں میں نہیں جانتا تھا۔

''مہاراج پہلے اشنان کر لیں اس کے بعد بھوجن ہو گا'' ان میں سے ایک نے کہا۔

میں تو کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں تھا اس لیے کچھ نہ بول سکا تو اس وقت بھی کچھ نہ کہہ سکا جب ان حسیناؤں نے اپنے کومل ہاتھوں سے میرا لباس اتارا۔ انہوں نے میرا مکمل لباس اتار کر مجھے برہنہ کر دیا اور پھر ان میں سے ایک نے پیتل کے چمکدار لوٹے سے حوض سے پانی نکال کر مجھے پتھر کی سل پر بٹھا دیا۔ اس کے مرمری ہاتھ میرے بدن پر پھیل رہے تھے اور میں نجانے کون سی دنیا میں پہنچ گیا تھا۔ چمکدار تھال سے وہ کچھ نکال کر میرے بدن پر ملنے لگی اور میں انہیں روک بھی نہ سکا۔ نیم گرم پانی سے انہوں نے مجھے خوب اچھی طرح نہلایا اور پھر کمرے کا دروازہ کھول کر ایک لڑکی اندر داخل ہو گئی۔ یہ بھی حسن و جمال میں دوسری لڑکیوں سے کم نہ تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا تھال تھا۔ جس میں ایک خوبصورت لباس رکھا ہوا تھا۔ چوڑی دار پائجامہ، سلیم شاہی جوتے اور چمکدار شیروانی پہنا کر انہوں نے مجھے تیار کر دیا میں ان کی کسی بات میں مداخلت نہیں کر رہا تھا۔ پھر آنے والی نے ایک صافہ اٹھا کر میرے سر پر باندھا اور پھر ایک پیالی میں رکھا ہوا صندل اٹھایا وہ میری پیشانی پر تلک لگانا چاہتی تھی، لیکن اس وقت میں چونک پڑا۔ میں نے اس کا نازک ہاتھ پکڑ لیا جو اپنی انگلیاں صندل میں ڈبو کر میری پیشانی تک لے جانا چاہتی تھی۔ وہ مجھے حیرت سے دیکھنے لگی اچانک جیسے مجھے ہوش آ گیا تھا۔ مجھے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

احساس ہوا جیسے انہوں نے میرا جسم دھلایا ہے مجھے سخت شرم محسوس ہوئی۔ بے شک وہ حسینائیں دنیا کا چنیدہ حسن تھیں، لیکن میں اس حد تک نہیں جا سکتا تھا، مجھے انہیں اپنا جسم برہنہ کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے تھی۔ یہ سوچ کر میرے جسم میں سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں بیدار ہو گئیں۔ وہ کون تھیں، اس ویرانے میں یہ عجیب و غریب عمارت کیا اسرار رکھتی ہے گو میری بھوک اور تھکن کی وہی حالت تھی، لیکن اپنا اب تک کا کٹھن سفر یاد تھا۔ اب میں پوری طرح سوچ سمجھ سکتا تھا۔

''کیا بات ہے مہاراج، چندن نہیں لگوائیں گے'' ایک نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں'' میں نے سخت لہجے میں جواب دیا اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ لڑکی نے پیالی کے کناروں سے انگلیاں صاف کیں اور پھر وہ تینوں دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔ میں ان کے ساتھ تھا۔ وہ مجھے لیے ہوئے ایک اور خوبصورت کمرے میں پہنچیں۔ یہاں ایک لمبی میز لگی ہوئی تھی جس پر سونے چاندی کے گنگا جمنی برتن رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے میرے لیے ایک کرسی گھسیٹی اور میں بیٹھ گیا۔ پھر ایک حسین لڑکیوں کا پورا غول اندر آ گیا۔ ان کے ہاتھوں میں تھالیاں تھیں جن میں انواع و اقسام کے کھانے تھے۔ گو میں سمجھ گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے اور یہ مناسب جگہ نہیں ہے، لیکن میں نے سنا ہے کہ چند فاقوں کے بعد حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔ میں تو بھوک کی وجہ سے قریب المرگ تھا۔ پھر بظاہر کوئی ایسی چیز بھی نہیں تھی جسے کھانے میں مجھے اعتراض ہوتا۔ چنانچہ میں کھانے پر ڈٹ گیا اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ کھانے کے بعد میرے ہاتھوں اور پیروں میں سنسنی ہونے لگی اور آنکھوں میں غنودگی چھانے لگی۔ دو تین لڑکیوں نے مل کر مجھے اٹھایا اور اس کمرے سے نکال لائیں۔ مجھے ایک دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں ایک اعلیٰ درجے کا چھپر کھٹ موجود تھا۔ میں نیند سے بیتاب ہو رہا تھا چنانچہ جوتوں سمیت چھپر کھٹ پر جا پڑا۔ اور اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ ایک پرسکون نیند لینے کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو شاید دن نکل آیا تھا۔ روشنیاں گل تھیں اور ایک قدرتی اجالا پھیلا ہوا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور گزرے ہوئے واقعات پر غور کرنے لگا، رات کی باتیں خواب کی باتیں معلوم ہوتی تھیں، لیکن وہ خواب نہیں تھا میرے جسم کے نیچے اب بھی نرم بستر تھا۔ میں نے دوبارہ آنکھیں کھول کر کمرے کے ماحول کو دیکھا، انتہائی نفیس کمرہ تھا۔ دیواروں پر تصاویر

آویزاں تھیں، لیکن یہ تصاویر ہندوازم سے متعلق تھیں۔ دیوی، دیوتاؤں کے بے شمار روپ دکھائے گئے تھے۔ ان میں سے چند تصاویر بے حد شرمناک تھیں۔ میں چھپر کھٹ سے اٹھ بیٹھا، اچانک مجھے احساس ہوا کہ میرے جسم پر کپڑے نہیں ہیں جو ان لڑکیوں نے پہنائے تھے۔ گویا انہوں نے دوبارہ میرا لباس بدلا۔ اس وقت میرے جسم پر ریشم کا ایک گون سا تھا، لیکن اسے صرف گون بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کچھ عجیب سا لباس تھا مجھے پھر شرم آنے لگی اور میں حالات پر غور کرنے لگا۔ یہ کون سی جگہ ہے اور یہاں میری یہ آؤ بھگت کیوں ہو رہی ہے۔ اچانک مجھے تیجا کا خیال آیا کیا یہ سب تیجا کی حرکت ہے ورنہ پھر یہ ہندو وانہ جگہ اوہ..... اگر وہ اپنی کسی سازش میں کامیاب ہو گیا ہے تو بہت برا ہوا۔ میں اپنے آئندہ اقدام پر غور کرنے لگا۔ پھر دروازہ کھلا اور بالکل نئی شکلیں نظر آئیں۔ یہ بھی بہت حسین لڑکیاں تھیں۔

''اشنان کریں گے مہاراج'' ان میں سے ایک نے پوچھا۔

''نہیں'' میں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

''تب لباس بدل لیں بھوجن تیار ہے'' دوسری بولی اور ایک طرف رکھا ہوا لباس اٹھا کر میرے پاس پہنچ گئی۔ دوسری میرے لبادے کے بند کھولنے لگی، لیکن میں نے اس کا ہاتھ روک دیا۔

''تم باہر جاؤ میں لباس بدل کر ابھی آتا ہوں'' میں نے کہا اور وہ حیرت سے میری شکل دیکھنے لگیں۔ پھر ان میں سے ایک اداس آواز میں بولی۔

''کیا مہاراج ناراض ہیں داسی سے کوئی بھول ہو گئی ہے۔''

''نہیں بس میں لباس خود پہن لوں گا تم باہر میرا انتظار کرو'' میں نے کہا اور وہ دونوں گردنیں جھکا کر باہر نکل گئیں۔ میں نے لباس تبدیل کیا اس دوران میں حالات پر غور کرتا رہا۔ میرا ذہن پوری طرح بیدار تھا، بھوک بھی رفع ہو چکی تھی اور تھکن بھی۔ دماغ ایک ہی بات سوچ رہا تھا بلاشک یہ سب کچھ تیجا کی کارستانی ہے۔ وہی مجھے یہاں تک لایا ہے اور اب کسی نئے جال میں پھانسنا چاہتا ہے۔ اور پھر مجھے ان بزرگ کی ایک ہی بات یاد آ گئی انہوں نے کہا تھا کہ میں جدوجہد کروں اور تیجا کے ہتھکنڈوں سے بچتا رہوں اور شمع گڑھ پہنچ جاؤں۔ شاید ان کا اشارہ انہی ہتھکنڈوں کی طرف تھا۔ میں تیجا کے چکر میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پھنس گیا تھا اوراب مجھے اس چکر سے نکلنا تھا۔ یہاں بے شمار حسین جال تھے۔ یہ خوبصورت لڑکیاں خودسپردگی کا انداز اختیار کیے ہوئے تھیں۔ ہر ایک میرے ایک اشارے پر سب کچھ کرنے پر تیار تھی۔ میں یہاں راجہ اندر بن سکتا تھا، لیکن مجھے سنبھلنا تھا۔ مجھے تیجا کے اس طلسم کو توڑنا تھا ہوشیاری سے، چالاکی سے۔ اور پھر میری نگاہوں میں مکڑی کا ایک جالا ابھر آیا اور اس جالے میں محبوس ایک حسین چہرہ، اس حسین چہرے کے سامنے تمام حسن ماند پڑ گیا اور میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی، میں بیقرار ہو گیا۔ اور اس بیقراری کے عالم میں اپنا عزم تازہ کر کے باہر نکل آیا۔ دونوں حسین لڑکیاں میری منتظر تھیں۔ مجھے دیکھ کر وہ جھکیں اور پھر میرے ساتھ چل پڑیں۔ راستے میں چلتے ہوئے میں نے ان میں سے ایک کا بازو پکڑا اور وہ مجھ سے لگ گئی۔

''مجھے ایک بات بتاؤ'' میں نے سرگوشی سے پوچھا۔

''حکم کریں مہاراج'' وہ ادب سے بولی۔

''یہ کون سی جگہ ہے'' میں نے پوچھا۔

''گلبازپور'' اس نے جواب دیا اور میرے قدم جم گئے میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں اس مکروہ جگہ آ پھنسوں گا۔ گلباز پور کے بارے میں مجھے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں ان کے تحت مجھے اس سے نفرت ہو گئی تھی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ شیطان کا گڑھ ہے۔ حالانکہ یہاں کی جو کیفیت تھی اسے دیکھ کر بڑے بڑے عابد و زاہد پھسل سکتے تھے۔ چاروں طرف حسین اور نیم برہنہ جمگھٹا، ایک سے ایک اعلیٰ حسن اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خودسپردگی کا انداز لیے ہوئے صرف میری نگاہ کی دیر تھی جس کی طرف ملتفت ہوتا وہ اپنا سب کچھ میرے حوالے کرنے کے لیے تیار تھی۔ لیکن میں جانتا تھا کہ شیطان کے جال بے حد حسین ہوتے ہیں۔ گناہ کی ظاہری شکل اچھی نہ ہو تو کوئی شخص گناہ نہ کرے۔ اس لیے مجھے اس جال سے بچنا تھا۔ اگر میرے محسن اورخدا کے نیک بندے مجھے اس طلسم سے ہوشیار نہ کر دیتے تو شاید میرے قدم بہک جاتے، لیکن اب میں سنبھل گیا تھا۔ مجھے تیجا کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ وہ شیطان ابدی زندگی حاصل کر چکا تھا۔ لیکن ابھی اس کی یہ زندگی مکمل نہ ہو سکی تھی اور اس کے لیے اسے میرے سہارے کی ضرورت تھی۔ میں نے

حالات پر غور کیا زمین کا ختم ہو جانا، چاروں طرف تاریکی نظر آنا، یہ ثابت کرتا تھا کہ وہ مجھے گھیر کر یہاں تک لایا ہے۔ اس وقت جب میں بھوک اور تھکن سے نڈھال ہو چکا تھا تو اس نے میری مجبوری سے فائدہ اٹھایا، لیکن اب میں سنبھل چکا تھا۔ اب میں آسانی سے اس کے قابو میں نہیں آ سکتا تھا۔

''چلئے مہاراج رک کیوں گئے'' میرے جسم سے چمٹی ہوئی لڑکی نے محبت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کہاں'' ''بھوجن تیار ہے'' لڑکی نے کہا۔

''میں نہیں کھاؤں گا'' میں نے کہا اور لڑکی سے خود کو چھڑا لیا۔ وہ سہم سی گئی اور لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''داسی سے کوئی بھول ہو گئی ہے مہاراج شما کر دیں۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔ اس کی شکل پر بے پناہ معصومیت تھی اور پھر اس کے ہاتھ جوڑنے کا انداز، میرا دل دھڑکنے لگا اور اس پر رحم سا آنے لگا، لیکن اچانک میں سنبھل گیا یہ سب حسین دھوکے ہیں۔ اس وقت جب میں عقل و خرد سے بے گانہ تھا۔ بھوک اور تھکن نے میرے سوچنے سمجھنے کی قوت چھین لی تھی۔ اگر میں نے شیطان کے اس گڑھ میں کچھ کھا بھی لیا تھا تو اس میں میرا قصور نہیں تھا، لیکن اب میں ٹھیک تھا۔ میرے ہوش قائم تھے اور میں مزید چار دن کے فاقے کر سکتا تھا تو اس شیطان کا نمک خوار کیوں بنوں۔

''تم سے کوئی بھول نہیں ہوئی ہے، لیکن اس شیطان سے میری پرانی دشمنی ہے جو گلباز پور کا مالک ہے۔ تم سب جاؤ میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اگر ہم آپ کو خوش نہ کر سکے مہاراج تو ہمیں کشٹ بھگتنا پڑے گا، شما کریں ہماری زندگی عذاب میں نہ ڈالیں۔''

''جاؤ'' میں نے گرج کر کہا اور وہ دونوں سہم کر رہ گئیں پھر خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے چلی گئیں۔ میں نے خود پر پوری طرح کنٹرول کیا مجھے اس طلسم سے ہر قیمت پر نکلنا تھا۔ چنانچہ میں آگے بڑھ گیا اس کمرے سے نکل کر میں ایک دوسرے کمرے میں آ گیا یہاں بھی کئی لڑکیاں موجود تھیں۔ ان کے مرمریں جسم پر صرف باریک پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں اور ان کا حسن اس قدر ہیجان خیز تھا کہ کنپٹیوں میں دھمکے ہونے لگے، لیکن

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں نے ذہن جھٹک دیا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ میرے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ جو جو مناظر میرے سامنے آ رہے تھے انہیں دیکھ کر دل چاہ رہا تھا کہ نیکی، بدی کا تصور چھوڑ دوں اور خود کو ان مناظر میں گم کر دوں، لیکن یہی تو آزمائش کی منزل تھی، اگر مجھے یہی سب کچھ کرنا ہوتا تو تیجا کی پہلے دن کی بات مان لیتا اور ہر وقت سے بے گانہ ہو کر اسے مسجد میں داخل کر دیتا۔ اس کے بعد یہ سب کچھ ہوا تھا، لیکن میں نے قربانیاں دیں تھیں میں نے اپنا گھر بار لٹا دیا تھا۔ میں نے وہ تکلیفیں اٹھائی تھیں کہ دوسرا انسان صرف اس کے تصور سے خوفزدہ ہو کر مر جائے اور اب جب میری منزل قریب تھی میں اس طلسم میں ڈوب کر اپنی منزل کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے قدموں میں مضبوطی پیدا کی اور اس کمرے میں سے بھی نکل آیا۔ عجیب پیچ در پیچ عمارت تھی۔ نجانے کہاں سے شروع ہوئی تھی اور کہاں ختم ہوئی تھی۔ ایک اور دروازے سے نکل کر میں ایک پتلے سے کوریڈور میں آ گیا۔ جہاں ایک چوبی دروازہ نظر آ رہا تھا۔ دروازے میں سونے کی کیلیں جڑی ہوئی تھیں۔ جہاں قدم قدم پر زر و جواہر کے انبار موجود تھے، لیکن مجھے ان سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ میں نے دروازہ دھکیلا اور ایک عجیب پرسحر موسیقی نے میرے قدم روک دیئے۔ موسیقی کی لہریں دروازہ کھلتے ہی پیدا ہوئی تھیں۔ ایک انوکھی اور عجیب لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ موسیقی میری سماعت کے ذریعے میرے جسم میں پیوست ہوتی جا رہی تھی اور میری آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ میرے ہونٹ خود بخود مسکرانے لگے اور میرے قدم کھینچنے لگے۔ میں اندر داخل ہو گیا اور موسیقی کی لے تیز ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی دھیمے سروں میں ایک گیت بھی شروع ہو گیا۔ بہار کی آمد کا گیت جہاں ایک حسین دوشیزہ کا محبوب ایک طویل عرصے کے بعد واپس آ گیا تھا۔ اور دوشیزہ محبوب کی آمد کی خوشی میں مست ہو کر گا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ میری آنکھیں کھل گئیں۔ پورے ہال پر ہفت رنگ کہر چھایا ہوا تھا۔ اس کہر میں سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ مرمریں جسم کی برہنہ دوشیزائیں ستار، بربط اور دوسرے ساز لیے سنگ مرمر کے پتھروں پر بیٹھی تھیں۔ ان سازوں سے نغمے ابل رہے تھے اور ہونٹوں سے گیت پھوٹ رہے تھے اور ان کے درمیان ایک پتھر کا ہنس نظر آ رہا تھا۔ راج ہنس اور اس سفید راج ہنس پر ایک قیامت جلوہ فگن تھی۔

حسن، اس قیامت پر ختم تھا اس کا شفق رنگ چہرہ، بڑی بڑی شربتی آنکھیں،

یاقوت سے تراشی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ، سڈول اور نیم عریاں جسم جس پر گلابی رنگ کا لبادہ پڑا اس کی جسم کی رعنائیوں کو اور نمایاں کر رہا تھا۔ اس کے موتی جیسے دانت اندھیرے کی کرن کی طرح جگمگا رہے تھے اور اس کی آنکھوں میں بے پناہ محبت تھی۔ کون دیوانہ تھا جو اس حسن بے پناہ کو دیکھ کر پاگل نہ ہو جاتا.....! محبت کا نغمہ اور حسن منتظر۔ میرے حواس منتشر ہو گئے اور اس نے بازو پھیلا دیئے۔ میرے دونوں ہاتھ بھی آگے بڑھے اور قدم بے اختیار اس کی طرف اٹھنے لگے، وہ راج ہنس پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی آغوش وا تھی اور آنکھیں منتظر تھیں۔ اس طرح بیٹھنے سے اس کے جسم پر پڑے ہوئے ہوا کی طرح باریک لبادے کی سلوٹیں بھی مٹ گئیں اور اس کا اچھوتا جسم میرے سامنے نمایاں ہو گیا۔ وہ دنیا کا سب سے حسین سب سے سڈول جسم تھا میں کشاں کشاں اس کے قریب پہنچ گیا وہ محبت بھرے انداز میں کھڑی ہو گئی اس کی مدھر آواز میرے کانوں میں گونجی، آؤ میرے محبوب۔ میری آغوش تمہارا انتظار کر رہی تھی ہنس اداس تھا۔ سیج سونی تھی۔ آؤ اسے آباد کریں۔ داسیاں ملن کا گیت گا رہی ہیں۔ آتما پیاسی ہے آؤ من مندر میں سما جاؤ اور اس نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر مجھے ہنس پر آنے کے لیے سہارا دیا، لیکن اس کا ہاتھ میری کلائی پر پڑے ہوئے اس حلقے پر پڑ گیا جو مجھے اس بزرگ نے دیا تھا اور اچانک بجلی سی کوند گئی۔ آنکھوں کو خیرہ کرنے والی ایک چمک ہوئی اور اس کے ساتھ ہی چیخیں بلند ہونے لگیں اور نغمے تھم گئے اور ایک عجیب سی افراتفری مچ گئی۔ میں ہوش میں آ گیا اور سراسیمہ ہو کر اس قیامت کو دیکھنے لگا میں نے اپنے سامنے کھڑی ہوئی حسین عورت کو دیکھا اور میری آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ کیونکہ اب اس عورت کی جگہ تیجا کھڑا تھا۔ کریہہ شکل بوڑھا۔ جو اس حسین عورت کے روپ میں آیا تھا۔ میں بوکھلا کر اس کی شکل دیکھنے لگا اور پھر میں نے گردوپیش کے ماحول پر نگاہ ڈالی سنگ مرمر کے پتھر اب بھی یونہی تھے، لیکن ان پر بیٹھی ہوئی لڑکیاں اب خوفناک شکل کی چڑیلوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ جن کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، دانت لمبے اور نوکیلے اور چہرے دہشت خیز تھے۔ تیجا میرے ہاتھ میں پڑے ہوئے کپڑے کو دیکھ رہا تھا اور میں صورتحال سمجھ چکا تھا۔ تیجا نے مجھے جال میں پھانسنے کی مختلف کوششوں کے بعد ایک اور کامیاب کوشش کی تھی وہ حسین عورت کا روپ دھار کر مجھے مسحور کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا، لیکن اس طلسمی حلقے نے اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کا تمام جادو توڑ دیا اور وہ اصلی شکل میں آ گیا۔ ''یہ کڑا اتار کر پھینک دے'' اس نے خونخوار آواز میں کہا۔

''کیوں! راجہ تیجا'' میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ میں نے تجھے آج تک نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ بس اس بات پر آمادہ کرتا رہا ہوں کہ تو میرا کام کر دے، لیکن یہ مقصد نہیں کہ تو نے یہ کڑا پہن کر میری شکتی کو للکارا ہے۔ اگر میں تجھے اپنی شکتی دکھانے پر آ گیا تو پورا سنسار تیرے لیے جہنم بن جائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تیری بہن اور تیرا بھائی تجھے مل گئے ہیں۔ ان لوگوں کو آزاد زندگی مل گئی پرنت تو سمجھتا ہے کہ وہ پورا جیون اسی جگہ گزار دیں گے وہ یہاں سے نکلیں گے اور پھر..... اس کے بعد وہ میرے شکنجے میں ہوں گے۔ میں ان کے دماغ پلٹ دوں گا اور انہیں تیرے سامنے لے آؤں گا کیا تو یہ دیکھنا پسند کرے گا کہ تیرا بھائی تیری بہن کو استری کی طرح استعمال کرے وہ بھی تیرے سامنے میں یہ اوش کر دوں گا۔ ورنہ..... تو یہ کڑا اتار دے۔

''ذلیل کتے، تو میرے خاندان کو تباہ کر رہا ہے اور تو کہتا ہے کہ تو نے آج تک مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ مین نے اپنے بہن بھائی کو خدا کے سپرد کر دیا ہے۔ اگر اسے ان کی حفاظت منظور ہو گی تو وہ ان کی حفاظت کرے گا اور مقدر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کڑے کی موجودگی میں تیری تمام قوتیں بیکار ہو گئی ہیں اس لیے تو اس سے گھبرا رہا ہے۔''

یہ تیری بھول ہے بالک، میری شکتی اتنی کمزور نہیں ہے میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں نے تجھے کیا پٹی پڑھائی ہے۔ لیکن میرے بغیر تو اس مسجد میں نہیں داخل ہو سکے گا۔ میں تیرا بندوبست کر دوں گا۔ تیجا نے کہا اور اچانک چند غیر مرئی ہاتھوں نے مجھے پیچھے سے جکڑ لیا۔ میں نے پلٹنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا مجھے سختی سے پکڑ رکھا تھا اور اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کہ میرے کڑے والا ہاتھ بے بس ہو جائے اور میں کڑا کسی کے جسم پر لگا نہ سکوں۔ میں بخوبی محسوس کر چکا تھا کہ تیجا عورت کے روپ میں مجھے پکڑنے کے لیے اٹھا تھا تو میرا کڑا ہی اس کے جسم سے لگ گیا تھا اور اسی کڑے کی وجہ سے اس کا جادو ٹوٹ گیا تھا پھر تیجا کا کڑا اتارنے پر اصرار بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتا تھا اور اب انہوں نے میرے کڑے والے ہاتھ کو بے بس کر دیا تھا۔

''لے جاؤ اس پاپی کو..... پاتال میں ڈال دو۔ تاکہ یہ بھوکا پیاسا مر جائے۔ زہریلے ناگ چھوڑ دو اس پر تاکہ یہ میرے غصے کا مزا بھی چکھ سکے۔'' تیجا نے کہا اور غیر مرئی ہاتھ مجھے پیچھے گھسیٹنے لگے۔ میں دوسری بار ان کمروں سے گزرا، لیکن اب وہ کھنڈر بنے پڑے تھے۔ ان میں غلاظت کے ڈھیر تھے جن میں کیڑے کلبلا رہے تھے۔ طلسم ٹوٹ چکا تھا اور اب گلباز پورا اپنی اصل شکل میں تھا اور اس کی شکل بے حد بھیانک تھی۔ مجھے لے جانے والے غیر مرئی ہاتھ مجھے گھسیٹتے رہے اور پھر وہ نیچے اترنے لگے۔ نیچے اترنے کی رفتار بہت تیز تھی۔ مجھے ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے میں آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں کی طرف جا رہا ہوں اور میرا دماغ چکرانے لگا اور میرا کلیجہ حلق کی طرف آ رہا تھا۔

نجانے میں کب بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو چاروں طرف اندھیرا تھا۔ سخت اندھیرا جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا، لیکن پھر اس اندھیرے میں ننھے ننھے ستارے جگمگاتے نظر آئے چمکدار نقطے حلقے کی شکل میں میرے چاروں طرف موجود تھے۔

''یہ کیا ہے..... میں کہاں ہوں'' میں نے سوچا اور اور چند لمحات بعد مجھے سب کچھ یاد آ گیا۔ میرا ہاتھ بے اختیار دوسرے ہاتھ کی کلائی میں پڑے ہوئے حلقے کو ٹٹولنے لگا اور حلقہ مجھے بخوبی محسوس ہو گیا۔ میں نے سکون کی سانس لی۔ میں کسی قدر محفوظ تھا۔ شیطان تیجا نے کہا تھا کہ مجھے پاتال میں پھینک دیا جائے تو کیا یہ تحت الثریٰ ہے کیا درحقیقت میں زمین کی سب سے نچلی تہہ میں ہوں اگر میں یہاں ہوں تو..... پھر یہاں سے کیسے نکل سکوں گا۔ گہرائیوں سے نکلنا میرے بس کی بات تو نہیں تھی۔ نجانے کیوں مجھے کمزوری کا احساس ہونے لگا میں خود کو تھکا تھکا محسوس کر رہا تھا تاریکی مجھے کھائے جا رہی تھی اور ان ننھے جگمگاتے نقطوں کا اسرار ابھی تک مجھ پر نہیں کھلا تھا۔ وہ کیا ہے، کبھی کبھی وہ نقطے مجھے ہلتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور اپنے نیچے سخت، کھردری اور ٹھنڈی زمین کو محسوس کرنے لگا۔

''کیا یہ کوئی غار ہے؟ میں نے خود سے سوال کیا ممکن ہے کوئی اندھیرا کنواں ہو۔ اور میں اس میں ہوں..... اس خیال سے میں نے اوپر دیکھا۔ شاید کنویں کا دہانہ نظر آ جاتا، لیکن اوپر بھی تاریکی تھی۔ کیا ماجرا ہے۔ میں نے ہاتھوں کا سہارا لیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا میرے اٹھتے ہی ایک دم بہت سی پھنکاریں گونج اٹھیں اور چمکدار نقطے ہلنے لگے وہ بار بار

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نیچے جھک اور اوپر اٹھ رہے تھے۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اب میں سمجھ گیا کہ وہ نقطے کیسے تھے۔ وہ زہریلے ناگ تھے جو میرے گرد حلقہ بنائے کھڑے تھے۔ تیجا نے کہا تھا کہ میرے اوپر زہریلے ناگ چھوڑ دیئے جائیں تا کہ میں اس کا غصہ دیکھ لوں، لیکن یہ سانپ میرے اوپر حملے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ مجھے ڈسنے سے معذور تھے اگر معذور نہ ہوتے تو اب تک سب میرے جسم پر لپٹے ہوئے ہوتے۔ اس تصور سے مجھے ڈھارس ہوئی اور میرا خوف کسی حد تک کم ہو گیا۔ ناگ پھنکار رہے تھے اور ان کی زہریلی آوازیں میرے رونگٹے کھڑے کر رہی تھیں۔ میں اب تیجا کا قیدی تھا اب مجھے کیا کرنا چاہئے میں سوچنے لگا، لیکن کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تاریکی میں میرا دم گھٹا جا رہا تھا یہی کیا کم تھا کہ ان سانپوں نے مجھے ڈسا نہیں تھا، میں ان کے درمیان سے گزر کر آگے جانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا اور پھر مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ جگہ جہاں میں موجود ہوں کتنی بڑی ہے۔ کہاں تک گئی ہے میرا کوئی قدم مجھے کہاں تک لے جائے گا۔ میں نے ایک بار پھر پہلو بدلا اور سانپ پھر پھنکارنے لگے۔ میں تھک کر لیٹ گیا۔ کسی ایسے آدمی کا تصور کریں۔ یا آپ یہ کیفیت خود پر طاری کریں آپ بھوکے ہوں کسی تاریک غار میں پڑے ہوں اور آپ سے صرف چند قدم کے فاصلے پر زہریلے سانپ گھیرا ڈالے کھڑے ہوں، ان کی آنکھیں تاریکی میں ننھے منے جگنوؤں کی طرح چمک رہی ہوں تو آپ کی ذہنی کیفیت کیا ہو گی۔ میری صحیح کیفیت کا اندازہ آپ اسی صورت میں لگا سکتے ہیں۔

لیکن پے در پے مصیبتوں نے مجھے قوت برداشت دے دی تھی میں ہر ماحول، ہر مصیبت میں خود کو ضم کرنے کا عادی بن گیا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ان سانپوں سے میرا خوف زائل ہونے لگا۔ میں نے یقین کر لیا کہ یہ کسی شکل میں مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے، لیکن صرف..... یہی بات سب کچھ نہیں تھی۔ مجھے ان کے نرغے سے نکلنا بھی تھا یہاں سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنا تھا اور میں کمر ہمت باندھنے لگا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی نجانے ان تاریکیوں میں پڑے مجھے کتنی دیر گزر چکی تھی۔ میں نے وہاں بھی کھانا نہیں کھایا تھا اور اب میری بھوک بڑھ گئی تھی، لیکن درد کا حد سے گزرتا ہے دوا ہو جانا۔ میں نے صبر کر لیا میں نے بولنے کی کوشش کی کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے اور پھر ایک بار میں ہمت کر کے اٹھ گیا۔ سانپوں کی پھنکاریں ایک دم تیز ہو گئیں اور وہ غضبناک ہو گئے، لیکن میں نے

حلقے والا ہاتھ آگے کر دیا اور میری یہ کوشش کارگر رہی۔ میں نے سانپوں میں ابتری دیکھی وہ پیچھے ہٹ رہے تھے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، لیکن میں خدا کا نام لے کر آگے بڑھتا رہا۔ اب میری آنکھیں اندھیرے میں مانوس ہو گئی تھیں اور میں اپنے پیروں کے سامنے سے ہٹتے ہوئے سانپوں کو بخوبی دیکھ رہا تھا وہ کیچوؤں کی طرح پھن گرا کر میرے سامنے بھاگ رہے تھے۔ میرے پہرہ داروں کا حلقہ ٹوٹ گیا تھا اور وہ سراسیمہ ہو کر بھاگ رہے تھے۔ میری ہمت کئی گناہ بڑھ گئی اور میں ہاتھ بڑھائے اندھوں کی طرح آگے بڑھتا رہا۔ میرا یہ خیال غلط ثابت ہو گیا کہ میں کسی کنویں میں ہوں۔ کنویں کی کوئی دیوار تو ہوتی، لیکن میرے ہاتھوں کے سامنے خلا تھا اور میں پیروں سے ٹٹولتا ہاتھ آگے کئے بڑھتا رہا۔ تقریباً دس منٹ تک میں چلتا رہا اور وہ سانپ کافی دور رہ گئے۔ اب میری پشت پر سرسراہٹ بھی نہ تھی اس کے ساتھ ہی مجھے ہوا کے فرحت بخش جھونکوں کا احساس بھی ہو رہا تھا، لیکن روشنی کہیں نہ تھی۔ ٹھیک گیارہویں منٹ پر میرے ہاتھ کسی چیز سے ٹکرائے اور میں رک کر اسے ٹٹولنے لگا پتھر کی دیوار تھی ابھرے ہوئے ناہموار پتھروں سے میرے ہاتھ ٹکرانے لگے گویا یہ اس غار کا اختتام ہے میں نے سوچا۔ پھر اب کیا کروں، ممکن ہے کہ کوئی راستہ بھی ہو۔ میں نے سوچا اور دیوار کو ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ جہاں تک یہ دیوار جائے گی میں بھی چلتا رہوں گا۔ خواہ پوری زندگی کیوں نہ چلنا پڑے اور میں چلتا رہا۔ نجانے کتنی دیر پھر دیوار میرے ہاتھوں سے نکل گئی۔ آگے پھر خلا تھا میں رک گیا نجانے یہ کیسا خلا تھا میں نے پیر آگے بڑھا کر جگہ ٹٹولی۔ زمین موجود تھی۔ میں نے خلا ٹٹولی اور چند قدم آگے بڑھا کر اس جگہ پہنچ گیا۔ میں خلا میں مڑ گیا اور بہت جلد میرے ہاتھ کسی چیز سے ٹکرائے وہ چیز پتھر نہیں تھی۔ پھر کیا تھا.....؟ اور بہت جلد ہی میں نے محسوس کیا کہ وہ ایک دروازہ تھا لکڑی کا دروازہ۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ نجانے یہ دروازہ کہاں کا ہے، ممکن ہے یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ ہو۔ میں نے دروازے کو پوری قوت سے دوسری طرف دھکیلا اور کافی تیز چڑچڑاہٹ کے ساتھ سالخوردہ دروازہ کھل گیا اور دوسری طرف روشنی دیکھ کر میری آنکھیں خوشی سے جگمگا اٹھیں۔ یہ روشنی ایک فانوس کی تھی جو چھت پر لٹک رہا تھا۔ اندر داخل ہو کر میں نے چاروں طرف دیکھا اور ایک طرف دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اس بڑے غار کے ایک حصے میں ایک بت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ایستادہ تھا۔ ایک قدآور بت جو کسی پتھر سے تراشا گیا تھا۔ فانوس کی روشنی میں مجھے اس بت کے خدوخال نظر آ رہے تھے وہ ہندوؤانہ لباس میں تھی۔ پجاریوں کا سا لباس، رقص کا پوز، لیکن اس کی شکل میں، میں اس کی شکل دیکھ کر سناٹے میں رہ گیا میرا دل درد سے تڑپنے لگا۔ یہ تو وہی شکل تھی جو میں نے اپنے ہاتھوں کے آئینے میں دیکھی تھی۔ وہ شکل جسے میں نے مکڑیوں کے جالے میں محوخواب دیکھا تھا۔

''یا خدا، کیا یہ بھی تیجا کی کوئی نئی چال ہے کوئی نئی چال..... ورنہ پھر یہ مجسمہ کیسا؟ یہ یہاں کیوں ہے؟ کیسے آ گیا میں سوچتا رہا اور میرے قدم خود بخود اس مجسمے کی طرف بڑھ گئے۔ اس کا انداز رقص کا تھا، لیکن چہرے پر بے چارگی اور لاچاری تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ رقص مجبوری ہو۔ میں بے خود ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا، مجھے کوئی خبر نہ رہی کہ میں کہاں ہوں، کیا کر رہا ہوں۔ بس میں اسے دیکھ رہا تھا۔ دیکھتا رہا اور وقت گزرتا رہا۔ ایک بار پھر میرا ذہن تاریکیوں میں گم ہو گیا۔ نجانے کب ہوش آیا۔ میرا اندازہ تھا کہ کافی وقت گزر چکا ہے میں اس مجسمے کے قدموں پر پڑا تھا اور اب میرے جسم میں ہلنے کی بھی سکت نہیں تھی۔ بھوک سے ہاتھ پاؤں نڈھال ہو چکے تھے۔ دفعتاً میں نے قریب ہی گوشت کی بو محسوس کی۔ بھنے ہوئے گوشت کی بو اور میری بھوک طوفان انداز میں جاگ اٹھی میں نے گردن گھما کر دیکھا مجھ سے تھوڑے فاصلے پر بھنا ہوا گوشت رکھا ہوا تھا۔ گرم گرم گوشت اس کے نزدیک ایک صراحی اور گلاس بھی رکھا ہوا تھا۔ میرا دل چاہا کہ میں گوشت پر ٹوٹ پڑوں اور پوری پلیٹ صاف کر جاؤں، لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ میں تیجا کا قیدی ہوں اور یہ مراعات تیجا کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتیں۔ میں تیجا کا کوئی احسان نہیں قبول کرنا چاہتا تھا۔ خواہ بھوک سے میری جان ہی کیوں نہ نکل جائے۔ لیکن اس وقت میرے کانوں میں ایک مترنم سرگوشی گونجی۔

''تیجا ہندو ہے اس کے مذہب میں گوشت حرام ہے، اس نے یہ گوشت تمہیں فراہم کیا ہے اسے کھا لو۔''

میں چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا یہ کس کی آواز تھی۔ کیسی آواز تھی۔ کس قدر نغمگی تھی آواز میں۔ کیسی حسین آواز تھی میں نے مجسمے کی طرف دیکھا اور حیرت سے اچھل پڑا۔ پہلے جب میں نے اسے دیکھا تھا تو اس کے چہرے پر سوگواری تھی، بیچارگی تھی،

لیکن اس وقت مجسمہ مسکرا رہا تھا۔ ایک انوکھے انداز میں کیسی مسکراہٹ تھی یہ۔ یہ مسکراہٹ سکون بن کر میری روح میں اتر گئی اور میں نے ان الفاظ پر غور کیا جو سرگوشی میں ابھرے تھے۔ میں سوچنے لگا۔ بے شک تیجا ہندو ہے۔ اگر وہ مجھے کھانے کے لیے کچھ دیتا تو وہ کوئی اور چیز ہوتی۔ پھر یہ میری غیبی امداد ہے۔ میں نے دل ہی دل میں خدا سے مدد مانگی میں نے کہا۔ پروردگار اگر یہ بھی اس ناپاک انسان کی سازش ہے تو اس گوشت کو متعفن کر دے۔ اسے کریہہ بنا دے اس میں کیڑے ڈال دے تاکہ میں اس سے گھن کھانے لگوں۔ میں بھوک سے جان دینا پسند کرتا ہوں، لیکن اس کے اشاروں پر چلنے کے لیے تیار نہیں ہوں اگر یہ تیرا عطیہ ہے تو اسے یونہی رہنے دے۔ نجانے کیوں مجھے یقین تھا کہ میری دعا قبول ہو جائے گی۔ میں اسے دیکھتا رہا اور گوشت سے سوندھی سوندھی خوشبو اٹھتی رہی۔ میں اس کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے اسے کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھی اور پھر گوشت کھانے لگا۔ میں اسے قدرت کا عطیہ سمجھ کر کھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں شکم سیر ہو گیا۔ میری قوتیں واپس آ گئیں اور میرے دل میں ایک نیا عزم پیدا ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے جو کچھ کھایا ہے وہ نجس نہیں ہے۔ بہرحال اس نئی قوت کے حصول کے بعد مجھے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھنا تھا۔ اب اگر دو تین دن تک کھانے کو کچھ نہ ملتا تو مجھے فکر نہیں تھی۔ کم از کم اس وقت تو میں یہاں سے نکلنے کی کوشش کر سکتا تھا اور میں اس کے لیے تیار ہو گیا۔ میں نے اس پورے غار کا چکر لگایا، لیکن مجھے کوئی راستہ نظر نہیں آیا میں نے تمام دیواروں کو ٹھونک بجا کر دیکھا، لیکن کوئی صورت نہیں تھی۔ کئی گھنٹے تک میں کوشش کرتا رہا اور ایک بار پھر میں اس روشن کمرے سے تاریکی میں نکل آیا۔ ممکن ہے یہاں سے باہر جانے کا راستہ کوئی اور ہو، لیکن نجانے کتنے گھنٹے کے بعد بھی ناکام رہا۔ ایک بار پھر ناکامیوں نے مجھے گھیر لیا۔ میں سوچنے لگا شاید میری زندگی کی شام اسی غار میں ہو جائے اور اس تصور کے ساتھ ہی میرے دل میں ہوک سی اٹھی۔ مجھے وہ حسین شکل یاد آ گئی جو مکڑی کے جالے میں موجود تھی۔ کاش میں اسے زندہ دیکھ سکتا۔ میرا دل اس قدر بے چین ہوا کہ میں اس مجسمے کو دیکھنے کے لیے واپس پلٹ آیا اسے دیکھ کر میرے دل کو سکون ملتا تھا۔ غار میں راستہ تلاش کرتے ہوئے میں نے اس کمرے کا راستہ ذہن میں رکھا تھا، لیکن واپسی میں اس راستے کو تلاش نہیں کر سکا مجھے انتہائی کوشش کے بعد بھی وہ راستہ نہ ملا جس کے دوسری

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

طرف کمرہ تھا اور جس کمرے میں وہ حسین بت موجود تھا اور اس نئی افتاد پر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ کاش میں وہاں سے باہر نہ آتا۔ آہ، اب میں اسے کہاں تلاش کروں اور زندگی میں پہلی بار میں اپنی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میری ہچکیاں بندھ گئیں اور کافی دیر تک میں روتا رہا۔ ایک بار پھر میں روشنی سے محروم ہو گیا۔ میں تھک گیا تھا۔ جسم میں اینٹھن سی رہی تھی۔ میں وہیں زمین پر لیٹ گیا اور نیند نے کچھ دیر کے لیے تفکرات سے بے نیاز کر دیا۔ میں سوتا رہا اور پھر نجانے کیوں میری آنکھ کھل گئی۔ تاریکی اور گہری ہو گئی تھی مجھے یقین تھا کہ اگر اس تاریکی میں چند روز اور گزارنے پڑے تو میں بصارت کھو بیٹھوں گا، لیکن اچانک مجھے کچھ روشنی محسوس ہوئی۔ ایک روشنی کی کرن دور سے محسوس ہو رہی تھی۔ میں اچھل پڑا اور دوسرے ہی لمحے میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے قدموں کی چاپ سنی اور روشنی تیز ہوتی گئی۔ اب مجھے ایک عظیم الشان غار کی دیواریں نظر آ رہی تھیں اور پھر میں نے ایک پیکر نور دیکھا۔ ایک روشن ہیولا۔ جو مجھ سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ بلاشبہ وہ انسانی پیکر تھا، لیکن اس کے خدوخال نہ تھے البتہ روشنی کا لباس پہنے ہوئے کوئی نسوانی جسم تھا پھر اس جسم نے ہاتھ بلند کیا اور مجھے اس طرح اشارہ کرنے لگا جیسے مجھے اپنے پاس بلانے کا اشارہ کر رہا ہو۔ میں بے اختیار اچھل پڑا اور روشن سایہ مجھ سے ہی اتنا ہی فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے چل پڑا۔ میں اس کی روشنی میں زمین دیکھ سکتا تھا، پتھر دیکھ سکتا تھا جن سے مجھے ٹھوکر لگ سکتی تھی اور میں بے تکان اس کے پیچھے جا رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ بس میں چل رہا تھا اور ہم اس طویل سرنگ میں چلتے رہے یہاں تک کہ میری ٹانگیں شل ہو گئیں اور پھر اچانک مجھے تیز روشنی نظر آئی۔ یہ روشنی ایک دوسری شکل میں تھی۔ اس تیز روشنی سے میری آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔ ایک لمحے کے لیے میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر دوبارہ کھولیں تو وہ روشنی ہیولا غائب تھا۔ البتہ روشنی کا دائرہ بدستور موجود تھا اور اس سے تیز روشنی چھن رہی تھی۔ میں نے اپنے پیچھے سے اس روشن ہیولے کو تلاش کیا، لیکن وہ مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ تب میں اس روشن دائرے کی طرف بڑھ گیا اور مجھے تازہ ہوا کے جھونکے محسوس ہو رہے تھے اور بہت جلد ہی مجھے محسوس ہو گیا کہ وہ روشن دائرہ دراصل غار کا دہانہ ہے۔ یہ اندازہ لگا کر میں اس غار سے باہر نکل سکتا تھا۔ میں سب کچھ بھول گیا اور دیوانہ وار اس دہانے کی

طرف لپکا..... اور نجانے کتنے دن کے بعد میں نے سورج کی روشنی دیکھی۔ میں دہانے سے باہر نکل آیا۔ باہر چمکدار دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ دھوپ مجھے بے حد خوشگوار لگ رہی تھی۔ میں دہانے سے نکل کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور دھوپ سینکتا رہا پھر میں وہاں سے آگے بڑھا اور اس بڑی چٹان کے پیچھے سے دوسری طرف آ گیا جس نے اس غار کے دہانے کو پوشیدہ کیا ہوا تھا۔ دوسری طرف دیکھ کر میں خوش ہو گیا۔ ایک چٹیل میدان کے دوسرے طرف پر مجھے جھونپڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ یقیناً کوئی بستی ہے پھر میں نے دائیں بائیں نگاہ دوڑائی اور حیران رہ گیا۔ یہ تو کوئی جزیرہ تھا۔ چاروں طرف سمندر پھیلا ہوا تھا۔ جزیرہ زیادہ بڑا نہ تھا پھر وہ طویل سرنگ کہاں سے آئی تھی جس میں سے گزر کر میں یہاں آیا تھا۔ کافی دیر تک میں غور کرتا رہا اور پھر ہنس پڑا۔ میرا غور و خوض حماقت نہیں تو اور کیا تھا میں شیطانی چکر میں پھنسا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں جو کچھ بھی ہوتا وہ کم تھا۔ پھر حیرانی کیسی۔ ایک اونچے پتھر پر چڑھ کر میں بستی کی طرف دیکھنے لگا۔ میں اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ یہ کونسا علاقہ ہے اور یہاں سے میرا مطلب ہے اس جزیرے سے میرے نکلنے کے کیا امکانات ہو سکتے ہیں۔ میں نے چند بچوں کو دیکھا جو گلی ڈنڈا کھیل رہے تھے۔ گلی ڈنڈا میرے ذہن نے سوچا۔ یہ کھیل تو میرے وطن میں کھیلا جاتا ہے۔ ممکن ہے اس علاقے کے لوگ بھی اس کھیل سے واقف ہوں۔ نجانے وہ اس کھیل کو کیا کہتے ہوں، لیکن یہ بچے بھی میرے وطن کے سے تھے۔ چند لڑکے قمیض اور پاجامہ پہنے ہوئے تھے، چند جانگیوں میں تھے۔ یہ جو کوئی بھی ہیں ہمارے وطن کے طرز رہائش سے بہت زیادہ مطابقت رکھتے ہیں۔ بہرحال ان کے پاس چلنا چاہئے۔ ممکن ہے یہ یہاں سے نکلنے میں کوئی مدد کر سکیں۔ میں ان کی طرف چل پڑا اور چٹیل میدان عبور کر کے جھونپڑیوں کے نزدیک پہنچ گیا۔ میرے جسم پر ہندو راج کماروں کا لباس تھا، بچوں کے لیے شاید یہ عجیب تھا اس لیے وہ اپنا کھیل بھول کر مجھے دیکھنے لگے۔ بالآخر میں بچوں کے قریب پہنچ گیا۔ ان کا رنگ اور خدوخال دیکھ کر میں پھر الجھن میں پڑ گیا یہ خدوخال بھی میرے ملک کے باشندوں کے سے تھے۔ میں نے ایک بچے کو جو ان سب سے بڑا تھا اشارہ کیا اور بچہ میرے قریب آ گیا۔

کیا تم میری زبان سمجھ سکتے ہو بیٹے!"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور بچہ حیرانی سے میری شکل دیکھنے لگا۔

شاید وہ میرے الفاظ نہیں سمجھ سکا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔ اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ بچے کی سمجھ میں میری بات نہ آئی ہو۔

"جنید" بچے نے جواب دیا اور میں مسرت سے اچھل پڑا۔ یقیناً یہ میرا وطن ہے۔ میرے لیے طویل مسافت ختم ہو گئی تھی اور میں اپنے ہی وطن میں تھا۔ میرے دل میں کیسے کیسے وسوسے تھے۔ نجانے مجھے اپنے وطن تک کی مسافت میں کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن یہ تمام مرحلہ کتنی آسانی سے طے ہو گیا۔ کیسے ہو گیا۔ اس بارے میں مجھے سوچنے کی ضرورت ہی نہیں تھی چونکہ میں جن طلسمات میں پھنسا ہوا تھا اس کو سامنے رکھتے ہوئے اب دنیا کی کوئی بات میرے لیے عجیب نہیں رہی تھی۔

"تمہارے باپ کا نام کیا ہے" "صابر علی"

"خوب تمہارا باپ کیا کرتا ہے"

"مچھلیاں پکڑتا ہے" بچے نے جواب دیا اور تو یہ مچھیروں کی بستی ہے میں نے اس خیال کی تصدیق کرنے کے لیے دوسرے مچھیرے سے پوچھا۔

"تمہارا باپ بھی مچھلیاں پکڑتا ہے بیٹے۔"

"ہاں۔"

"تمہارے اس جزیرے کا نام کیا ہے" میں نے پوچھا۔

"نتھیال" بچے نے جواب دیا اور میں نے اپنے ذہن پر زور دیا یہ نام میں نے اپنے وطن میں سنا تھا۔ مگر یہ جزیرہ کہاں ہے۔ "نتھیال..... نتھیال مجھے یاد نہ آ سکا تو میں نے بچے سے ایک اور سوال کیا۔ "تمہارے ابو مچھلیاں بیچنے کہاں جاتے ہیں بیٹے۔"

"رام پور" بچے نے جواب دیا۔

"اوہ رام پور..... میں خوشی سے اچھل پڑا۔ مجھے یاد آ گیا۔ نتھیال کہاں ہے ایک دفعہ یہ جزیرہ طوفان میں پھنس گیا تھا اور یہاں بڑی ہلاکت ہوئی تھی۔ اس لیے میں نے اس کا ذکر اخبارات میں پڑھا تھا۔ مجھے علم تھا کہ یہ کہاں ہے اور پھر ظاہر ہے۔ یہ مچھیرے مچھلیاں پکڑ کر رام پور جاتے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ رام پور زیادہ دور نہیں

تھا۔ ابھی میں بچے کے پاس کھڑا اس سے بات چیت ہی کر رہا تھا کہ ایک نوجوان عورت جھونپڑیوں کے درمیان سے نکل آئی اور مجھے حیرت سے دیکھنے لگی۔ وہ ایک خوبصورت مچھیرن تھی۔ پھر وہ چند قدم آگے بڑھ کر میرے پاس آ گئی۔

"کون ہو تم" اس نے کہا۔

"ایک مصیبت زدہ انسان ہوں کیا آپ میری مدد کریں گی۔" میں نے پوچھا۔

"یہاں کیسے آ گئے" عورت نے دوسرا سوال کر دیا۔ اور میں ایک لمحے کے لیے چکرا گیا۔ اس کے اس سوال کا کیا جواب دوں۔ ظاہر ہے میرا صحیح جواب اس کی سمجھ میں نہیں آ سکے گا اور نجانے وہ میرے بارے میں کیا سوچے۔ اس لیے اس وقت جھوٹ کا سہارا ہی مناسب معلوم ہوا۔

"بس بوٹنگ کرتا ہوا ادھر آ نکلا تھا۔ میری کشتی الٹ گئی.....

ادھر آ نکلا۔" "کشتی الٹ گئی تھی" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں۔"

"کب الٹی تھی۔"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے اس ساحل پر" میں نے یونہی ایک طرف اشارہ کر دیا۔

"خشکی میں الٹی تھی" وہ بولی اور ہنس پڑی۔

"تمہارے کپڑے تو خشک ہیں" وہ شرارت سے بولی اور میں بوکھلا کر اپنے کپڑوں کو دیکھنے لگا۔ جلد بازی میں جھوٹ بھی ایسا بولا تھا جو چل نہ سکے۔ چنانچہ میں کھسیانے انداز میں ہنس پڑا۔

"خیر مجھے کیا آؤ، چاچا کے پاس چلو۔ وہی تمہاری مدد کرے گا" اس نے کہا اور میں اس کی بات کو غنیمت جان کر اس کے ساتھ چل پڑا۔ عورت کافی خوبصورت تھی اگر تعلیم یافتہ اور اچھے طبقے کی ہوتی تو بے مثال تھی۔ بہرحال میں اس کے ساتھ ایک جھونپڑے کے سامنے پہنچ گیا۔ جھونپڑے کے سامنے ایک چھپر پڑا ہوا تھا جس کے نیچے ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی اور ایک قوی ہیکل مچھیرا چارپائی پر دراز حقہ گڑگڑا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے حقہ کی "نلی" منہ سے نکالی۔

"یہ کوئی مصیبت زدہ ہے چاچا" بچوں سے باتیں کر رہا تھا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"آؤ بیٹھو..... بوڑھے لیکن تنومند مچھیرے نے مجھے چارپائی پر جگہ دیتے ہوئے کہا اور میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

"کہاں سے آئے ہو"

"میں رام پور سے آیا ہوں" میں نے دوسرا جھوٹ بولا اور عورت بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے گھورنے لگی۔

"ادھر کیسے آ نکلے یہ تو مچھیروں کی بستی ہے"

"بس چاچا..... دوستوں نے مذاق کیا ہے بڑے ذلیل ہیں میرے دوست مجھے کشتی میں بیٹھا کر یہاں لائے اور پھر ساحل پر اتار کر بولے کہ میں یہاں کی سیر کروں وہ ابھی واپس آ رہے ہیں اور پھر وہ مجھے یہاں چھوڑ کر بھاگ گئے۔" میں نے کہا اور عورت کی نظروں سے نظریں چرا لیں۔ وہ زیر لب مسکرا رہی تھی۔

"ہندو دھرم سے تعلق رکھتے ہو۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"نہیں جی، مسلمان ہوں خدا کے فضل و کرم سے!" میں نے جلدی سے کہا اور بوڑھا چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ عورت کی آنکھوں میں حیرانی نظر آئی اور پھر بوڑھے نے تعجب خیز انداز میں کہا۔

"لیکن تمہارا لباس تو ہندوؤں جیسا ہے۔"

"یہ بھی انہی کمبخت دوستوں کی شرارت ہے۔ ان میں میرا ایک دوست ہندو بھی تھا۔ اس نے زبردستی اپنا لباس مجھے پہنا دیا۔ ویسے میں مسلمان ہوں۔" میں نے بوڑھے کو کلمہ پڑھ کر سنایا تو اسے فوراً یقین آ گیا۔

"عجیب دوست تھے تمہارے کہیں انہوں نے تمہارے ساتھ دشمنی تو نہیں کی....."

نہیں صرف شرارت کی ہے واپس جا کر انہیں مزہ چکھا دوں گا۔" میں نے کہا اور بوڑھا ہنسنے لگا پھر بولا۔

"چائے پیو گے"

"چائے....." میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بوڑھے نے عورت سے کہا۔

"نسیمہ چائے بنا دو" اور عورت موٹی موٹی آنکھوں سے مجھے گھورتی ہوئی اندر

جھونپڑی میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے میلے کچیلے پیالوں میں ہم دونوں کو چائے لا کر دے دی اور میں چائے پینے لگا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو بیٹے!"

بوڑھے نے پوچھا۔ "مجھے رام پور تک پہنچوا دیں چاچا بڑا شکر گزار رہوں گا۔"

"آج یہیں رہو بیٹے! پرویز مچھلیاں لے کر رام پور گیا ہوا ہے۔ ہم لوگ رات کو مچھلیاں پکڑتے ہیں اور صبح انہیں بیچنے رام پور چلے جاتے ہیں۔ کل جب پرویز مچھلیاں لے کر جائے گا تو تم اس کے ساتھ چلے جانا۔" بوڑھے نے کہا اور میں مجبور ہو گیا۔ میں ان لوگوں کو اور کسی طرح مجبور بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال بوڑھے کے ساتھ بیٹھا رہا۔ کچھ اور لوگ بھی بوڑھے کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور بوڑھا ہنس ہنس کر انہیں میرے بارے میں بتانے لگا۔ سیدھے سادھے لوگ تھے وہ میری فرضی دوستی کی شرارت پر ہنسنے لگے اور میں بیٹھا بور ہوتا رہا۔ عورت کبھی کبھی آ کر مجھے دیکھ لیتی۔ وہ بہت شریر معلوم ہوتی تھی، لیکن صرف شریر..... میں نے..... اس کی آنکھوں میں بے حیائی نہیں دیکھی..... وقت گزرتا رہا اور پھر شام ہو گئی..... سورج چھپنے سے پہلے بوڑھے کا بیٹا اور نسیمہ کا شوہر آ گیا۔ لمبا، تڑنگا، تیز اور چالاک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے گرمجوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا، نجانے کیوں میں نے اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار محسوس کیے۔ بہرحال وہ اندر چلا گیا اور کافی دیر تک باہر نہ نکلا۔

میں اس بوڑھے سے بات چیت کرتا رہا۔ رات کو میں نے بوڑھے اور اس کے بیٹے کے ساتھ کھانا کھایا۔ ساگ اور مکئی کی روٹی کتنی لذیذ معلوم ہوئی اس کے بارے میں میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہاں کے ایک ایک ذرے سے اپنائیت ٹپک رہی تھی۔ رات کو بوڑھے نے میرے سونے کے لیے اپنے قریب ہی چارپائی بچھائی تھی اور میں اس کے نزدیک میلے کچیلے بستر پر لیٹ گیا۔ نسیمہ اور بوڑھے کا لڑکا اندر جھونپڑی میں تھے۔ بہت عرصے کے بعد آرام دہ چارپائی ملی تھی۔ مجھے بہت جلد نیند آ گئی..... اس وقت رات کا نجانے کیا بجا ہو گا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے بوڑھے کی آواز سنی۔

"کیا ہے شبیر..... کیا بات ہے۔"

"اندر تو آؤ چاچا..... کچھ بات کرنی ہے۔" نوجوان نے کہا اور بوڑھا حیرت

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور دونوں اندر جھونپڑی میں چلے گئے اور نجانے کیوں مجھے کریدسی پیدا ہوگئی۔ میں دبے پاؤں اٹھا اور ایک حصے میں پہنچ گیا جہاں سے میں اندر کی گفتگو سن سکوں اندر لالٹین روشن تھی اور بوڑھا، اس کا بیٹا اور بہو ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔

"یہ کیا ہے" کیا دکھا رہا ہے مجھے" بوڑھے نے کہا۔

"آہستہ بولو چاچا..... غور سے دیکھو..... یہ تصویر ہے۔ ایسی تصویریں دیواروں پر لگی ہوئی تھیں۔ باہر اکھاڑ لایا تھا کسی دیوار سے۔ یہ تصویر ایک خونی کی ہے جو جیل سے نکل بھاگا تھا اور اس کی گرفتاری پر پانچ ہزار روپے انعام ہے۔ غور سے دیکھو چاچا ہمارا مقدر کھلنے والا ہے۔ یہ وہی ہے جو باہر سو رہا ہے۔"

"کیا....." بوڑھا اچھل پڑا۔ ہاں چاچا یہ وہی خونی ہے یقین کرو جب میں اس سے ہاتھ ملا رہا تھا تو میں نے اس کی شکل دیکھی تھی اس وقت مجھے یاد نہ آ رہا تھا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا ہے۔ پر میں دماغ لڑاتا رہا مجھے یاد آ گیا کہ میں نے اس کی تصویر کہاں دیکھی تھی۔ یہ پرچہ میں نے ایسے ہی صندوق میں بچھا لیا تھا جس وقت بابر نے مجھے بتایا تھا۔ میں نے اسی وقت خدا سے دعا مانگی تھی کہ اگر یہ خونی مجھے مل گیا تو مزے آ جائیں گے۔ مجھے نہیں معلوم تھا چاچا کہ میری یہ دعا ایسی قبول ہو جائے گی۔

"مگر وہ تو مہمان ہے ہمارا" بوڑھے نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"پر وہ خونی ہے چاچا۔ اگر پولیس کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ہم نے اسے اپنے گھر پناہ دی ہے تو وہ ہمیں سالوں گھسیٹے گی اور اس کو پولیس کے حوالے کر دینا ہی بہتر ہے۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے بیٹا، وہ خونی ہے، اس کے لباس میں کوئی چھرا وغیرہ نہ ہو۔"

"ارے فکر مت کرو چاچا، تمہارا بابر کمزور نہیں ہے۔ دیکھ لوں گا سالے کو۔"

"مگر تو اسے پکڑے گا کیسے۔"

"بس سوتے میں میں اور تم مل کر ہاتھ پاؤں باندھ دیں گے اور صبح کو دونوں مل کر اسے رام پور لے جائیں گے۔"

جیسے تیری مرضی، شکل سے سیدھا نظر آئے ہے بیٹے۔ نجانے کیوں مجھے کچھ ہو

رہا ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"تم تو ہو ہی نرم دل چاچا۔ کیوں نسیمہ پانچ ہزار مل جائیں گے تو مزے نہیں آ جائیں گے۔" اس نے اپنی بیوی سے پوچھا۔

لیکن بیوی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے ملک کی حکومت نے میرے لیے انعام مقرر کیا ہے۔ یہ معصوم لوگ دولت حاصل کرنے کے چکر میں تھے، مجھے ان پر غصہ نہیں آ رہا تھا لیکن میں سوچ رہا تھا کہ میں اب کیا کروں۔ یہاں بھی میرے لیے مصیبت پیدا ہو گئی ہے۔ میں کیسے رام پور جاؤں۔ میں خاموشی سے جھونپڑی کے پاس سے پلٹ کر پلنگ پر آ گیا۔ دل سخت پریشان تھا۔ قوی ہیکل بوڑھا اور اس کا بیٹا بہت تندرست تھا۔ وہ دونوں مل کر با آسانی مجھے قابو میں کر سکتے تھے چنانچہ ان کے آنے سے قبل ہی کچھ سوچ لینا چاہئے۔ لیکن اگر میں نے فرار ہونے کی کوشش کی تو وہ شور مچا دیں گے اور اس جزیرے سے نکل کر بھاگنا آسان نہیں ہے اس سے پہلے کہ میں کوئی فیصلہ کرتا وہ دونوں باہر نکل آئے اور میں خاموش پڑا رہا۔ بابر نے قریب آ کر مجھے غور سے دیکھا۔ بوڑھا کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ میں نے آن کی آن میں ایک فیصلہ کیا اور پلنگ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں اچھل کر پیچھے ہٹ گئے تھے میں چارپائی سے کھڑا ہو گیا اور پھر میں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"محترم بزرگ میں آپ دونوں کی باتیں سن چکا ہوں۔ کاش میں آپ کے کام آ سکتا۔ بے شک میں نے خون کیا ہے۔ لیکن مجبوری کی حالت میں۔ میں جیل سے بھاگا ہوں قیدی بھی ہوں۔ اگر مجھے ایک اہم کام نہ ہوتا تو بخدا میں اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر دیتا تاکہ آپ کو پانچ ہزار روپے لے کر خوشی ملتی، لیکن محترم بزرگ اور میرے دوست..... میں مجبور ہوں میں ابھی گرفتار ہونا نہیں چاہتا۔ البتہ تم سے ایک وعدہ کر سکتا ہوں۔" میں نے دونوں کی شکل دیکھی وہ سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ بالکل مجرموں کی طرح۔

میں وعدہ کرتا ہوں بزرگ اگر میں اس قابل ہو گیا کہ آپ کو یہ رقم مہیا کر سکوں تو خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ آپ کو یہ رقم پہنچا دوں گا۔"

مگر تم خونی ہو! اگر ہم نے تمہیں نکال دیا تو ہم بھی پھنس جائیں گے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آپ کسی سے کیوں کہتے ہیں کہ میں یہاں آیا تھا۔"

"صبح لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جب میں تمہیں چھوڑنے جاؤں گا۔"

تم مجھے رات کے اندھیرے میں لے چلو، آج مچھلیاں مت پکڑو۔ یہ نیک کام کرو میرے دوست، ممکن ہے تمہیں اس کا بہت بڑا صلہ مل سکے۔"

میں تمہیں ضرور گرفتار کروں گا دیکھوں گا تم میرا کیا بگاڑ لیتے ہو۔"

"بابر" جھونپڑے کے دروازے سے عورت کی آواز سنائی دی۔

"تو ایسا پتھر دل کب سے ہو گیا ہے، بابر قدرت نے ہم کو سب کچھ دے دیا ہے، ہمیں نہیں چاہئے پانچ ہزار، دس ہزار اسے چھوڑ آ جا ابھی چھوڑ آ۔"

تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے نسیمہ۔" لڑکے نے کہنا چاہا۔

"دماغ تیرا خراب ہو گیا ہے جو گھر آئے مہمان کو پولیس کے حوالے کر رہا ہے۔ دولت تو آنی جانی چیز ہے اس کی زندگی بچ جائے تو ہمیں سب کچھ مل جائے گا۔ جا بابر اسے چھوڑ آ ورنہ میں ساری زندگی بات نہیں کروں گی تجھ سے۔" عورت کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔ بابر اس کی شکل دیکھنے لگا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے تم سب کی یہی مرضی ہے تو یہی سہی۔ کیوں چاچا!"

"ہاں بیٹا..... چھوڑ آ بیچارے کو، خدا سب سے خود ہی نمٹ لیتا ہے۔ اگر اس نے کسی بے گناہ کا ناحق خون کیا ہے تو خدا اسے نہیں چھوڑے گا اور اگر یہ سچا ہے تو اس کی جان بچ جائے گی جا چھوڑ آ۔ اللہ ہمیں کہیں اور سے دے گا۔"

"اچھا چاچا..... آؤ دوست، صبح ہونے سے پہلے تمہیں چھوڑ آؤں۔ ورنہ دوسرے لوگ دیکھ لیں گے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور بابر کے ساتھ ساحل پر چل پڑا ایک چھوٹی سی کشتی میں ہم دونوں بیٹھ گئے اور بابر نے اپنے ہاتھوں میں پتوار سنبھال لیے اور پھر کشتی لہروں پر ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ چاند نکلا ہوا تھا سمندر جوان تھا ہم آگے بڑھتے رہے رام پور میرے انداز سے کہیں قریب تھا۔ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد ہی رام پور کی روشنیاں نظر آنے لگیں میں نے کشتی کھینے میں بابر کی مدد کرنا چاہی تو اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"رہنے دو بابو..... ہم تو عادی ہیں۔ تمہارے ہاتھ تھک جائیں گے، مگر تم نے خون کیوں کیا تھا اور پھر جیل سے کیسے بھاگے۔

"سچ پوچھو تو بابر میں نے کوئی خون نہیں کیا اور اگر غور کیا جائے تو میں نے کئی خون کیے ہیں۔ جیل سے نکل بھاگنے میں میرا کوئی دخل نہیں رہا ہے۔ بس حالات میرے لیے راستہ بناتے رہے ہیں اور اب میں مزید حالات کا منتظر ہوں۔ شاید میری قسمت میں بچ جانا لکھا ہوا ہے ورنہ تم ہی مجھے پولیس کے حوالے کر دیتے۔ ممکن ہے میری آنکھ نہ کھلتی یا پھر ممکن ہے تم اپنی بیوی کی بات نہ مانتے۔"

"کیسے نہ مانتا بابو۔ نسیمہ تو میری زندگی ہے جو کچھ کرتا ہوں اس کے لیے تو کرتا ہوں۔ جب وہی ناخوش تھی تو مجھے سالی دولت کا کیا کرنا تھا۔"

میں خاموش ہو گیا مزید ایک گھنٹے کے بعد ایک ساحل پر پہنچ گئے اور بابر نے مجھے ساحل پر اتارتے ہوئے مجھ سے مصافحہ کیا۔

"اچھا بابو..... اجازت دے، خدا تجھے نئی زندگی دے۔"

"شکریہ بابر..... ویسے مجھے اپنا وعدہ یاد رہے گا۔ ممکن ہے میں تمہیں وہ رقم دے دوں جو تم نے میرے لیے ٹھکرا دی ہے۔"

"اللہ مالک ہے بابو" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"یہاں سے شہر کتنی دور ہے" میں نے اس سے کہا۔

"ارے بس ایک میل سے زیادہ نہ ہو گا، وہ روشنیاں نظر آ رہی ہیں نا ماہی گیری کے لیے یہی ساحل ہے ورنہ میں تم کو بندرگاہ پر اتارتا۔ وہاں سے شہر بالکل قریب ہے۔" بابر نے جواب دیا۔

"نہیں بابر شکریہ میں چلا جاؤں گا۔" اور ایک دفعہ اور اس سے گرمجوشی سے مصافحہ کر کے چل پڑا۔ چاند اپنا فاصلہ طے کر چکا تھا اور چاندنی پھیکی پڑتی گئی تھی۔ روشنی ہونے سے پہلے رام پور کے علاقے میں داخل ہو گیا تھا۔ مجھے علم ہو گیا تھا کہ پولیس کو آج تک میری تلاش ہے۔ اس لیے اپنی حفاظت کرنا بھی ضروری تھا۔ میرا لباس عجیب تھا میں چاہتا تھا کہ کسی طرح اس لباس سے چھٹکارا حاصل کر لوں، لیکن اب یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ یہ سب کچھ تو نوید کے دم سے تھا اب تو میں دو وقت کی روٹی کے لیے پیسے بھی حاصل

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نہیں کرسکتا تھا۔ پھر کیا کروں۔ میرے راجکماروں جیسے لباس سے تو لوگ میری طرف متوجہ ہو جائیں گے میں پریشان گھومتا رہا۔ شہر کے بازار سنسان پڑے تھے کہیں آوارہ کتے بھونکتے نظر آ جاتے تھے، لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ کوئی کتا مجھے دیکھ کر نہیں بھونکا اور میں چلتا رہا یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ لوگ ادھر ادھر آ جا رہے تھے اور میں ان کی نظریں دیکھ رہا تھا میں اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ انہوں نے میرے لباس کو دیکھ کر کیا اثر لیا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ کوئی بھی میری طرف توجہ نہیں دے رہا تھا۔ کسی نے مجھے خاص طور سے نہیں دیکھا تھا۔ جب میں چلتے چلتے تھک گیا تو سڑک کے درمیان ایک گھاس کے بنے ہوئے قطعہ پر بیٹھ گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں پہلے میں اپنے پوشیدہ کرنے کا انتظام کروں یا..... حالات کو اسی طرح چلنے دوں۔ پھر میں نے ایک فیصلہ کر لیا مجھے بہت جلد شمع گڑھ پہنچ جانا تھا جتنی دیر لگاؤں گا اتنی ہی الجھنیں بڑھیں گی۔ اس خیال کے تحت میں نے سٹیشن جانے کی ٹھان لی۔ ایک جگہ میں نے ایک راہ گیر کو روک کر پوچھا۔

''بھائی جان سٹیشن کو کون سا راستہ جاتا ہے'' لیکن کوئی خر دماغ آدمی تھا یا پھر جلدی میں تھا اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور آگے بڑھ گیا میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آگے بڑھتا رہا۔ راستے میں میں نے ایک تانگے والے کو روک کر راستہ پوچھنا چاہا مگر تانگے والا نرا جنگلی تھا اگر میں خود ہی راستے سے نہ ہٹ جاتا تو وہ تانگہ میرے اوپر چڑھا دیتا میرا دل چاہا کہ تانگے والے کو روک کر تین چار گالیاں دوں، لیکن پھر میں نے اسے معاف کر دیا۔ ایک چوراہے پر میں نے تختیاں لگی دیکھیں جو مختلف سمتوں کا راستہ بتاتی تھیں اور انہی میں سے ایک تختی پر سٹیشن روڈ بھی لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ میں اس اس کی سیدھ میں چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد سٹیشن پہنچ گیا، لیکن یہاں ایک خاص خیال سوہان روح تھا میرے پاس پیسے تو بالکل نہیں تھے۔ ٹکٹ کہاں سے لوں گا۔ بغیر ٹکٹ..... نجانے کتنے مسافر بغیر ٹکٹ سواری کرتے ہیں..... جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں گاڑیوں کے چارٹ میں ٹرینوں کے اوقات دیکھنے لگا۔ ایک ٹرین ٹھیک نو بجے یہاں پہنچتی وہی ٹرین شمع گڑھ ہوتی جاتی تھی۔ میں ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ پلیٹ فارم پر چائے کے سٹال لگے ہوئے تھے۔ میرا دل چاہا کہ میں چائے پیوں، لیکن پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ میرے پاس بالکل پیسے نہیں تھے۔ ناشتہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

خدا خدا کر کے نو بجے اور پھر سٹیشن پر ٹرین کے آنے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ بالکل مسافر نہ تھے میرے علاوہ اکا دکا مسافر ٹہل رہے تھے۔ ٹرین آ گئی اور میں تھرڈ کلاس کے ایک ڈبے میں سوار ہو گیا۔ کافی مسافر بھرے ہوئے تھے، لیکن ایک کونا خالی مل ہی گیا اور میں بیٹھ گیا۔ کبھی میں بھی ایک باعزت اور باوقار آدمی تھا۔ مجھے ایسے جرائم سے سخت نفرت تھی جس سے انسان خواہ مخواہ ذلیل ہو، لیکن اب تو میری کوئی حیثیت، کوئی عزت نہیں تھی۔ جس کا دل چاہے مجھے جوتے مار سکتا تھا۔ میں تقدیر پر شاکر ہو کر بیٹھا رہا۔ ٹرین چند منٹ رکی اور پھر وسل دے کر آگے بڑھ گئی۔ کئی گھنٹے گزر گئے کئی سٹیشن آئے اور گزر گئے مسافر چڑھتے اور اترتے رہے اور میں سہما بیٹھا رہا، لیکن کسی نے مجھ سے تعرض نہیں کیا۔ اب میرے جانے پہچانے مناظر شروع ہو گئے تھے۔ یہ میرا وطن تھا میرا دیس۔ مجھے اس سے کیسی محبت تھی میں اس پر کیسی کیسی کہانیاں لکھتا تھا، لیکن یہ سب کچھ اب مجھ سے کس قدر اجنبی تھا۔ میں اپنے وطن کا مجرم تھا۔ میں اپنے وطن کے انسانوں سے خوفزدہ تھا۔ میری آنکھوں میں نمی آ گئی اور پھر میرا دل دھک سے ہو گیا۔ دروازے سے ٹکٹ چیکر اندر داخل ہو رہا تھا۔ موٹا جسم اور سخت چہرے والا ٹکٹ چیکر! میں نے آنکھیں بند کر لیں جیسے بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ مسافر ٹکٹ دیتے رہے اور وہ انہیں چیک کرتا ہوا میرے پاس آتا رہا۔ میری آنکھیں بند تھیں اور میں گہری گہری سانس لے رہا تھا۔

''ٹکٹ'' ٹکٹ چیکر کی آواز میرے کانوں میں گونجی اور میں گہری گہری سانس لینے لگا۔ میں منتظر تھا کہ اب اس کا ہاتھ میرے گریبان پر پڑے گا وہ مجھے اٹھا کر کھڑا کر دے گا اور پھر کمپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگ میری بے عزتی کا تماشہ دیکھیں گے اور پھر کسی سٹیشن پر مجھے ریل سے اتار کر حوالات میں بند کر دیا جائے گا اور اس کے بعد..... بغیر ٹکٹ سفر کرنے والے کے جرم میں پکڑے جانے والے کے بارے میں معلوم ہو گا کہ وہ تو ایک خطرناک قاتل اور جیل سے مفرور انسان ہے۔ اخبارات سرخیاں لگائیں کہ ایک خطرناک قاتل فرید بڑے ڈرامائی انداز میں گرفتار ہو گیا، لیکن نجانے کیا ہوا ٹکٹ چیکر نے میرا گریبان نہ پکڑا اور نہ ہی اس نے دوبارہ مجھ سے ٹکٹ کا مطالبہ کیا۔ میں نے سہمے ہوئے انداز میں آنکھیں کھول کر دیکھا تب اندازہ ہوا کہ اس نے مجھ سے تو ٹکٹ مانگا ہی نہیں بلکہ میرے برابر بیٹھے ہوئے مسافر کا ٹکٹ دیکھ کر چلا گیا۔ الٰہی کیا ماجرا ہے اس نے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میرے اوپر یہ کرم کیوں کیا؟ اور میرا ذہن الجھن میں پھنسا دیا۔ سفر طے ہوتا رہا جب بھی کوئی ٹی ٹی کمپارٹمنٹ میں آتا میں لرز جاتا کہ ممکن ہے یہ پہلے ٹی ٹی کی طرح مجھے نظرانداز نہ کرے مگر رام پور سے شمع گڑھ کا سفر بخوبی طے ہو گیا مجھے بھوک کے علاوہ کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ شمع گڑھ کے پلیٹ فارم پر میں ریل سے اتر گیا اب آخری مرحلہ اور باقی تھا یعنی ریلوے پھاٹک سے نکلنا، لیکن اس مرحلے پر بھی مجھے کوئی دقت نہ ہوئی۔ گیٹ پر کھڑا ٹکٹ کلکٹر مسافروں کے ٹکٹ وصول کرتا رہا اور جب میری باری آئی تو وہ میرے پیچھے چند قدم پر آنے والے مسافر کو دیکھنے لگا۔ میں اطمینان سے اس کے قریب سے گزرتا چلا گیا میں ان پے در پے پیش آنے والے واقعات پر حیران تھا اور پھر میرے ذہن میں خیال آیا۔ میری شخصیت میں کوئی تبدیلی تو نہیں ہوئی۔ میں نے واقعات کا تجزیہ وہاں سے شروع کیا جب بابر مجھے رام پور چھوڑ کر گیا تھا۔ میں نے لوگوں سے سٹیشن کا راستہ پوچھا، لیکن وہ بے اعتنائی سے میرے پاس سے گزر کر چلے گئے۔ میں نے سٹیشن پر کلرک سے گاڑیوں کے بارے میں پوچھا اس نے بھی کوئی جواب نہ دیا اور پھر ریل میں ٹکٹ چیکروں کا رویہ، اور یہاں سٹیشن پر.....

اوہ..... کہیں ایسا تو نہیں کہ لوگ مجھے دیکھ ہی نہ پا رہے ہوں..... یہ بات قرین قیاس تھی۔ میں جس دور سے گزر رہا تھا اس میں کوئی بات ناممکن نہیں رہی تھی۔ نیکی اور بدی برسرپیکار تھی۔ نیکی کی قوتیں میرا تحفظ کر رہی تھیں اور بدی میرے خلاف نبرد آزما تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا اگر میں تنہا ہوتا تو پتھروں کے طلسم سے کبھی نہ نکل پاتا، لیکن میں نہ صرف وہاں سے نکل آیا تھا بلکہ ایسی جگہ نکلا تھا جہاں سے میری منزل زیادہ دور نہ تھی۔ ورنہ نجانے مجھے کہاں کہاں کے تکلیف دہ سفر کرنا ہوتے۔

اور اب..... جب میرے وطن پر چپے چپے پر میرے دشمن بکھرے پڑے ہیں۔ ہر آن مجھے خطرہ تھا کہ میں کسی بھی لمحے گرفتار کر لیا جاؤں گا۔ مقامی پولیس کو میری تلاش تھی۔ میری گرفتاری پر انعام مقرر تھا۔ میرا تحفظ کرنیوالی قوتوں نے مجھے دنیا کی نگاہوں سے اوجھل کر کے محفوظ کر دیا تھا اس تصور سے میرا دل کئی گناہ بڑھ گیا اور میں نے اپنے اس خیال کو اپنانے کی کوشش کی۔ مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ میں سٹیشن سے کچھ دور ایک چائے خانے کی طرف بڑھ گیا اور پھر چائے خانے میں داخل ہو کر ایک میز کی طرف بڑھ

گیا۔ میں نے بیرے کو آواز دی، لیکن بیرا میری جانب متوجہ نہ ہوا اور نہ ہی قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے میری جانب دیکھا اور پھر میرے اس خیال میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ گیا کہ لوگ مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ پھر اب میں کیا کروں، کھانے پینے کا بندوبست کروں۔ بھوک لگ رہی تھی۔ کھانا میری دسترس سے باہر نہیں تھا۔ اب تو میں جہاں سے چاہتا ہاتھ بڑھا کر کچھ بھی اٹھا سکتا تھا، کسی کو علم نہ ہوتا، لیکن میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا۔ بھوک برداشت کرنا میرے لیے زیادہ مشکل نہ تھا۔ اب تو میں ایسی تکلیفیں اٹھانے کا عادی ہو گیا تھا چنانچہ میں خاموشی سے چائے خانے سے اٹھ آیا۔ بہرحال اب میرے دل سے پولیس کا خوف دور ہو گیا تھا۔ اب تو صرف ایک ہی کام رہ گیا تھا ورنہ پہلے پولیس سے خوف دامن گیر تھا۔ چائے خانے سے نکل کر میں چل پڑا۔ یہ میرا وطن تھا جہاں میں نے جنم لیا تھا۔ جس کی گلی کوچوں میں کھیل کر جوان ہوا تھا جہاں کے سکولوں میں میں نے تعلیم حاصل کی تھی ایک ایک جگہ مانوس تھی۔ ایک ایک جگہ سے مجھے محبت محسوس ہو رہی تھی۔ اگر قسمت کھیل نہ بگاڑ دیتی تو اب یہیں کے کسی بڑے ادارے میں بڑا افسر لگا ہوتا۔

لیکن اب..... اب میں یہاں چوروں کی طرح داخل ہوا تھا اور چوروں کی ہی طرح سڑکوں پر گھوم رہا تھا۔ آپ کسی ایسے شخص کی دل کی کیفیت کا اندازہ کر سکتے ہیں جو اپنے ہی وطن میں اس قدر اجنبی ہو۔ میں کچھ شکلوں کو پہچان رہا تھا انہیں مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔ کیسی عجیب بدنصیبی، کیسی عجیب بے بسی تھی، لیکن یہ بے بسی اب میرا مقدر تھی۔ میرے لیے کسی کو مخاطب کرنا نہ کرنا برابر تھا۔ اول تو میری آواز ہی کوئی نہ سنتا۔ دوسری بات یہ کہ اگر وہ آواز سن سکتے تب بھی یا تو مجھے گرفتار کرانے کے سنہری خواب دیکھتے یا پھر مجھ سے نفرت کا اظہار کرتے کیونکہ ہمارا خاندان اب یہاں کا بدنام ترین خاندان تھا۔ تیجا نے ہمارے لیے جو گڑھے کھودے تھے ان کا پر کرنا ناممکن تھا، لیکن زندگی اسی کا نام ہے۔ کوئی بھی انسان اس دنیا میں پورے وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ اس نے زندگی ہمیشہ اپنی پسند سے گزاری ہے۔ میری بھی داستان اسی طرح کی ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ زندگی کی کیا کہانی ہے۔ تاہم.....

☆.....☆.....☆

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اگر کوئی مجرمانہ ذہنیت کا مالک شخص ہوتا تو اپنی اس حیثیت سے بڑے فائدے حاصل کر سکتا تھا۔ چوریاں ڈاکے ڈال سکتا تھا' لیکن میں تو اپنی ہی مشکل کا شکار تھا۔ میرے تصور میں بھی یہ سب کچھ نہیں آ سکتا تھا بلکہ کچھ ہی دن گزرنے کے بعد میں اپنی اس کیفیت سے شدید بیزار ہو گیا۔ کسی سے کوئی رابطہ ہی نہیں رہا تھا۔ بہت سے ایسے چہرے نظر آئے تھے جن سے کچھ کہنے کو دل چاہتا تھا۔ لیکن وہی نہ کوئی میری آواز سنتا تھا نہ مجھے دیکھ سکتا تھا۔ میں بے بسی سے گردن ہلا کر رہ جاتا تھا اور شدت سے میری یہی خواہش تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے مجھے میرا وجود واپس مل جائے انسانوں میں شمار ہونے لگوں۔ غیر انسانی زندگی کہانیوں کی شکل میں تو دلکش ہو سکتی ہے حقیقت میں اگر کسی سے اس کا واسطہ پڑے تو پھر وہ بتائے کہ وہ زندگی اسے پسند ہے یا نہیں۔ بڑا مشکل مسئلہ ہو گیا تھا۔ آفتاب علی سے بھی ملاقات ہونے کے امکانات نہیں رہے تھے کہ میں اپنی کیفیت اسے بتا کر اسے کہوں کہ بے شک میں وہ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں جس کی ذمہ داری میں نے قبول کی ہے لیکن انسان کی حیثیت سے یہ غیر انسانی عمل مجھ سے ممکن نہیں ہوتا کوئی اگر مجھ پر قابو بھی پا لے تو پا لے جہنم میں جائے لیکن یہ حیثیت مجھ سے برداشت نہیں ہو پا رہی۔ مجھے میری اپنی اصلی شکل واپس دی جائے۔ لیکن مرزا آفتاب کا ملنا بھی ایک ممکن عمل نہیں تھا مجھ پر ایک طرح سے جنون سا طاری ہونے لگا اور اسی عالم جنون میں میں آبادیوں سے نکل آیا۔ آبادیوں میں رہنے کا فائدہ بھی کیا۔ جب انسانوں سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ آہ مجھے کوئی ایسی جگہ درکار تھی۔ جہاں پہنچ کر میں اپنا جسم حاصل کر لوں۔ میں ویرانوں کی طرف سفر کر رہا تھا اور سفر کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے آخر کون سا ایسا ذریعہ ہو جس سے مجھے اپنی اصل حیثیت واپس مل سکے لیکن کچھ سمجھ میں

نہیں آتا تھا۔ ویرانوں میں سر مار رہا تھا کہ کہیں کسی بھی جگہ مرزا آفتاب کا پتہ نشان مل جائے۔ میں اس سے کہوں کہ مرزا آفتاب میں تمہاری ہدایت کے مطابق سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن مجھ سے یہ میرا نادیدہ وجود واپس لے لو۔ مجھے میرا اصل وجود واپس کر دو۔ میں اس میں زندہ نہیں رہ سکتا لیکن نجانے کتنے عرصے تک پاگلوں کی طرح سرگرداں رہا۔ مجھے کوئی ایسا نام و نشان نہیں ملا جسے میں مرزا آفتاب کا نام و نشان کہہ سکوں۔ پھر اس دن تھکن سے چور نڈھال سا ایک ایسی بلند جگہ لیٹا ہوا تھا جو بس ویران ہی کہی جا سکتی تھی۔ چاروں طرف جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ چٹیل چٹانیں جگہ جگہ ابھری نظر آ رہی تھیں اور ان کے درمیان چھوٹے پتھروں کا دیس آباد تھا۔ تھکن ذہن پر اس طرح سوار تھی کہ بس دل نہیں چاہتا تھا کہ آنکھیں کھولوں حالانکہ ابھی رات کا اندھیرا پھیلا تھا بلکہ شام ہی ہو رہی تھی۔ جب بہت دیر تک لیٹنے کے بعد تھکن میں کسی قدر کا احساس ہوا تو گردن اٹھا کر اس طرف دیکھا جس طرف ایک مدھم سی روشنی نظر آئی تھی۔ وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک پوری بستی بسی ہوئی تھی۔ بہت ہی خوبصورت بستی جس کے مکانات بڑے اچھے بنے ہوئے تھے حالانکہ ابھی سورج چھپا ہی تھا لیکن پوری بستی ویران نظر آ رہی تھی۔ کسی انسان کا نام و نشان نہیں تھا گھروں کے چراغ بجھے ہوئے تھے کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں حیرت سے اسی بستی کو دیکھتا رہا۔ نجانے یہ ویران کیوں ہے۔ کیا یہاں لوگ نہیں رہتے یا بستی کے لوگ بستی چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں کیا مصیبت نازل ہوئی اس بستی پر حیرت نے میرے اندر تجسس بیدار کر دیا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بستی کی جانب چل پڑا۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد آخر کار میں اس بستی کے مکانوں کے پاس پہنچ گیا۔ کہیں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی کوئی آہٹ نہیں تھی پھر بھی ایک مکان کے دروازے پر رک گیا اور میں نے زور زور سے دروازے کو بجایا کچھ لمحوں کے بعد ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔

"کون ہے بابا!"

مجھے اطمینان ہوا کہ بستی آباد ہے لیکن جو حالت نظر آ رہی تھی وہ یقینی طور پر کسی خاص وجہ کی بنا پر تھی اور میں یہی وجہ جاننا چاہتا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"باہر آؤ میں ایک مسافر ہوں۔"

میں نے کہا

مسافر مگر اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔

"مسافروں کے لیے آنے کا کوئی وقت مقرر ہوتا ہے۔"

میں نے کہا۔

"جاؤ بابا جاؤ ہم نے مہمان نوازی چھوڑ دی ہے۔ ہم انسان نہیں جانور ہیں۔"

اندر سے آواز آئی۔ اور میں حیرانی سے آنے والی کی آواز سننے لگا۔ دروازہ نہیں کھولا تھا اس نے میں نے پھر دروازے پر زور دار دستک دی تو اس نے کہا۔

"شرم نہیں آتی بابا۔ جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ کرم شاہ سے کہہ دینا کہ اب اس بستی میں کوئی لڑکی باقی نہیں رہ گئی ہے اس گھر میں تو صرف دو زندگی سے بیزار بوڑھے رہتے ہیں۔ جاؤ جس سے دل چاہے معلوم کرلو"

"تم دروازہ کھولتے ہو یا میں دروازہ توڑ دوں۔"

میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ پتہ نہیں کیوں غصہ آگیا تھا۔ کچھ لمحے خاموشی رہی اور اس کے بعد اندر سے دروازہ کھل گیا۔ میرے سامنے ایک کمزور بوڑھا کھڑا ہوا تھا اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سامنے دیکھا اور بولا۔

"ارے یہاں تو کوئی نہیں ہے پھر کون بول رہا تھا۔"

میں خاموشی سے بوڑھے کی شکل دیکھ رہا تھا۔ وہی بے بسی وہی کیفیت ایک بار پھر مجھ پر طاری ہوگئی۔ بوڑھے نے حیرت سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے بابا! ادھر تو کوئی بھی نہیں ہے پھر یہ سوال جواب کون کر رہا تھا۔"

"میں ہی کر رہا تھا۔"

میں نے کہا اور بوڑھا حیرانی سے سر کھجانے لگا پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔

"پر تم ہو کہاں۔"

"بابا! صاحب میں آپ کے سامنے ہی ہوں لیکن آپ مجھے دیکھ نہیں سکتے۔"

"ہیں۔ فرشتے ہو تم کیا۔"

"نہیں بابا صاحب! انسان ہی ہوں۔"

"اگر انسان ہو تو میں تمہیں دیکھ کیوں نہیں سکتا۔ بولے جا رہے ہو کہاں سے بول رہے ہو آخر۔"

"میں نے کہا نا بابا! میں آپ کے سامنے ہی ہوں مجھے اندر آنے کی اجازت دیجئے۔"

"لو بھئی ایک تو نظر نہیں آرہے مذاق کر رہے ہو ہم سے' اور پھر کہہ رہے ہو کہ ہم اجازت دیں۔ ارے تم جدھر سے تمہارا دل چاہے گا اندر گھس آؤ گے ہم کیسے روک لیں گے تمہیں۔ ویسے کوئی جن ہو بھوت ہو آخر ہو کیا۔"

"آپ ذرا پیچھے ہٹیں۔"

میں نے کہا اور بوڑھے کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے کیا اور اندر داخل ہو گی۔ بوڑھے کے حلق سے ایک ڈری ڈری سی آواز نکل گئی تھی۔"

"ارے بھیا! یہ ہاتھ کس نے رکھا ہمارے سینے پر۔"

"میں نے کہا نا بابا صاحب! مجھ سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ نہ میں جن ہوں نہ بھوت ہوں اور نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہوں۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں آپ کو نظر نہیں آسکتا۔"

"تو اب کیا ایسے لوگ بھی پیدا ہونے لگے ہیں جو نظر نہ آئیں۔"

بوڑھے نے کہا اور دروازہ اندر سے بند کر دیا لیکن وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل میں شدید خواہش تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے وہ کم از کم میری شکل دیکھ لے۔ لیکن ظاہر ہے یہ بات اس کے لیے ممکن نہیں تھی۔ جبکہ میں خود بھی یہی چاہتا تھا۔ اندر داخل ہوکر میں نے ایک چھوٹا سا صحن دیکھا اس میں چند درخت ہل رہے تھے۔ درختوں کے نیچے چار پائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ سامنے کچا مکان تھا۔ مکان کے دروازے میں ایک بوڑھی عورت کھڑی تھی جس کے بارے میں یہ اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا تھا کہ وہ اس بوڑھے کی بیوی ہے۔ اندر داخل ہوکر میں نے پورے ماحول کو دیکھا۔ پھر بوڑھے آدمی سے کہا۔

"بابا صاحب! ایک بار پھر میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میری ذات سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"پہنچ بھی گیا تو ہم کیا کرلیں گے بھیا۔ اب تو عادی ہو چکے ہیں۔ جس کا دل چاہے وہ کرے ہمارے ساتھ۔"

"آیئے ان چار پائیوں کی جانب آجایئے میں یہاں آپ کی اجازت سے بیٹھ جاتا ہوں۔" بوڑھی عورت سے دور سے آواز لگائی۔

"کون ہے نظام علی کون ہے آخر کچھ بتاؤ تو سہی۔"

بس اللہ ہی جانے کون ہے تو آدھر آجا۔"

بوڑھے نے کہا غالباً وہ ڈر رہا تھا۔ بوڑھی عورت آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آگئی تو بوڑھے نے کہا۔

"کچھ نظر آرہا ہے تجھے"

"ہاں' درخت نظر آرہا ہے تم نظر آرہے ہو اور تمہارا پاگل پن نظر آرہا ہے میں کہتی ہوں باتیں کس سے کر رہے ہو۔"

"پاگل' اگر یہی تجھے بتا سکتا تو یہ خود نہ جان لیتا۔"

بوڑھے نے کہا اور پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔

"بھائی ! اب یہاں سے بھاگ جاؤ۔ تم جو کوئی بھی ہو نہ تو ہم تمہاری خدمت کرسکیں گے۔ نہ کوئی اور کام کرسکیں گے تمہارے۔ ہم تو کسی قابل ہیں بھی نہیں۔ اگر جان سے مار دو گے تو خاموشی سے مر جائیں گے اور کیا کہیں تم سے۔"

"جو کچھ بھی ہوا ہے تجھے کیا بتائیں۔"

نظام علی نے گہری سانس لے کر کہا۔

"آپ لوگ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ میں ایک بار پھر آپ سے کہتا ہوں کہ میں اس بستی میں اجنبی ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں داخل ہوا ہوں۔ پوری بستی خاموشی اور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گھروں کے چراغ تک بجھے ہوئے تھے۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ اس بستی میں کوئی انسان رہتا ہی نہیں ہے۔ تمہارا دروازہ پہلی بار نظر آیا تو میں اس جگہ آگیا تم میرے ساتھ برا سلوک نہ کرو۔ میں تمہیں کہہ چکا ہوں کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔

"ارے باپ رے باپ۔ یہ کون بول رہا ہے۔"

اس بار بوڑھی عورت نے کہا اور نظام علی بیزار نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا اور مجھے ہنسی آگئی عورت نے نظام علی کو کچھ نہ کہا بلکہ میری ہنسی کو خونفزدہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ پھر بولی۔

"نظام علی لگتا ہے تجھ پر جن ہی آگئے ہیں۔"

"تو آگئی تھی کافی نہیں تھا اور جب تو مجھ پر آگئی تو کسی جن وغیرہ کا دماغ نہیں خراب ہوا ہے کہ وہ مجھ پر آئے گا۔ تجھ سے نمٹنا اس کے لیے بھی مشکل ہوگا۔"

"تو بھاڑ میں جاؤ۔ مجھے کیا پتہ کون بول رہا ہے اللہ جانے۔"

عورت نے کہا اور گھر کے اندرونی حصے کی جانب مڑ گئی تھی۔ نظام علی اب بے بسی کی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا میں نے اس سے کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے نظام علی کہ میں تم سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ کچھ نہیں چاہوں گا۔ دیکھو انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ اب میں تمہاری بستی میں داخل ہوا ہوں تو تم میرے ساتھ جو چاہے ویسے سلوک کرو۔ تھوڑی دیر یہاں رہوں گا پھر واپس چلا جاؤں گا۔ ایک وقت کی روٹی تک نہیں مانگوں گا تجھ سے۔"

"کیسی باتیں کر رہے پر انسان ہو بھی تو سہی۔ کیا انسان کسی کو نظر نہیں آتا۔ یوں سمجھ لو نظام علی اکبر میں ایک ایسی الجھن کا شکار ہو گیا ہوں۔ جس سے میں کسی کو نظر نہیں آسکتا۔ میں یوں سمجھ لو کہ میں جان بوجھ کر ایسا نہیں ہوا ہوں۔ بس ایک مشکل میں گرفتار ہو گیا ہوں ہیں۔"

"ارے کیا واقعی"

نظام علی کے لہجے میں حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔"

"تم سے جھوٹ بول کر کیا لے لوں گا جو حقیقت ہے وہ بتا رہا ہوں۔"

"تب تو بھیا ! بڑی پریشانی کی بات ہے۔ یہ بتاؤ کہ کھاتے پیتے ہو۔"

"ہاں نظام علی کیوں نہیں۔"

"کچھ کھانے کے لیے لائیں تمہارے لیے۔"

"نہیں میں کہہ چکا ہوں کہ میں تمہیں یہ تکلیف نہیں دوں گا۔"

"دیکھو بھائی بات دراصل یہ ہے تم نے خود بھی دیکھ لیا ہوگا اگر تم سچ بول رہے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوتو اور یہ بات اللہ جانے اور تم جانو کہ تم سچ بول رہے ہو یا نہیں۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ تم نے خود بھی دیکھا ہوگا کہ بستی کس بری حالت کا شکار ہے۔ بستی کے رہنے والوں میں زندگی ہی نہیں تھی۔ سب کے سب دکھی ہیں سب کے سب پریشان ہیں۔ تم یہ اندازہ لگا چکے ہو گے۔"

"ہاں! مگر قصہ کیا ہے یہ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"دکھوں کا گھر ہے یہ بستی' بلکہ یہی بستی کیا آس پاس کی آبادیاں بھی دکھوں سے بچی ہوئی نہیں ہیں۔ بس یہ کہا جاتا ہے کہ جب انسانوں کے اعمال بہت زیادہ خراب ہو جاتے ہیں تو ان پر کوئی ایسا جلاد مسلط کر دیا جاتا ہے جو انہیں ٹھیک کر دے بس یوں سمجھ لو کہ اب ہم اسی کیفیت کا شکار ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ تباہی ہر گھر کا نصیب بن گئی ہے۔ وڈیرے کرم شاہ کے آدمی جب اور جہاں جاتے ہیں دندناتے پھرتے ہیں۔ نہ کوئی داغ ہے نہ فریاد ہے حکومت تو وڈیرے کی ہے کس سے کہیں کس نے نہ کہیں۔ کرم شاہ کے آدمی جدھر کا رخ کرلیں تو سمجھ لو تباہی ہی تباہی ہے۔ کرم شاہ تو خیر ہے ہی عیاش آدمی۔ مگر اس کے سپاہی بھی اتنے بگڑ چکے ہیں کہ گھروں سے جوان لڑکیاں پکڑ کر لے جاتے ہیں اور پھر انہیں دوسرا دن دیکھنا نصیب نہیں ہوتا ہے جس گھر میں جاؤ گے لوگ روتے ہوئے ملیں گے۔"

"یہ کرم شاہ کون ہے"

"کہا نا عذاب الٰہی"

تم لوگوں نے اس بارے میں کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا۔"

"جس نے اٹھایا وہ اس دنیا سے ہی اٹھ گیا۔ بس کیا کہیں اور کیا نہ کہیں۔"

"ہوں! ویسے کرم شاہ رہتا کہاں ہے۔"

"رہتا تو آبادی میں ہے مگر اس نے جنگل کو منگل بنایا ہوا ہے اور اس کے برے برے کھیل اسی جنگل میں ہوتے ہیں۔ اب آگئی بات سمجھ میں اگر چاہو تو سیدھے کرم شاہ کے پاس پہنچ جاؤ۔ اس سے کہہ دینا کہ نظام علی نے تمہیں اس کے بارے میں یہ تفصیلات بتائی ہیں پھر نہ تمہیں نظام علی ملے گا اور نہ نظام علی کا جھونپڑا اور لاشیں اسی جھونپڑے میں دفن ملیں گی تمہیں بلکہ ہوسکتا ہے جلی ہوئی ملیں۔"

"ارے نہیں نظام علی! تم مجھ سے یہ توقع کیوں رکھتے ہو کہ میں تمہاری بات کسی کو جاکر بتاؤں گا۔"

"بس تو بھیا بس جو کچھ مجھ سے پوچھ لیا اسی پر ختم کردوں۔ مہربانی ہو گی تمہاری۔"

"تمہارا مطلب ہے میں جاؤں۔"

"نہیں قسم لے لو ایسی کوئی بات دل میں سوچی بھی ہو۔ ٹھہرو کھانا لاتے ہیں تمہارے لیے۔ بالکل تازہ ہے۔"

"ارے نہیں نہیں۔"

"چھوڑو بھیا! اب اتنا بھی برا نہ سمجھو ہمیں کہ کسی کو ایک وقت کا کھانا بھی نہ کھلا سکیں۔ بات کریں گے تم سے لیکن ہمارا ڈر اپنی جگہ پر ہے۔"

"نہیں تم اطمینان رکھو میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ تمہاری بات میرے دل میں رہے گی میں تم سے اور بھی بہت کچھ پوچھوں گا کرم شاہ کے بارے میں اور ایک بات اور کہوں اگر ہو سکا تو تمہیں اس سے نجات دلانے کی کوشش کروں گا کیونکہ تم دیکھ رہے ہو کہ میں عام آدمی کی حیثیت سے سامنے نہیں آرہا۔ ہوسکتا ہے میں اپنی اس حیثیت سے کوئی خاص فائدہ اٹھالوں۔"

بوڑھے نظام علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ اٹھا اور اندرونی گھر کی طرف چل پڑا۔ لیکن میرے پاس سوچنے کے لیے بہت کچھ چھوڑ گیا تھا۔ کرم شاہ وڈیرہ کیا کروا رہا ہے یہ اور کیا اس سلسلے سے میرا بھی کوئی تعلق ہوسکتا ہے۔ بہرحال یہ بات تو طے تھی کہ میں یہاں بے مقصد نہیں آیا تھا۔ جو کام میرے لیے مخصوص کرلیا گیا تھا اس کے لیے مجھے مسلسل راستے بتائے جارہے تھے۔ نظام علی تھوڑی دیر کے بعد لوٹ آیا تو اس کے پاس کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ اس نے وہیں سے مجھے پکارا۔

"بھیا! جو کوئی بھی ہو ہم تمہیں کیا کہیں۔ نام تو بتا دو ہمیں اپنا۔"

"بس نظام علی تم مجھے جو دل چاہے کہو۔"

"پھر ہم تمہیں کا ہو ماہو کہہ لیتے ہیں۔ یہ کھانا لائے ہیں تمہارے لیے کھانا تو کھاتے ہو نا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ہاں کیوں نہیں"

نظام علی کا نام مجھے پسند آیا تھا۔ بیچارہ جو کچھ بھی بن پڑا تھا لے کر آ گیا تھا۔ کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں نے نظام علی سے کہا۔

"تمہاری بیگم میرے بارے میں کیا کہتی ہیں نظام علی صاحب!"

"ارے بھیا! عورت تو عورت ہی ہوتی ہے وہ کیا کہے گی ہم خود بھی حیران ہیں تم اپنے بارے میں کچھ بتاتے تو پتا چلتا۔"

"بس یوں سمجھ لو نظام علی کہ میں ایک آوارہ روح ہوں کچھ کام میرے سپرد کیے گئے ہیں جنہیں انجام دینے کے لیے تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ اچھا اب بات بتاؤ کہ کرم شاہ وڈیرے کے خلاف تمہاری بستی میں کبھی آواز نہیں اٹھی۔"

"اٹھتی رہتی ہے پر آواز اٹھانے والے زندہ نہیں بچتے کرم شاہ کا ایک خاص آدمی ہے۔ بس شیطان ہے وہ سکندرا کے نام سے جانا جاتا ہے پر اس کا دوسرا نام موت ہے۔"

"ہوں! یہ لوگ جیسا کہ تم نے بتایا اپنی غلاظتوں کے لیے جنگلوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ کیا کرم شاہ بھی ان کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔"

"بس جب کوئی خاص بات ہوتی ہے تو وہ بھی ساتھ ہوتا ہے اصل میں شیطان کے ساتھی بھی شیطان ہی ہوتے ہیں۔ کرم شاہ اپنی برائی میں مصروف رہتا ہے اور اس کے آدمی اپنی برائیوں میں دونوں کا الگ الگ کھیل ہوتا ہے۔"

"نظام علی! یہ بتاؤ کبھی تمہارے دل میں یہ خواہش نہیں پیدا ہوئی کہ تم اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرو۔"

نظام علی نے گردن جھٹکی اور بولا۔

"جاگی ہے پر یہ گھر والی جو ہے نا ہماری تمہاری چچی سمجھ لو اس کا اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے ہمارے سوا۔"

"کیا خیال ہے کچھ ہمت کرو گے میرے ساتھ مل کر۔"

"کیسی ہمت"

"میں کرم شاہ کے خلاف کام شروع کروں تو۔"

نظام علی سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

"اگر بات تو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ تم کچھ کر سکتے ہو۔ بلکہ کیوں نجانے میرا دل تو یہ کہتا ہے کہ تم ضرور کچھ کر دکھاؤ گے چلو ٹھیک ہے اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہارا ساتھ دیں تو بھیا! کون سی سو دفعہ زندگی ملنی ہے ارے ایک دفعہ کسی کام میں آ جائے تو ہم بھی خوش ہوں گے کہ چلو ہم نے بھی اس دنیا میں کوئی کام کیا پر کرو گے کیا۔"

"بس میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں کیا کروں گا۔"

اس کام کے لیے دوسرا دن مخصوص کر دیا گیا تھا میں نے نظام علی کو بتایا کہ اسے کیا کیا بندوبست کرنا ہے اور دوسرے دن ایک مخصوص وقت پر ہم دونوں باہر نکل آئے۔ نظام علی کو دو شاندار کلہاڑیاں حاصل کرنا پڑی تھیں۔ چمکتی ہوئی کلہاڑیوں کو اس نے اپنے لباس میں سجا لیا اور اس کے بعد میں اس کی رہنمائی میں چل پڑا کافی فاصلہ طے کرنا پڑا۔ ایک جگہ ایک خوبصورت باغ کے کنارے کچھ خیمے لگے ہوئے نظر آئے خیموں کے درمیان سے رقص و موسیقی کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ نظام علی نے کہا۔

"کاہو ماہو بھیا! تم ہونا؟"

"میں تمہارے ساتھ ہوں فکر مت کرو۔"

"ٹھیک جگہ پہنچ گئے ہم وہ دیکھو ان حرام زادوں نے دن رات کا کھیل شروع کر رکھا ہے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا ہے اپنے لیے۔ دیکھو بستیوں کی عزتیں ناچ رہی ہیں۔"

نظام علی کی آواز میں ایک دکھ کا احساس تھا۔ وہ آگے بڑھتا رہا اور میں نے خیموں کے درمیان ایک کھلی جگہ میں ایک شرمناک منظر دیکھا جو کچھ ہو رہا تھا وہ بڑا دردناک تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہونٹوں پر نقلی مسکراہٹ سجائے وہ ان شیطانوں کے درمیان رقص کر رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں حیا تھی اور یہ حیاء آنسوؤں کی شکل میں ٹپک رہی تھی۔ لیکن باقی جسم بے حیاؤں کا شکار بنے ہوئے تھے نظام علی کی آنکھیں بھی جھک گئیں۔ کسی نے نظام علی کو دیکھ لیا۔ خاص طور سے ان میں سے ایک شخص جو شکل ہی سے شیطان نظر آیا تھا۔ اس نے نظام علی کو مخاطب کر کے کہا

"کیا ہے رے کس سے پوچھ کر تو یہاں آیا ہے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اس کا جواب میں دوں گا تمہیں۔"

میں نے کہا اور وہ چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا پھر نظام علی سے بولا یہ کون بولا۔

"میں نہیں جانتا سکندرا تو خود پوچھ لے یہ کون بولا۔"

"کون بول رہا ہے؟"

"لڑکیو رک جاؤ! اور تم لوگ ان کے جانے کے لیے راستہ چھوڑ دو۔ انہیں یہاں سے نکل جانے دو۔ کسی نے بھی اگر راستہ روکنے کی کوشش کی تو میں اس کی ٹانگیں کاٹ دوں گا۔"

میں نے کہا اور نظام علی کے بدن سے دونوں کلہاڑیاں نکال لیں۔ سکندرا آنکھیں پھاڑے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ میں چوکنا ہو گیا تھا وہ لوگ بے شک کسی کے نظر نہ آنے سے خوفزدہ تو ضرور ہوں گے لیکن ممکن ہے حملہ کر بیٹھیں۔ بہرحال صورتحال خاصی مشکل ہو گئی تھی۔ مجھے اس کا پوری طرح جائزہ لینا تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ غلط فہمی کی بنا پر کوئی نقصان اٹھا جاؤں۔ چنانچہ احتیاط سے کام لیا لیکن جب سکندرا کے آدمیوں نے نظام علی کو پکڑنے کی کوشش کی تو پھر مجھے اپنا کام شروع کرنا پڑا یہ بات تو میرے ذہن میں جڑ پکڑ چکی تھی کہ کرم شاہ کے خلاف مجھے ہر قیمت پر کام کرنا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی اہم بات ہی ہو جائے۔ بہرطور دونوں کلہاڑے میں نے اپنے ہاتھ میں لیے اور سکندرا کے آدمیوں کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن چونکہ سکندرا اشارہ دے چکا تھا۔ وہ لوگ بھی کام کرنے کے لیے مجبور تھے۔ نتیجے میں میرے ہاتھوں نقصان اٹھانا پڑا اور بہت سے لوگ شدید زخمی ہو گئے۔ ایک نادیدہ بدن دو کلہاڑیاں چلا رہا تھا۔ چنانچہ سکندرا کے آدمی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سکندرا کو بھی واپس جانا پڑا تھا اور نظام علی فاتحانہ انداز میں ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا وہ لڑکیاں جو یہاں بے بسی کا شکار تھیں سہمی سہمی ایک طرف کھڑی ہو گئیں تھیں۔ ہم نے انہیں جانے کی اجازت دی اور وہ بے چاریاں منہ اٹھا کر بھاگ پڑیں۔ پہلی کامیابی نے نظام علی کے حوصلے بھی بڑھا دیئے تھے اور اس کے بعد ہم دونوں بڑی کامیابی کے ساتھ واپس لوٹے۔ اب صورتحال کافی مختلف ہو گئی تھی۔ پھر نظام علی کے دروازے پر ایک شخص آیا۔ دروازے پر دستک دی نظام علی نے اسے دیکھا اور ایک دم

حیران رہ گیا۔

"آیئے جناب میں تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ آپ اس غریب کے گھر پر آئیں گے۔"

"نظام تم بتانا پسند کرو گے کہ وہ کونسی قوت تھی جس نے سکندرا کے آدمیوں کو مار بھگایا۔"

"جناب عالی وہ دراصل"

"بات سنو! تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ ہم سب وڈیرے کی حرکتوں سے خوش ہیں تو یہ خیال دل سے نکال دو۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اس میں بے شک کچھ لوگ اس کا ساتھ دیتے ہیں لیکن زیادہ تر لوگ دکھ کا شکار ہیں۔ میں اصل میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی کوئی ایسی قوت ہے تم نے کوئی علم وغیرہ کیا ہے۔"

"نہیں میں تو ایک معمولی سا آدمی ہوں بس اللہ جب کسی کے ظلم کے خلاف کچھ کرنا چاہتا ہے تو اپنے بندوں میں سے ہی کسی کو اس کیلئے مخصوص کر دیتا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ ایک ایسی قوت خود ہمارے درمیان آ گئی ہے۔"

"اگر میرا اس سے واسطہ پڑ جائے تو میں اسے کچھ چیزیں بتانا چاہتا ہوں"

"میں موجود ہوں۔ مجھے بتایئے کیا بات ہے"

"میں نے کہا اور آنے والا چونک کر ادھر دیکھنے لگا پھر بولا۔

"اصل میں ہمارے مالک وڈیرہ کرم شاہ کے اعمال ویسے بھی کچھ زیادہ اچھے نہیں تھے ایک برے آدمی کو مزید برائی مل گئی۔ اور وہ دوسری برائی ایک سادھو ہے ایک ہندو سادھو جس نے یہاں ایک باقاعدہ جگہ بنا رکھی ہے اور وہاں اپنے گھناؤنے عمل میں مصروف ہے۔ آپ لوگ یقین کیجئے کہ بستی کے تمام ہی لوگ بلکہ بستی کے کیا آس پاس کے تمام لوگ اس ہندو سادھو کی وجہ سے پریشان ہیں اور دن رات میٹنگیں کرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ بدبخت سادھو ہمارے دین دھرم کو برباد نہ کر دے۔ اس نے مندر جیسی جگہ بنا رکھی ہے اور وہاں اپنی حرکتیں شروع کر رکھی ہیں۔ کوئی وہاں آسانی سے نہیں جا سکتا لیکن بستی کے نوجوان اکثر وہاں جاتے ہیں اور رات گئے تک وہاں سے رقص و موسیقی کی آوازیں ابھرتی رہتی ہیں اس ہندو سادھو نے جس کا نام تیجا ہے کرم شاہ کو اپنے جال میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جکڑ رکھا ہے۔ کرم شاہ ویسے بھی برا آدمی تھا لیکن اس ہندو سادھو کے آجانے کے بعد اس نے جو کچھ کیا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔"

"ہوں"۔

میں نے اپنے پورے بدن میں سنسنی محسوس کی تھی بات کہیں سے بھی غلط نہیں تھی۔ تیجا کا نام سامنے آ گیا تھا اس کا مطلب ہے کہ وقت نے مجھے ایک بار پھر تیجا کے سامنے پہنچا دیا تھا اور اس بار صورتحال ذرا بالکل مختلف تھی میرا نادیدہ جسم اور تیجا کی شیطانی قوتیں آمنے سامنے آنے والی تھیں۔ دیکھنا یہ تھا کہ اب تیجا میرے خلاف کیا کرتا ہے یا میں تیجا سے کس طرح نمٹ سکتا ہوں۔ جو قوتیں مجھے عطا کی گئی تھیں اب تک تو ان کے لیے میرے ذہن میں بہت بڑا مقام تھا اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ میں ان قوتوں سے کام لے کر تیجا کے خلاف بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ گویا معرکہ شروع ہونے والا ہے۔ آنے والی شخصیت مجھے ان تمام چیزوں سے آگاہ کرنے کے بعد وہاں سے چلی گئی تو میں نے نظام علی سے اس کے بارے میں پوچھا۔

"یہ کرم شاہ ہی کا ایک بہت ہی خاص آدمی ہے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ کرم شاہ کے نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی ناک کا بال ہے اس کے بارے میں بھی کبھی کوئی اچھی رپورٹ ہمیں نہیں ملی۔ مگر اس وقت جو اس نے اپنی شرافت کا اظہار کیا ہے وہ ناقابل فہم سا ہے خیر اللہ اسے عقل دے دے میں تو صرف ایک بات سے ذرا الجھا ہوا ہوں۔"

"کیا...."

میں نے نظام علی سے پوچھا۔

"میں بھی بیوقوف آدمی نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ جس انداز میں تم نے سکندرا کے آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ اس سے وہ لوگ خوفزدہ ہو گئے ہوں اور بات کرم شاہ تک پہنچ گئی ہو۔ کرم شاہ خود تو ایک چالاک آدمی ہے ہی ہو سکتا ہے۔ اس نے اس طرح تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنے خاص آدمی کو بھیجا ہو لیکن خیر وہ ہم سے کوئی خاص معلومات حاصل کر کے نہیں گیا۔ البتہ اس نے تیجا کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، وہ واقعی ذرا قابل غور ہے۔ یہ انکشاف اس کی صاف دلی کی طرف اشارہ کرتا ہے تم کیا کہتے ہو اس بارے میں۔"

"دیکھیں گے نظام علی! یہ سب کچھ بھی دیکھیں گے"

"ویسے ہل چل مچ گئی ہو گی کیونکہ پہلی بار سکندرا کے کرتوت سامنے آئے ہیں اور اس کے آدمیوں کو نقصان اٹھانا پڑا ہے۔"

"ہاں! خیر کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اب جو ہو گا دیکھا جائے گا مگر تیجا کے اس عجیب و غریب مندر کے بارے میں جو تفصیلات معلوم ہوئی ہیں۔ وہ ذرا قابل غور ہیں نظام علی! کیا تم ہمت کر کے مجھے وہاں تک لے جا سکتے ہو۔"

"ارے بھیا! اب تو گردن رکھ ہی دی ہے جو اللہ کی مرضی ہو گی دیکھا جائے گا کر لیں گے۔ جان ہی جائے گی نا زیادہ سے زیادہ سو وہ تو جانی ہی ہے۔ اب گئی یا تب گئی۔"

نظام علی نے بے خوفی سے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس تھوڑی سی رفاقت نے نظام علی کی شخصیت کو کافی بدل دیا تھا۔ لیکن پھر بھی مجھے کم از کم اس بات کا خیال رکھنا پڑا کہ بیچارے نظام علی کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ وہ کرم شاہ ہو سکندرا یا کوئی اور اپنا اختیار ختم ہوتے ہوئے دیکھنا کون پسند کرتا ہے جو برائیاں وہ لوگ کر رہے تھے بہر طور وہ اپنی ایک اہم حیثیت کی حامل تھیں۔ میں نے خود بھی سوچ سمجھ کر کام کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ فوری طور پر تیجا کی اس رہائش گاہ یا مندروں وغیرہ کی طرف دوڑا ہوا نہ جاؤں بلکہ پہلے باقی صورتحال کا جائزہ لوں۔ چنانچہ اپنے طور پر میں نے فیصلے کیے اور اس کے بعد نظام علی کو ان کا ذریعہ بتایا۔ میں نے سامنے پہلے آبادیوں کے بیچ و بیچ رخ کیا اور ایک ایسی جگہ تلاش کر لی جو ایک بڑے سے چوک کی شکل میں تھی۔ چاروں طرف بے شمار دکانیں اور مکانات بکھرے ہوئے تھے۔ جب نظام علی اور میں اس جگہ پہنچے تو نظام علی ایک جگہ بیٹھ گیا چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے تھے اور نظام علی کے پاس پہنچ کر اس کی تعریفیں کرنے لگے تھے۔ آزاد ہونیوالی لڑکیاں پہلی بار اپنے اپنے گھروں کو پہنچی تھیں اور شاید بستی والوں نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا تھا۔ ساری بستی میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی اور لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ ایک شخص نے نظام علی سے کہا۔

"نظام علی! کیا یہ سچ بات ہے کہ اللہ نے ہمیں کوئی پراسرار قوت دے دی ہے اور تم نے اس وقت کی مدد سے سکندرا کے چنگل میں پھنسی ہوئی لڑکیوں کو نکالا ہے۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"کہہ تو تم یہی سکتے ہو کہ اللہ نے مجھے ایک قوت دے دی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ قوت خود بخود چل کر مجھ تک پہنچی ہے اور تم دیکھ لینا کرم شاہ کے مظالم کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے اپنے طور پر نظام علی کے سامنے اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا اور بہت سے الفاظ کہے تھے۔ بہت سی دعائیں دی تھیں۔ بہرحال وقت گزرتا رہا اور آخر کام ہم لوگوں نے طے کیا کہ ہم پہلے ان مندروں کا جائزہ لیں جہاں تیجا نے اپنا کام شروع کر رکھا ہے ایک عجیب و غریب صورتحال ہے۔ میں اپنی زندگی کے سب سے اہم تجربے سے دو چار ہونے جا رہا تھا۔ چنانچہ ہم نے تیجا کی جانب سفر شروع کر دیا بہت عرصے کے بعد میں اس بدبخت شخصیت سے صحیح انداز میں مقابلہ کرنے کے لیے جا رہا تھا۔ اس نے میری زندگی ہی بدل دی تھی۔ میں نے تھوڑی دور چلنے کے بعد یہ اندازہ لگالیا کہ بات معمولی نہیں ہے۔ تیجا نے یہاں صحیح طریقے سے اپنے پاؤں جمائے ہیں اور یقیناً کرم شاہ وڈیرے کی مدد سے اس نے اپنے اصل مقصد کے حصول کے لیے یہاں اعلیٰ انداز میں کام شروع کیا ہے کیونکہ وہ عمارتیں بڑی وسعتوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ جو مندروں کی شکل میں ہی بنائی گئیں تھیں اور بے شمار لوگ یہاں موجود تھے۔ نظام نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"یہ سب مسلمان ہیں لیکن ان علاقوں میں ہندو آبادی بھی ہے۔ ہندو تو خیر اس کے قبضے میں آ ہی گئے ہیں۔ اس نے طریقہ کار بڑا عجیب رکھا ہے۔ خوبصورت مجبور لڑکیوں کا ایک مجمع جمع رکھا ہے اور ان کے ذریعے مسلمان نوجوانوں کو اپنے چنگل میں پھانس رہا ہے۔ میں نے گردن ہلائی تھی۔ اور اس کے بعد وہاں آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ لوگ ہماری جانب متوجہ نہیں تھے جبکہ ہم ان کے درمیان پہنچ گئے تھے۔ یہ رات ہم نے وہیں گزاری اور دوسری صبح ان عمارتوں کے درمیان سفر کرتے رہے۔ وقت گزرتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں بے شمار افراد موجود تھے۔ خاصی بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلم آبادی میں اس طرح کا ماحول پیدا کر دینا کوئی معمولی بات نہیں تھی اس کا مطلب ہے کہ تیجا نے پوری طرح کرم شاہ کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے۔ اس سے زیادہ گھناؤنی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی اور ایک مسلمان کی حیثیت سے بھی مجھ

پر یہ فرض عائد ہو گیا تھا کہ زندگی کی بازی لگا کر تیجا جیسے شیطان صفت سادھو کی حرکتوں کو ختم کروں اب میرا مشن بدل گیا تھا۔ میں نظام علی کے ساتھ مختلف حصوں سے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک ہی ہمیں اپنے عقب میں کچھ شور سنائی دیا اور پھر ہم نے ایک ایسی شخصیت کو دیکھا جو بڑی مکروہ تھی۔ چار آدمی اسے اپنے کندھوں پر رکھی ہوئی پالکی پر بٹھائے ہوئے تھے اور وہ اس سمت آ رہا تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر میں نے تیجا کو پہچان لیا۔ اب اس وقت میری ان قوتوں کا امتحان تھا جو مجھے عطا کی گئیں تھیں۔ شیطان تیجا اگر میری شخصیت کو پہچان لیتا ہے اور مجھے تلاش کر لیتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ جادو کی قوت زیادہ پر اثر ہے اور اگر اسے میرے بارے میں اندازہ نہیں ہو پاتا تو پھر یہ کہا جا سکتا تھا کہ میں اس کے مقابلے میں کامیابی حاصل کر سکتا ہوں۔ اسے غالباً ہماری یہاں آمد کا علم ہو گیا تھا وہ لوگ اسے اسی طرف لا رہے تھے میں نے نظام علی سے کہا۔

"نظام علی! اب یہ تمہارے امتحان کا وقت ہے یہ ہی وہ منحوس سادھو ہے جس سے ہمیں مقابلہ کرنا ہے۔"

میں نے اسے پہچان لیا ہے۔"

"سنو! اگر اسے یہ بات نہ معلوم ہو سکے کہ میں اس وقت تمہارے ساتھ موجود ہوں تو تم اس سے اسی انداز سے بات کرو گے۔ خبردار ذرا بھی خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہ سمجھ لو کہ اس وقت تمہارے وجود میں میں خود موجود ہوں۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات۔"

"ہاں میں سمجھ رہا ہوں تم بے فکر رہو۔ دیکھتے رہو اگر میں کہیں غلطی کروں تو مجھے ٹوک دینا۔ میرے کان پر سرگوشی کے انداز میں بتا دینا کہ میں ٹھیک کر رہا ہوں یا غلط۔"

وہ چار آدمی جو اسی پالکی کو لیے آ رہے تھے۔ ہمارے قریب پہنچنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد ہمارے گرد ایک مقدمہ کھڑا ہو گیا۔ شیطان سادھو چالاکی کی نظر سے نظام علی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے پالکی نیچے رکھنے کے لیے کہا اور اس کے بعد نظام علی کو اشارہ کر کے بولا۔

"سامنے آ، سامنے آ، اسے میرے سامنے لاؤ۔"

نظام علی سامنے آ گیا تو تیجا اسے اوپر سے نیچے تک غور سے دیکھنے لگا پھر بولا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"چیونٹی کی موت آتی ہے تو وہ ہاتھی کے پیروں کے نیچے آجاتی ہے۔"

"نظام علی نے مسکرا کر کہا۔

"سادھو! چیونٹی کی موت نہیں بلکہ ہاتھی کی موت آتی ہے تو وہ چیونٹی کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔"

"تجھے معلوم ہے کہ میں کرم شاہ کا گرو ہوں۔"

تیجا نے کہا۔

"تو کرم شاہ کا گرو نہیں ہے بلکہ تو نے اپنی کالی قوتوں سے کرم شاہ جیسے آدمی کو اپنے قابو میں کرلیا ہے لیکن فکر مت کر وقت آگیا ہے کہ تیری اس کالی قوتوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔"

"کون کرے گا یہ خاتمہ۔"

"وقت ...."

"تو اپنے آپ کو وقت کہتا ہے۔"

"نہیں میں اپنے آپ کو وقت نہیں کہتا لیکن میں تجھے بتا رہا ہوں۔"

"کیا تو مجھ سے بات چیت کرنے پر تیار ہے۔"

"کیسی بات چیت۔"

"تو نے ہمارے اتنے سارے آدمیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"ہاں' وہ جو کچھ کر رہے تھے وہ غلط تھا۔"

"مگر لوگ تو کہتے ہیں کہ کوئی نادیدہ قوت تیرے ساتھ ہے۔"

"تم اسے نادیدہ قوت ہی سمجھ لو۔ مجھ جیسا آدمی ایک بیکار سا بوڑھا جب تمہارے مقابلے پر آگیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی قوت میرا ساتھ دے رہی ہے۔"

"تو جانتا ہے کہ میں اس وقت کو فنا کر دوں گا۔"

"میں یہ جانتا ہوں کہ میں تمہیں فنا کر دوں گا۔"

نظام علی بہت عمدگی سے گفتگو کر رہا تھا تیجا مسکرایا اس نے کہا۔

"تو پھر ایسا کر تھوڑا سا سمے دے ہمیں۔ ہم تجھ سے بات چیت کریں گے۔ چل ہمارے ساتھ آجا۔ دیکھنا مہمان تو مہمان ہی ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے ہم تجھے کوئی کام کی بات

بتا سکیں۔"

نظام علی ایک لمحے کے لیے گھبرایا تو میں نے جلدی سے اس کے کان میں کہا۔"

"چلنا ہے نظام علی! جانا ہے"

اور نظام علی نے مسکرا کر تیجا سے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو چلو۔"

اور اس کے بعد ہم لوگ وہاں سے چل پڑے تیجا کے بارے میں میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہاں اس نے لمبے ہاتھ پاؤں پھیلائے ہوئے ہیں ویسے یہ حقیقت تھی کہ کرم شاہ کا کردار بہت شرمناک تھا۔ ایک مسلمان کو اس طرح کسی ہندو سادھو کے جال میں نہیں پھنسنا چاہئے تھا۔ میں جانتا تھا کہ تیجا مختلف طریقوں سے اپنی اس ناپاک خواہش کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ جو اس کے دل میں تھی اور جس کے لیے اس نے مجھے اپنے چنگل میں پھانسا تھا بہرحال ہم اس مندر جیسی جگہ میں داخل ہو گئے۔ نظام علی اب پوری طرح منظر عام پر تھا اور اس نے بڑی عمدگی کے ساتھ اپنا کردار شروع کیا ہوا تھا ایک بڑے اور عظیم الشان مندر میں ہم لوگ داخل ہوئے وہاں جگہ جگہ پتھروں کے بت رکھے ہوئے تھے۔ بھیانک شکلوں کے جادو کے پتلے میں ایک جگہ بتائی گئی۔ یہاں پر زمین پر نرم گھاس کے بستر لگے ہوئے تھے اور در و دیوار بڑے پراسرار تھے۔ دیواروں پر دیوی اور دیوتاؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بہت سے پھل اور دودھ وغیرہ یہاں پہنچائے اور بڑی خاطر مدارت کرنے لگے لیکن نظام علی نے کہا۔

"کسی ہندو کے ہاتھ کی چیزیں کھانا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ جاؤ تیجا سے کہو کہ مجھ سے آکر بات کرے۔ اس وقت تو تیجا نہیں آیا لیکن خاصی رات گئے وہ بہرحال اس جگہ پہنچ گیا جہاں نظام علی اور میں موجود تھے۔ میں نے ایک لمحے کے اندر محسوس کیا کہ تیجا کی صحت پہلے سے کافی بہتر ہوگئی ہے۔ اس کی بڑی بڑی سرخ آنکھوں میں مکاری اور چالاکی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ چند لمحات وہ مسکراتی نگاہوں سے نظام علی کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"بابا جی! ایک بات تو میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ وہ واقعی تم نہیں ہو جس کی کہانیاں میں نے سنی ہیں۔ چلو ایسا کرو تم یہ بتا دو کہ وہ قوت کون سی ہے اور تمہیں کہاں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے حاصل ہوئی۔"

"تیرا دماغ خراب معلوم ہوتا ہے سادھو ! بولا میں تیرا غلام ہوں جو تجھے اس بارے میں بتا دوں گا۔"

"نہیں مہاراج بات یہ نہیں ہے آپ کو پتا ہے کہ کرم شاہ ان بستیوں کا مالک ہے اور ہم کرم شاہ کے مالک ہیں۔ ایک اشارہ کر دیں کرم شاہ کو تو بستیوں میں قتل عام کر دے وہ۔ ٹھیک ہے تم بہت بڑے آدمی ہو۔ بڑی طاقت ہے تمہارے اندر۔ لیکن کیا اپنی طاقت کا یہ حال دیکھنا پسند کرو گے تم کہ کرم شاہ کے اندر سکندرا کے ذریعے قرب و جوار کی تمام بستیاں آگ میں جلا دیں۔ کیا یہ چاہو گے تم۔"

"یہ تو میں نہیں چاہوں گا لیکن ایک بات میں تجھے بتائے دیتا ہوں کہ تیرا کھیل اب ختم ہونے والا ہے۔"

"ارے ابھی تو ہمارا کھیل شروع بھی نہیں ہوا۔ تم دیکھو گے ان ساری بستیوں میں مندر ہی مندر ہوں گے اور اس کے لیے ہمیں بہت جلد کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ تیجا کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے میں تجھے دکھاؤں کہ میں نے یہاں کیا کیا کیا ہے۔"

نظام علی ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا اور پھر میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"نہیں نظام علی ! کسی بھی مرحلے پر خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک بتا بتاؤں۔ یہ مکار سادھو اگر میری یہاں موجودگی کو محسوس نہیں کر سکا ہے تو سمجھ لو کہ یہ میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ میری اس مضبوط دلیل نے نظام علی کے اندر اعتماد پیدا کیا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور تیجا کے ساتھ دروازے سے باہر نکل آیا۔ تیجا چند قدم آگے چل رہا تھا اور میں خاموشی سے نظام علی کے پیچھے پیچھے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چل رہا تھا۔ یہاں سے آگے بڑھنے کے بعد ہم ایک اور دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ اس مندر کے بارے میں مجھے پہلے ہی احساس ہو گیا تھا کہ اسے بڑا پراسرار اور عجیب بنایا گیا ہے لیکن بہرحال فکر کی کوئی بات نہیں تھی۔ چنانچہ وہ آگے بڑھ رہا تھا میرے اندر اعتماد پیدا ہو گیا تھا کہ تیجا کو اپنی تمام تر شیطانی قوتوں کے باوجود اس وقت یہ نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ میں نظام علی کے ساتھ ہوں۔ ہم زمین کی گہرائیوں میں جانے والی

سیڑھیاں طے کرنے لگے اور غیر محسوس طریقے سے تیجا آگے بڑھتے بڑھتے ہم لوگوں کے پیچھے آ گیا ہم آگے بڑھ رہے تھے اس وقت واقعی میں نے محسوس نہیں کیا تھا کہ اصل قصہ کیا ہے سخت گھٹن اور سیلن کی بو محسوس ہو رہی تھی یہاں۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ آ گیا اور تیجا نے کہا۔

"چلو اندر چلو...."

اس وقت بھی ہمیں یہ احساس نہیں ہو سکا تھا کہ آگے چلنے والا تیجا ہمارے پیچھے کیوں آ گیا ہے۔ بہرحال ہم دونوں دروازے سے اندر داخل ہو گئے پتھر کی تراش بڑی عجیب سی تھی اور دروازے کی دوسری جانب ایک عجیب و غریب غار نظر آ رہا تھا۔"

"اب کیا کرنا ہے ہمیں"

نظام علی نے پوچھا لیکن کوئی جواب نہیں ملا تو میں نے چونک کر پلٹ کر دیکھا۔ تیجا یہاں موجود نہیں تھا اور ہمارے عقب میں ایک ایسی دیوار موجود تھی جو پہلے نظر نہیں آئی تھی۔ نظام علی نے خود یہ سب کچھ دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ایک لمحے کے اندر اندر مجھے احساس ہو گیا کہ تیجا چال چل گیا ہے ایک انوکھی اور سنسنی خیز چال۔ نظام نے کہا۔

"شاید اس نے ہمیں یہاں قید کر دیا ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا میں اس عظیم الشان غار کا جائزہ لینے لگا غار میں ایک عجیب سی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ چھت کی انتہائی بلندی سے اب روشنی اندر آ رہی تھی۔ یہ روشنی پتہ نہیں کیسی تھی۔ پھر ایک لمحے کے اندر اندر مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ روشنی کیسی ہے غار کے بلند آخری حصے میں چاند چمک رہا تھا اور اتفاق سے چاند اس وقت اس سوراخ کے عین اوپر تھا۔ بہرحال یہ بڑی سنسنی خیز کیفیت تھی میں ناتجربے کاری کا شکار ہو گیا تھا۔ تیجا پر مکمل طور پر بھروسہ کرنا بیوقوفی کی بات تھی۔ لیکن میں یہ بیوقوفی کر بیٹھا تھا۔ کم از کم نظام علی کو سنبھالنا بے حد ضروری تھا کیونکہ اب تک وہ صرف میری شہہ پر ہمت سے کام لیتا رہا تھا۔ اب صورتحال مختلف تھی۔ اچانک ہی اس سوراخ سے روشنی آنا بند ہو گئی اور مجھے یوں لگا جیسے کوئی وہاں موجود ہے۔ نظام علی نے بھی چونک کر اوپر دیکھا تھا اور کچھ لمحوں کے بعد ہمارے اس خیال کی تصدیق ہو گئی اوپر سے تیجا کی مکروہ ہنسی کی آواز سنائی دی تھی میں نے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نظام علی کے کان میں سرگوشی کی۔

''اب یہ تم سے اس پراسرار قوت کے بارے میں پوچھے گا جو ابھی تک اس کے لیے معمہ بنی ہوئی ہے۔''

میرے یہ الفاظ ختم بھی نہیں ہوئے تھے کہ تیجا کی آواز سنائی دی۔

''ہاں نظام علی اب ہمارے درمیان کھل کر باتیں ہوں گی اصل میں نظام علی تمہیں یہ بات شاید معلوم ہو یا نہ ہو کہ بڑی مشکل سے ہم نے یہ سارا نظام قائم کیا ہے کرم شاہ ایک اوباش اور عیاش آدمی ہے۔ ہم نے اسے اس کے داؤ پر چت کر دیا ہے۔ وہ اپنا دین دھرم کھو کر ہمارے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ ابھی تو خیر ہم نے ایک نئے منصوبے پر عمل شروع کیا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اس میں ہمیں کامیابی حاصل ہو جائے گی ہمارا کام یہ ہے کہ تم مسلمانوں سے تمہارا دھرم چھین کر تمہیں کالے جادو کے پھیر میں لایا جائے۔ بہت عرصے سے ہم اپنے ایک کام کے لیے کوششیں کر رہے تھے۔ ہم کو اپنا یہ شریر ایک ایسی جگہ پہنچانا تھا۔ جہاں سے ہمیں وہ امرشکتی حاصل ہو جائے جس کے لیے ہم نے پورا جیون کوششیں کی ہیں۔ ایک سسرا ملا تھا ہمیں جو ہمارے کام کے لیے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ عام سا آدمی تھا پر پاپی کو نجانے کیا سمائی۔ سب کچھ کھو دیا اس نے اپنا پر ہمارا کام نہیں کیا اس کے بعد ہم نے بہت سی جگہوں پر کوششیں کیں۔ پر ہمارا کام نہیں ہوا نظام علی اس کے بعد ہم نے طے کرلیا کہ مسلمانوں کی ایک پوری آبادی کا دھرم چھین کر انہیں بے دین بنا دیں گے اور یہاں ہمیں کرم شاہ ایسا آدمی نظر آیا جو ہمارے لیے کارآمد ہو سکتا تھا اور ہم نے اسے اپنے جال میں پھنسا لیا۔ اس کے علاوہ تم دیکھ چکے ہو بہت سی آبادی ہماری مٹھی میں آ گئی ہے۔ یہاں کے مسلمان اب نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ آہستہ آہستہ وہ اپنا دین دھرم بھول جائیں گے۔ اور ہمارا کام آسان ہو جائے گا ہم دیکھیں گے کہ پھر ہمارا کام کون نہیں کرتا۔ سمجھ رہے ہو نا نظام علی۔ ہم اب تک بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے سارے کام سرانجام دے رہے ہیں لیکن تم نے جو کچھ کیا ہے اس نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔ کون سی طاقت لے کر آئے ہو ہمارے سامنے ہم جانتے ہیں کہ تم لوگ اپنے علم کے ذریعے ان آتشی قوتوں کو اپنے قبضے میں کر لیتے ہو۔ جو انسان نہیں ہوتیں اور جن کہلاتی ہیں۔ پھر ان جنوں سے تم اپنا کام لیتے ہو۔ اگر تم نے کوئی ایسی طاقت حاصل کرلی ہے

نظام علی تو ایک بات ہم بھی تمہیں بتائیں۔ تمہارا حساب ابھی اور اسی جگہ ہو جائے گا۔ ہاں اگر تم یہ بتا دو کہ تمہارے پاس ایسی کون سی قوت ہے اور پھر تم اس قوت سے کام لینا بند کر دو اور ہم سے سودا کرلو آخر چاہتے کیا ہو ہم تم سے بات کر سکتے ہیں۔ تیجا خاموش ہوا تو میں نے نظام علی کے بولنے کا انتظار کیا۔ نظام علی جو کچھ بولا وہ میری مرضی کے عین مطابق تھا اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

''سنو! تیجا پتہ نہیں تم نے کیا سمجھ لیا ہے ان تمام باتوں کو آخر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم نے برائیوں کی شکل دکھا کر ان نوجوان لڑکوں کو ہمیشہ کے لیے اپنے جال میں پھانس لیا ہے۔ تم سے بڑا بیوقوف کوئی نہیں ہے اور کوئی نہیں ہو گا اس دنیا میں صرف ایک ٹھوکر لگے گی انہیں ایک یہ سارے کے سارے اپنے خدا کی طرف لوٹ جائیں گے۔ تکا بوٹی کر کے رکھ دیں گی تمہاری ارے یہی تو اس دین کی خوبی ہے بھٹکنے والے کچھ لمحوں کیلئے بھٹک جاتے ہیں لیکن جب انہیں خدا یاد آتا ہے تو ایسے پلٹتے ہیں اپنے رب کی طرف کہ ان کے راستے روکنے والے تنکوں سے بھی بدتر حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔''

خیر ان کی بات چھوڑو اپنی خیر مناؤ۔ ذرا دیکھو اس طرف اپنے بائیں طرف۔''

تیجا نے کہا اور اچانک ہی ہمیں اپنے عقب میں سرسراہٹیں محسوس ہوئیں۔ ہم دونوں چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ادھر ایک سوراخ تھا اور اس سوراخ سے آگ کی لپٹیں باہر نکل رہی تھیں۔ چند ہی لمحوں کے بعد ہم نے ایک خوفناک اژدھے کا سر دیکھا جو اپنی لمبی زبان باہر نکالے ہوئے سرخ آنکھوں سے نظام علی کو دیکھ رہا تھا نظام علی کے چہرے پر اس وقت جو کیفیت مجھے نظر آئی اس سے میں بے حد متاثر ہوا۔ یوں لگا جیسے نظام علی اس سے ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوا ہو۔ درحقیقت اس کے اندر اعتماد کے ساتھ ساتھ ایمان کی قوت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ جو الفاظ اس نے تیجا سے کہے تھے یہ اس ایمان کی علامت تھے اژدھا آہستہ آہستہ باہر آ رہا تھا اور اس کے بعد وہ نظام علی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے اپنا خوفناک منہ کھولا اور نظام علی پر لپکا لیکن دوسرے لمحے میں نے آگے بڑھ کر اس کو اس کے پھن کے نیچے سے پکڑ لیا۔ انسان ہو یا جانور تھوڑی سی عقل اسے ضرور عطا کی گئی ہے۔ اژدھے نے صرف نظام علی کو دیکھا تھا اور اس پر لپکا تھا لیکن ایک نادیدہ بدن اس کے نچلے بدن سے لپٹ گیا تھا۔ اس بات نے اسے خوفزدہ کر دیا۔ ادھر میں نے اس پر شدید

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قوت آزما کر اسے پیچھے پتھر سے ٹکرا دیا۔ اژدھا بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ قدرت نے میری رہنمائی کی قریب ہی ایک گول پتھر پڑا ہوا تھا۔ اژدھا چونکہ زخمی ہو گیا تھا اور اسنے اپنا جسم سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ اس لیے ایک لمحے کے لیے اس کی توجہ ہم پر سے ہٹ گئی میں نے پتھر اٹھایا اور پوری قوت سے اس کے سر پر دے مارا اور اژدھے کا سر بری طرح کچل کر رہ گیا۔ بہرحال یہ ایک بڑی عجیب بات تھی ۔ چند لمحوں میں مجھے اپنے اس عمل میں کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ تیجا فوراً ہی کوئی عمل کرے گا لیکن پتہ نہیں تیجا کی حیرتیں عروج پر پہنچ گئیں تھیں۔ یا وہ اپنے فعل سے اس قدر مطمئن ہو گیا تھا کہ اژدھے کا انجام دیکھنے کے لیے بھی وہاں نہیں رکا تھا۔ بہرحال اژدھا تو ختم ہو گیا دوسری طرف چاند کی روشنی براہ راست اندر آ رہی تھی۔ نظام علی سرد نگاہوں سے اژدھے کے مردہ بدن کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"نظام علی یہ سوراخ کیسے ہیں جہاں سے اژدھا باہر نکلا تھا اس سے پہلے یہ سوراخ ہماری نگاہوں میں نہیں آئے تھے۔ کیا ہم ان میں داخل ہو کر اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ ان سوراخوں کی نوعیت کیا ہے۔"

"جیسا تم کہو"

نظام علی نے کہا اور وہ پھر اس سوراخ سے اندر داخل ہو گیا میں بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی تھا یہ مندر کا عقبی حصہ تھا اور یہاں سے تھوڑے فاصلے پر درخت نظر آ رہے تھے۔ ہمیں بڑا دلچسپ تجربہ ہوا اور ہم کچھ لمحے وہاں رہے پھر نظام علی نے کہا۔

"یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ وہ اژدھے کو ہم پر نازل کرنے کے بعد اس لیے چھوڑ گیا کہ اژدھا ہمیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑے گا۔ کیا اس نے یہ بیوقوفی نہیں کی ہے۔"

"اگر تم اسے خوف میں مبتلا کرنا چاہتے ہو نظام علی تو اب کسی ایسی جگہ سے نمودار ہو جاؤ جو اس کے لیے ناقابل یقین ہو۔ نظام علی میری بات پر غور کرنے لگا تھا۔ بہت دیر تک وہ خاموش رہا۔ پھر بولا۔

"ان واقعات نے دماغ کی رگیں ڈھیلی کر دی ہیں۔ میں نے کبھی خواب میں بھی سوچا تھا کہ زندگی میں کبھی ایسے واقعات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

"ایک بات بتاؤ نظام علی۔"

"کیا"

"جو کچھ کر رہے ہو اس پر شرمندہ ہو۔"

"کیا مطلب"

"اس جدوجہد پر افسوس ہو رہا ہے۔"

"بالکل نہیں"

"پھر پریشان کیوں ہو۔"

"پریشان تو میں بالکل نہیں ہوں۔"

مگر عقل ذرا ساتھ نہیں دے رہی۔

"کیا۔"

"پہلی بات تو یہ کہ تمہارے بارے مجھے کچھ نہیں معلوم کون ہو کیسے ہو؟

کوئی شک ہے مجھ پر۔

نہیں شک کی کوئی بات ہی نہ کرو۔ میں بتاؤں مجھے کیسا لگ رہا ہے

"کیا مطلب۔"

"یقین کرو مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں اپنے بستر پر نہ ہوں۔ میں جاگتی آنکھوں سے ایک خواب دیکھ رہا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ میرے ہاتھ پاؤں کام کر رہے ہیں بس میرے صرف ہاتھ پاؤں۔

میں نے ایک عجیب سنسنی محسوس کی جن پراسرار قوتوں کے ذریعے مجھے تیجا کے خلاف کام کرنے کے لیے بھیجا تھا انہوں نے یہ منصب بھی سنبھال رکھا تھا مجھے نادیدہ کر کے دشمن قوتوں کے مقابلے پر بھیجا اور پھر نظام علی کو میرے وجود کا عمل دے دیا۔ کیا اعلیٰ درجے کی بات تھی گویا مجھے شیطان تیجا سے چھپایا گیا تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے۔ نظام علی بات نے مجھے چونکا دیا۔

"میں تمہارے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"اور میں کرم شاہ کے بارے میں۔"

"کرم شاہ کے بارے"

"ہاں"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اس وقت کرم شاہ تمہارے ذہن میں کیسے آ گیا نظام علی۔"

"بس' انسان اگر چاہے تو پہاڑ کو بھی نظرانداز کر دے۔ کبھی رائی بھی قابل توجہ ہوتی ہے۔"

"کیا بات ہے۔"

"کہا نا' کرم شاہ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"کیا؟"

"کرم شاہ بلاوجہ ایسا نہیں ہے۔"

"پھر"

"اس کی ذات سے بھی ایک کہانی وابستہ ہے۔"

"کیسی کہانی"

"بڑی عجیب بے حد پر سرور"

"مجھے سناؤ گے۔"

"ہاں اب ضروری ہے۔"

"کیا مطلب"

"فرید گنج کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔"

"نہیں۔"

"اور مدد علی شاہ کے بارے میں"

"یہ کون ہے"

"اسے بھی نہیں جانتے"

"نہیں"

"اب سنو' اس نے مجھے جو داستان سنائی وہ بڑی سنسنی خیز تھی۔"

"کس کے بارے میں۔"

"کرم شاہ کے بارے میں۔ اس وقت میں نے اسے ایک کہانی سمجھا تھا لیکن اب اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صرف کہانی نہیں تھی۔ میں یہ کہانی تمہیں اس کے انداز میں سناتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ میرا نام مدد علی شاہ ہے۔ فرید گنج میں ایک لانچ سے آیا تھا۔ مجھے نہیں

معلوم تھا کہ یہاں ایک پراسرار داستان میری منتظر ہے میرا تو لانچ ہی کچھ اور تھا۔ بابر کے بارے میں اطلاع ملی تھی بلکہ اس طرح شروع ہو گیا تھا کہ۔

بہرحال میں نے طے کرلیا کہ اس موقع کو ضائع نہیں ہونے دوں گا۔ خوشی خوشی میں اپنے کوارٹر میں پہنچا اور بابر کو یہ خوشخبری سنائی میرا خیال تھا کہ بابر ایل کے طویل سفر کی خبر سن کر یقیناً خوش ہو گا لیکن اس وقت خاصی حیرت ہوئی جب میں نے اسے خوش ہونے کے بجائے ایک گہری سوچ میں غرق ہوتے ہوئے دیکھا لیکن ذرا ٹھہریئے ! مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے بڑھنے کے بجائے بابر کا تعارف بھی لگے ہاتھوں کروا دیا جائے۔ مجھے مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔

آپ شاید اسے میری اولاد سمجھ رہے ہوں گے' لیکن سچ پوچھے تو اس بدصورت اور وحشی بچے سے میری دور کی بھی کوئی رشتہ داری نہیں تھی۔ اس کا تعلق میرے کسی مرحوم دوست سے بھی نہیں تھا اور نہ اس قسم کی کوئی بات نہیں کہ وہ میرے وطن یا برادری سے کوئی تعلق رکھتا تھا۔ میں تو اتنا بھی نہیں جانتا کہ اس کا باپ کون تھا۔ ماں کہاں کی تھی اور کس قسم کے افراد کا خون اس کی رگوں میں دوڑ رہا ہے اور یہ ساری باتیں مجھے معلوم بھی کیسے ہوتیں۔ کوئی نو برس قبل میں نے اسے ایک برساتی نالے کے قریب پڑا ہوا پایا تھا۔ اس وقت اس کی عمر چند گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ ایک آدھ دن رہی ہو گی۔ نالے کے قریب زہریلے کیڑے مکوڑوں اور طوفانی انداز میں بہتے ہوئے پانی کے شور سے بے نیاز' ایک بڑے سے سفید کپڑے میں لپٹا ہوا اطمینان کے ساتھ اپنا انگوٹھا چوس رہا تھا اس کے سیاہ اور چمکدار چہرے پر ایک عجیب سی معصومیت تھی اور اس ریاکاری کا دور دور تک پتہ ونشان نہیں تھا جو دنیا میں کامیابی کے ساتھ زندگی گزارنے والوں کے چہروں پر عموماً رقص کناں نظر آتی ہے۔ اس وقت میں ہوا خوری کے لئے گھر سے نکلا تھا لیکن پہاڑی نالے کے قریب اس سیاہ فام اور بدصورت بچے کو دیکھ کر میرے قدم خود بخود رک گئے اور میں اسی جگہ ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔ یہاں اتنا عرض کرتا چلوں کہ میں نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے اور عورتوں اور بچوں سے مجھے کبھی معمولی سی بھی دلچسپی نہیں رہی۔ مگر اس نوزائیدہ بدصورت بچے میں نجانے ایسی کیا بات تھی کہ چند لمحے بعد ہی میں اس کے قریب زمین پر بیٹھ گیا اور غور سے بچے کی صورت دیکھنے لگا' بچہ دنیا و مافیہا سے بے خبر' اپنے آپ میں بے حد مگن و

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مصروف تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے انگوٹھا چوستے چوستے' اپنی نگاہوں کا زاویہ تبدیل کیا اور نظریں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ شاید آپ اس بات پر یقین نہ کریں اور سچ پوچھئے تو یہ یقین کرنے کی بات بھی نہیں کہ ایک نوزائیدہ بچہ نظر گھما کر کسی کے چہرے پر مرکوز کر سکتا ہے لیکن جو کچھ میں نے بیان کیا وہ بھی اپنی جگہ ایک ..... اٹل حقیقت ہے اور آپ خواہ کچھ بھی کیوں نہ کہیں ..... میں اپنے بیان سے سرمو انحراف نہیں کروں گا! انحراف کی کوئی گنجائش ہی نہیں!

مگر خیر! اس وقت میرے ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی۔ میں اس کے اس طرح دیکھنے پر ذرا بھی متحیر نہیں تھا' اس کے برعکس پتہ نہیں کیوں' مجھے اپنے دل میں اس بے سہارا' مجبور اور بے بس بچے کے لیے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ میں جو بچوں سے ہمیشہ دور بھاگا کرتا تھا اس ننھے منے معصوم کی کسمپرسی دیکھ کر بے چین ہو گیا اور میرے ہاتھ خود بخود اس کی طرف بڑھنے لگے۔ کوئی غیر مرئی طاقت جیسے برابر میرے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھیں! اٹھا لو ..... اسے اٹھا لو! چند لمحے بعد ہی وہ سیاہ فام اور بدصورت بچہ جنہیں عام حالات میں شاید میں دیکھنا بھی پسند نہ کرتا۔ میری گود میں بیٹھا انگوٹھا چوس رہا تھا' میں نے اسے ذرا غور سے دیکھا اور اسی لمحے مجھے اپنے دل میں اس کے لیے ہمدردی محبت کی ایک اور لہر اٹھتی محسوس ہوئی' کسی انجانے مگر طاقت ور جذبے کے تحت میں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میرا وہم ہو لیکن مجھے ایسا ہی لگا جیسے اس بچے کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیرنے لگی ہو۔

میں اسے لیکر گھر کی طرف روانہ ہو گیا' ظاہر ہے میرے دوست' رشتہ دار اور پڑوسی اس بچے کو میرے پاس دیکھ کر متحیر ہوئے بغیر نہ رہے ہوں گے۔ انہوں نے اس بچے کے بارے میں درجنوں سوال کر ڈالے لیکن مجھے نہ ان کے سوالات کی پرواہ تھی نہ ان کے تحیر اور پریشانی کی۔ مجھے تو اس بچے کی فکر تھی جو نجانے کیوں۔ گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ مجھے عزیز سے عزیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ تنہائی ملنے پر میں نے پہلی مرتبہ اس کے متعلق سوچا۔ مگر میری سوچ میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں آئی کہ کسی کماری ماں کے گناہوں کی پوٹلی کی شکل میں مقدر نے اسے میرے حوالے کر دیا ہو گا' خیال بڑی حد تک

درست ہی معلوم ہوتا تھا آج کل کے مہذب اور ترقی پذیر دور میں گناہوں کی اس قسم کی پوٹلیاں اکثر ویران میدانوں' گلیوں اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں پر نظر آجاتی ہیں۔ جب لوگوں میں جرات نہیں ہوتی تو پھر گناہ کا ارتکاب کیوں کیا جاتا ہے۔ دوسرے دن میں نے بچے کا نام بابر تجویز کیا اور اسے اپنی ایک رشتے کی بہن کے پاس چھوڑ آیا' بہن پہلے تو کسی طرح اس کی دیکھ بھال اور پرورش پر تیار نہ ہوئیں بابر خوفناک حد تک بدصورت تھا اور وہ کسی صورت اس کی پرورش کرنے کو تیار نہ تھیں لیکن میرے بے حد اصرار اور منت سماجت نے بہرحال انہیں رضامند ہونے پر مجبور کر ہی دیا۔ اس کے بعد دوسرے تیسرے دن بابر سے ملاقات ہونے لگی' باجی اس سے سخت متنفر تھیں اور اوپر نے دودھ پر اس کی پرورش کر رہی تھیں۔ اس کے شوہر اور بچوں کا بھی یہی حال تھا کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی بابر کی موجودگی اپنے گھر میں پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ باجی نے کئی مرتبہ مجھ سے کہا کہ میں اس کا انتظام کہیں اور کروں لیکن اس سلسلے میں سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ میں اپنے محدود ذرائع آمدنی کی وجہ سے اس بدنصیب بچے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا' بابر کو ایک دیکھ بھال کرنے والی عورت کی ضرورت تھی اور میں کسی طرح ایسی کسی عورت کا انتظام نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں تھی کہ باجی کی خوشامد اور منت سماجت کرتا رہوں۔ ایک سال کا عرصہ گزر گیا اور تب باجی نے مجھ سے بڑے رازدانہ لہجے میں کہا۔

''اختر میری ایک بات مانو گے۔''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔''

میں مسکرایا۔ باجی چند لمحوں تک سوچتی رہیں پھر بڑی گھمبیر آواز میں بولیں۔

''میری مانو تو بابر کو کسی یتیم خانے کے حوالے کر دو' یہ بات میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ یہ بدصورت ہے' یا اپنے ماں باپ کی ناجائز اولاد ہے بلکہ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے یہ کوئی بچہ نہ ہو ..... جیسے کوئی بدروح ہو۔''

مجھے ہنسی آگئی' مگر باجی ناراض نہیں ہوئیں۔ ناراض ہونے کے بجائے انہوں نے بڑی سنجیدگی سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

''منحوست! میرے بھیا! میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ میرے دل کی آواز

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہے' بابر کسی انسان کا بچہ نہیں ہوسکتا۔ ضرور کوئی بد روح ہے۔ اس کی حرکتیں بے حد عجیب اور پراسرار ہیں۔"

"حرکتیں"

میں مسکراتا ہوا بولا۔

"ایک سال کا بچہ بھلا کیا حرکتیں کرسکتا ہے باجی! میرا خیال ہے آپ کو وہم ہو گیا ہے۔"

"ہرگز نہیں' میں جاہل یا گنوار عورت نہیں ہوں۔"

"لیکن باجی"

"تمہیں میرا مشورہ مان لینا چاہئے۔"

باجی نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"ابھی سے خاصا عجیب اور پراسرار ہے۔ میں نے آج تک اسے بلند آواز سے ہنستے نہیں دیکھا' مسکراتا بھی بس کبھی کبھار ہے' اس کے برعکس اس پر ہر وقت بڑی پراسرار سنجیدگی طاری رہتی ہے' گھنٹوں ایک ہی سمت میں دیکھتا رہتا ہے' بلا کا غصہ ور اور جھگڑالو ہے' ابھی سے اپنے بڑوں کو مارتے پیٹتے نہیں ہچکچاتا۔ ذرا دیر میں آنکھیں سرخ کرلیتا ہے اور اپنے سامنے والے کو قہر آلود نگاہوں سے اس طرح گھورتا ہے کہ بڑے بڑے جیدار سہم کر رہ جائیں۔ میں پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے بابر سے پہلے بھی کبھی ایسا انوکھا بچہ دیکھا ہے۔

"آپ جانتی ہیں کہ بچوں سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔"

میں نے جواب دیا مجھے یقین تھا کہ باجی کو سچ مچ وہم ہوا ہے اور یا پھر اس معصوم کی دشمنی یا نفرت انہیں اس قسم کی بے سروپا گفتگو پر مجبور کر رہی ہے۔

"مجھے بچوں سے دلچسپی ہے۔ میں خود بھی چار بچوں کی ماں ہوں' اب تک سینکڑوں بچے نظر سے گزرے ہیں لیکن ایسا عجیب و غریب اور پراسرار بچہ اس سے پہلے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا اور تم یہ تو سوچو کہ تم جو بچوں سے بہت زیادہ گھبراتے تھے آخر اس کلموہے کو اپنے سے جدا کیوں نہیں کرنا چاہتے؟"

"باجی کے اس سوال کا میرے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا' مجھے سچ مچ

بچوں سے وحشت ہوتی تھی اور کچھ وقت بھی ان کے ساتھ نہیں گزار سکتا تھا' جہاں تک رحم و ہمدردی کا تعلق ہے بھیک مانگتے ہوئے لاوارث اور اپاہج بچوں کو دیکھ کر میں نے ان کے لیے اپنے دل میں ہمدردی کے جذبات ضرور محسوس کیے تھے لیکن ان میں سے کسی کو پناہ دینے کا خیال بھی کبھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ بچوں سے ہمدردی ایک الگ بات ہے ان کا قرب قطعاً مختلف بات!" باجی بڑے غور سے میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ مجھے خاموش دیکھ کر بولیں۔

"میں جانتی ہوں کہ میرے سوال کا تمہارے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہوسکتا لیکن تمہیں سوچنا چاہئے کہ تم جیسا آدمی آخر بابر جیسے کریہہ شکل کے بچے کی سرپرستی کرنے پر مصر کیوں ہے۔"

"اب مجھے یاد نہیں کہ باجی کی اس بات کا اس وقت میں نے کیا جواب دیا۔ بہرحال بات کسی نہ کسی طرح ختم ہوگئی تھی اور بابر کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے بعد میں اپنے گھر چلا آیا تھا۔ دو سال اور گزر گئے' بابر تین سال کا ہوگیا اور میں اسے گھر لے آیا' باجی کے گھر آنے جانے کے دوران میں نے اس میں کبھی کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی۔ لیکن اب پتہ چلا کہ باجی کے بیان کے مطابق اگر وہ بے حد پراسرار نہیں تو بہت زیادہ مختلف ضرور تھا اب وہ آزادی کے ساتھ چلنے پھرنے اور چھوٹی موٹی باتیں کرنے کے قابل ہوگیا تھا لیکن کسی خاص ضرورت کے تحت ہی کوارٹر سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا' چھوٹے بچوں کو ہمیشہ اپنے ہم عمر بچوں کی تلاش رہتی ہے۔ جن کے ساتھ وہ کھیل کود سکیں لیکن بابر نے اب تک کسی ہمجولی کی ضرورت کو محسوس ہی نہیں کیا تھا اول تو بچے خود ہی اس کی بدصورتی کی وجہ سے اس کے قریب آنے کی کوشش نہ کرتے اور اگر ایسا ہوتا بھی تو بابر قریب آنے والے بچے کو اس بری طرح گھور کر دیکھتا کہ اسے کھسکنے میں ہی عافیت نظر آتی' بے حد گھمبیر اور سنجیدہ بچہ تھا۔ مجال ہے کسی وقت ہنس پڑے' ہر وقت کمرے یا پھر زیادہ سے زیادہ گھر کے صحن میں موجود رہتا اور نجانے کیا کیا سوچا کرتا۔ بعض اوقات اس کا چہرہ سچ مچ خوفناک ہو جاتا۔ آنکھوں میں وحشیانہ چمک ابھر آتی۔ ایسا لگتا جیسے اپنے کسی نادیدہ دشمن کے خلاف صف آرا ہو رہا ہو' ایسے میں' میں اسے بمشکل چونکانے میں کامیاب ہو پاتا' چونکنے کے بعد لمحوں تک وہ مجھے بھی خونخوار اور وحشیانہ نظروں سے گھورتا رہتا' پھر اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آتی اور وہ اس جگہ سے اٹھ کر گھر میں اندر کسی جگہ چلا جاتا۔
ایک خاص بات میں نے اس میں یہ محسوس کی کہ اس کی اٹھان حیرت انگیز طور پر سرعت کے ساتھ ہو رہی تھی۔ تین سال کی عمر میں کوئی چار پانچ سال صحت مند بچے کی طرح نظر آنے لگا تھا۔ جسمانی طاقت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ غصہ میں آکر اپنے سے ڈیوڑھی عمر کے بچے کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا تو نہ صرف یہ کہ بچہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور نیچے گر گیا بلکہ اس کے منہ سے خون کی بوندیں بھی زمین پر گرنے لگیں۔ عجیب بچہ تھا' باتیں کرسکتا تھا لیکن ہمیشہ خاموش اور کسی گہری سوچ میں گم نظر آتا' بعض اوقات اس پر بے چینی مسلط ہو جاتی اور وہ اپنی دھن میں ڈوبا ہوا سارے گھر میں ادھر سے ادھر تک چکراتا پھرتا' وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی عجیب عجیب حرکتوں میں بھی اضافہ ہوتا رہا چنانچہ جن دنوں کا میں ذکر کر رہا ہوں اس کی بے چینی جنون کی حدوں کو چھونے لگی تھی۔
میرے تبادلہ کی خبر سن کر کئی منٹ تک تو وہ بالکل خاموش اور گم سم سا رہا جیسے کسی گہری سوچ میں مبتلا ہو' پھر مضطربانہ انداز میں ٹہلنے لگا' اس کی اس مجنونانہ حرکات کا اگرچہ اب میں عادی ہو گیا تھا لیکن اس کا اس وقت کا اضطراب اور بے چینی مجھے کچھ عجیب سی محسوس ہوئی۔ چنانچہ کچھ دیر تک اس کی کیفیت کو دلچسپ اور پر غور نظروں سے دیکھتا رہا' پھر بولا۔
"کیا بات ہے بابر؟ ایسا لگتا ہے جیسے میرے تبادلے کی خبر سن کر تمہیں تکلیف ہوئی مگر بیٹے! یہ تو بڑی مزیدار خبر ہے' تم ریل گاڑی میں سفر کرسکو گے۔"
لیکن بابر کی اس کیفیت میں ایک ذرا سی بھی کمی نہیں ہوئی' میرے الفاظ گویا اس نے سنے ہی نہیں تھے' یا اگر سنے تھے تو اس کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔
"بابر! میں نے اسے آہستہ سے پکارا۔ مگر اس کے کان میری طرف سے سچ مچ بند ہو چکے تھے۔ مجال ہے جو اس نے میری طرف ذرا سی بھی توجہ دی ہو۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
"بابر! میں نے تیسری بار اسے مخاطب کیا۔ اس مرتبہ وہ آہستہ سے چونک پڑا۔ اب اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھی اور وہ بڑے غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اس نے مجھ سے کہا۔

"ابو! فرید گنج وہی قصبہ ہے نا جس کے چاروں طرف پہاڑ کھڑے ہیں؟"
"اس کے یہ الفاظ سن کر میں اچھل پڑا۔ بات ہی ایسی تھی آپ خود سوچئے' جس بچے نے جب ایک جگہ کا نام بھی نہ سنا ہوا اور وہ اس کا محل وقوع بتانے لگے تو کیا آپ حیرت کے مارے اچھل نہیں پڑیں گے۔ مجھے خاموش اور حیرت زدہ دیکھ کر اس نے کہا
"مجھے جواب دو ابو! فرید گنج اونچے اونچے پہاڑوں سے گھرے ہوئے قصبے ہی کا نام نہیں ہے؟"
"میں نے آج تک فرید گنج کی شکل نہیں دیکھی"
میں نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔
"البتہ سنا ہی ہے کہ اس قصبے کو چاروں طرف سے اونچے اونچے پہاڑوں سے گھیر رکھا ہے لیکن تم کو اس کے بارے میں کس طرح علم ہوا؟"
پھر بجائے کہ بابر میرے سوال کا جواب دیتا ایک مرتبہ اپنے مخصوص مضطربانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے بے چینی عیاں تھی اور چہرے سے دبے دبے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔ اچانک وہ میرے مقابل آکر کھڑا ہو گیا۔
میں نے ٹھیک کہا ہے ابو! فرید گنج کے چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ ہیں اور وہاں ایک ندی بھی ہے ندی میں پہاڑ سے گرنیوالا پانی بہتا ہے۔"
اب میں آپ کو بتاؤں کہ اس کے یہ الفاظ سن کر میری کیا حالت ہوئی' سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے آج تک اس وقت بے ہوش نہ ہونے پر حیرت ہے۔ میری جگہ اگر آپ ہوتے تو اس کی زبان سے ان انکشافات کو سن کر یقیناً زمین پر ڈھیر ہو جاتے آپ خود غور فرمائیے۔ اپنے تبادلے کی خبر سن کر میں نے بمشکل فرید گنج کے بارے میں معلومات حاصل کیں تھیں۔ ایک ایسا چھ سالہ بچہ جس نے کبھی اس قصبے کا نام تک نہیں سنا تھا اس طرح فر فر سب کچھ بتا رہا تھا۔ جیسے اپنی چھ سالہ زندگی کے دن اس نے اسی جگہ گزارے ہوں۔ پھر میرے اوپر حیرتوں کے پہاڑ نہ ٹوٹتے تو اور کیا ہوتا۔ مگر بابر کو میری حیرت یا پریشانی سے کسی قسم کی دلچسپی نہیں تھی میرا ہاتھ پکڑ کر اس نے مجھے گھورتے ہوئے پرجوش لہجے میں کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"میں نے غلط تو نہیں کہا ابو؟"

"نہیں"

میں نے جواب دیا۔

"تمہاری ایک ایک بات بالکل درست ہے لیکن تمہیں یہ سب کچھ کس طرح معلوم ہوا؟؟ تم نے تو فرید گنج کا نام بھی کبھی نہیں سنا۔"

میں نے فرید گنج کا نام نہیں سنا ابو! لیکن اس جگہ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ٹھہرو! میں ذرا سوچ لوں آہستہ آہستہ سب کچھ یاد آجائے گا۔ ہاں' فرید گنج ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں اور ایک ندی ہے جس میں پہاڑ سے گرنے والا پانی بہتا ہے اور گاؤں کے سب سے بڑے زمیندار کے گھر کے سامنے پیپل کا ایک درخت جو بہت پرانا ہے جس کے دو تنے ہیں۔"

وہ خلاء میں نظریں جمائے ہوئے اس طرح کہہ رہا تھا جیسے وہ سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہی موجود ہو۔

"فرید گنج بڑی اچھی جگہ ہے ابو! میں آج ہی وہاں جانا چاہتا ہوں' مجھے اب سے پہلے ہی وہاں چلا جانا چاہئے تھا۔"

"لیکن تم نے تو اب سے پہلے اس جگہ کا نام تک نہیں سنا تھا۔"

میں نے بمشکل کہا۔ اس لڑکے نے میرا دماغ خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کی نظریں بدستور خلا میں کسی نظر نہ آنے والے نقطے پر مرکوز تھیں اور وہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے بڑے جوش کے ساتھ بڑبڑا رہا تھا۔

"فرید گنج ..... میں وہاں ضرور جاؤں گا ..... مجھے پہلے ہی وہاں چلے جانا چاہئے تھا۔"

"بابر!" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا۔

"جی ابو!"

وہ چونک کر بولا۔

"تمہیں فرید گنج کے بارے میں اس قدر باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں۔"

میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے"

وہ سپاٹ آواز میں بولا۔

"مجھے یہ باتیں کس طرح معلوم ہوئیں۔ تم نے یہی پوچھا ہے نا ابو۔ لیکن میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ خود مجھے بھی کچھ نہیں معلوم۔ لیکن میں فرید گنج ضرور جاؤں گا۔ ہم وہاں کب چل رہے ہیں ابو۔"

"بہت جلد .... شاید دو چار دن میں ہی۔ لیکن تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔ تمہیں بتانا ہوگا کہ فرید گنج کے بارے میں تمہیں یہ باتیں کس طرح معلوم ہوئیں۔"

"میں نہیں جانتا' یقین کرو ابو۔ تم جانتے ہو کہ میں جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتا۔"

میں جانتا ہوں لیکن اس معاملہ میں تمہارا یقین نہیں کرسکتا۔ سچ سچ بتاؤ کہ تمہیں اس قصبے کے بارے میں یہ ساری باتیں کس نے بتائی ہیں؟"

"کسی نے بھی نہیں ابو' میں تو گھر سے باہر تک نہیں نکلتا"

بابر کا کہنا سو فیصدی درست تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اگر اسے سچ مچ کسی نے کچھ نہیں بتایا تو وہ باتیں اسے خود بخود کس طرح معلوم ہوگئیں۔ یہی سوال جب میں نے اس سے کیا تو وہ بولا۔

"میرے پاس تمہارے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے ابو۔ یہ سچ ہے کہ مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا۔ لیکن میں یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ ساری باتیں مجھے خود بخود کیسے معلوم ہوگئیں۔"

اور پھر دفعتاً اس نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔

"تم خود بھی بلاوجہ پریشان ہوتے ہو اور مجھے بھی کرتے ہو۔ دنیا میں شاید ہی کوئی تم جیسا باپ ہوگا۔"

"کیا بکواس ہے"

میں نے گھور کر کہا۔

"میں بدتمیزی پسند نہیں کرتا۔"

"مجھے معاف کر دو ابو۔ لیکن تمہیں مجھ سے وہ بات کبھی نہیں پوچھنی چاہئے۔ جسے میں خود بھی نہیں جانتا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بابر نے ذرا تلخ اور ناخوشگوار لہجے میں کہا اور سر جھکا کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

"اس رات میں رات بھر کروٹیں بدلتا رہا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور جا چکی تھی اور ذہن میں بار بار صرف ایک ہی سوال ابھر رہا تھا۔

"بابر کو فرید گنج کے بارے میں کس طرح وہ باتیں معلوم ہوئیں۔ کس طرح، آخر کس طرح معلوم ہوئیں؟؟"

لیکن صبح تک سوچتے رہنے کے باوجود مجھے اپنے اس سوال کا کوئی جواب نہیں مل سکا۔ فرید گنج پہنچنے کے فوراً بعد جو بات میں نے سب سے پہلے محسوس کی۔ وہ بابر ہی سے متعلق تھی۔ فرید گنج کا نام سن کر جو تبدیلی اس میں پیدا ہوئی تھی وہاں پہنچ کر اس میں حیرت انگیز حد تک اضافہ ہوا تھا۔ اس کی بے چینی پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی تھی اور اندرونی جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ زیادہ تر اس کا چہرہ دہکتے ہوئے توے کی مانند روشن رہتا آنکھوں میں جیسے شعلے لپکتے رہتے اور ہاتھوں کی مٹھیاں بار بار بھنچ جاتیں۔ سارے دن میں اسے بے چینی اور بے قراری کے عالم میں چھوٹے سے کوارٹر کے کمرے اور صحن میں ٹہلتے دیکھتا رہتا۔ راتیں بھی کچھ ایسے ہی عالم میں گزرتی تھیں۔ میں اس رات بھی ایک لمحے کے لیے نہ سو سکا اور مسلسل بابر کے بارے میں سوچتا رہا۔ کبھی مجھے ایسا لگتا جیسے وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہو۔ کبھی وہ مجھے کسی بدروح کے گندے اثر میں نظر آتا اور کبھی باجی کے الفاظ یاد آنے لگے۔ انہوں نے اب سے کوئی پانچ سال پہلے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ کہا تھا۔ اختر! یہ مجھے کسی انسان کی اولاد نہیں معلوم ہوتا ابھی سے اس کی حرکتیں بے حد پراسرار ہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ کوئی بدروح ہو۔" اور واقعی اس کی حرکتیں ایسی ہی تھیں کہ اس پر کسی بدروح کا گمان ہوتا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں توہم پرست یا فاسق العقیدہ مسلمان نہیں اور بد ارواح کے وجود کا تو کبھی قائل نہیں رہا اگر ہوتا تو بوکھلاہٹ اور خوف کے عالم میں یقیناً بابر سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کر چکا ہوتا۔ مگر میں نے اب تک اس قسم کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ ہاں میری الجھن اور پریشانی میں ضرور دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور اب فرید گنج پہنچنے کے بعد تو ذہن جیسے ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ بدروحوں کا قائل نہ ہونے کی وجہ سے مولوی و ملاؤں کا بھی قائل نہیں تھا اور اتنی سکت نہیں تھی کہ دماغی امراض کے کسی ماہر سے رجوع کرتا اور مشورہ حاصل کرتا۔" بابر کی دیوانگی ہر لمحہ بڑھتی جا

رہی تھی، اس دن اس نے ناشتہ بھی نہیں کیا اور مسلسل کبھی کمرے میں اور کبھی صحن میں ٹہلتا رہا۔ میں نے بلایا بھی تو اس نے ناشتہ کرنے سے صاف طور پر انکار کر دیا۔ میرے ڈانٹنے ڈپٹنے پر صرف اتنا ہوا کہ ناگواری کے ساتھ ایک چائے کی پیالی پی لی۔ ذرا سوچیے تو سہی۔ چھ سال کا بچہ اور اس قسم کی حرکتیں! چائے پینے کے دوران بھی اس پر دیوانگی کی کیفیت طاری رہی، چائے پینے کے بعد اس نے پیالی نیچے باورچی خانے کے فرش پر رکھ دی پھر میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"تم پریشان ہو ابو! شاید رات بھر جاگتے بھی رہے ہو۔"

"ہاں بیٹے!"

میں نے اس کی ذہانت کی دل ہی دل میں تعریف کرتے ہوئے جواب دیا۔

"میں رات بھر نہیں سو سکا۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"کیوں ابو!"

"تمہاری وجہ سے بیٹے۔ تمہاری یہ حالت مجھ سے کسی طرح نہیں دیکھی جاتی۔"

"لیکن مجھے کچھ بھی تو نہیں ہوا ہے ابو! تم بلاوجہ اس قدر پریشان ہو رہے ہو۔"

"مجھے بہلاؤ مت بیٹے! میں تمہاری حالت دیکھ رہا ہوں فرید گنج پہنچنے کے بعد سے تم میں ایک زبردست تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ تم پہلے سے کہیں زیادہ بے چین نظر آتے ہو۔"

"یہ تو ہے"

بابر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"مگر میں بیمار نہیں ہوں ابو! دراصل"

"ہاں، ہاں کہو نا۔ تم خاموش کیوں ہو گئے؟"

میں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"کچھ نہیں ابو۔ دراصل میں خود بھی کچھ نہیں جانتا۔ بس جی چاہتا ہے کسی کو قتل کر ڈالوں۔ مگر کسے کر ڈالوں۔ یہ مجھے بھی نہیں معلوم۔ اتنا ضرور ہے کہ میں کسی سے نفرت کرتا ہوں کسی کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ کسی سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ مگر وہ کون ہے، جس سے مجھے انتقام لینا ہے۔ یہ میں نہیں جانتا؟"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"پتہ نہیں ابو ..... میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ لیکن کچھ نہ کچھ ہے ضرور نظر نہ آنے والی طاقت مجھے کسی سے انتقام لینے پر اکسا رہی ہے۔ اور میں اس سے ضرور انتقام لوں گا۔ تم دیکھ لینا وہ کسی طرح میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکے گا۔ میں اس کی جان لے کر رہوں گا۔ یہ ضروری ہے ابو' کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا' اگر میں نے اس کی جان نہیں لی اور اگر میرا انتقام پورا نہیں ہوا' تو' تو نجانے کیا ہو گا ابو' شاید میرا دماغ پھٹ جائے' شاید میں مر جاؤں۔ اس کی بات سن کر مجھ پر کیا کچھ گزری ہو گی اس کا اندازہ لگانا کوئی بہت زیادہ مشکل بات نہیں۔ میں نے بمشکل اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"نجانے تجھے کیا ہو گیا ہے بابر! خدا کے لیے یہ پاگلوں جیسی باتیں کرنا چھوڑ دے۔ ورنہ تیرے ساتھ ساتھ میں بھی پاگل ہو جاؤں گا۔"

"تم بلاوجہ پریشان ہو ابو' میں بالکل ٹھیک ہوں اور اب میں ایسی باتیں بھی کبھی نہیں کروں گا۔ مگر ابو..... کیا تم مجھے فرید گنج کی سیر نہیں کراؤ گے۔"

میں اس کی یہ فرمائش سن کر چونکے بغیر نہیں رہا۔

"فرید گنج میں کیا دھرا ہے بابر۔"

میں نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

"یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں تم سیر کے لیے جا سکو۔"

"مگر میں فرید گنج کی سیر ضرور کروں گا ابو ..... میں یہاں کے پہاڑ اور ندی دیکھنا چاہتا ہوں اور پیپل کا وہ درخت بھی جو گاؤں کے سب سے بڑے زمیندار کے گھر کے سامنے کھڑا ہے۔"

اس نے کسی ضدی بچے کی طرح مچل کر کہا۔

"اس وقت اس کا چہرہ ہر قسم کے غیض و غضب اور نفرت کے جذبات سے عاری تھا اور وہ ایسے ہی انداز میں ضد کر رہا تھا جیسے بچے کرتے ہیں۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے میں نے بڑے پیار سے کہا

"اچھی بات ہے اگر تم کچھ دیر گھومنا پھرنا چاہتے ہو تو گھوم پھر لینا لیکن اس سے پہلے تمہیں میری ایک شرط پوری کرنی ہو گی۔"

"کونسی شرط ابو"

"آج کی رات اور آج کا دن تمہیں سکون کے ساتھ گزارنا پڑے گا' چاہو تو گھر میں یا گھر سے باہر کھیل کود کر دل بہلا سکتے ہو' لیکن تمہاری موجودہ حالت میں اب کوئی تبدیلی نہ ہو۔"

"یہ میرے بس کی بات نہیں ہے ابو! مگر میں کوشش کروں گا کہ آپ کی پریشانی کا باعث نہ بنوں۔"

اس کا یہ جواب سن کر جی خوش ہو گیا' بابر عام طور پر خاموشی کی زندگی گزارنا پسند کرتا تھا اور بہت کم کسی سے کچھ بولتا تھا لیکن جب بولتا تھا تو اس کی گفتگو بڑے بڑوں کو ورطۂ حیرت میں غوطہ زن کر دیتی تھی۔ ایسی متانت' سنجیدگی اور ذہانت سے گفتگو کرتا تھا سننے والا حیرت میں مبتلا ہو جاتا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ جسامت اور صحت کے علاوہ اپنی باتوں سے بھی کم از کم دس بارہ برس کا معلوم ہوتا تھا۔

اس وقت بھی اس کے چہرے پر معصومیت اور سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی اور کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ وہ خوفناک حد تک بھی غضبناک ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب سن کر میں نے کہا۔

"شاباش" "اگر تم نے اپنا وعدہ پورا کیا تو میں بھی اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا۔ لیکن کیا تم اس وقت میرے چند سوالات کے جوابات دے سکتے ہو۔"

"کیوں نہیں ابو۔"

"شاباش! میں صرف تم سے تمہارے اس جنون ..... اور پاگل پن کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ آخر تم یک بیک پاگل کیوں ہو جاتے ہو۔ خاص طور پر فرید گنج میں تو تم بالکل ہی دیوانے ہو کر رہ گئے ہو۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ بابر؟"

"میں نہیں جانتا ابو۔ اک آگ ہے جو میرے سینے میں برابر جل رہی ہے۔ انتقام کی آگ! مجھے انتقام لینا ہے' کس سے لینا ہے اور کس کا انتقام لینا ہے۔ یہ مجھے نہیں معلوم لیکن یہ ضروری ہے کہ اگر میں انتقام نہ لے سکا۔ تو نجانے کیا ہو جائے گا ابو! شاید۔ شاید کوئی مایوس ہو جائے .... یا شاید

'وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خلا میں گھورنے لگا میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کے تاثرات بہت تیزی کے ساتھ تبدیل ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ جلدی سے بولا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ٹھیک ہے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں کل تمہیں پورا فرید گنج گھمادوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں ابو' یہ قصبہ ہے کتنا سا میں اکیلا ہی اسے دیکھ لوں گا۔"

"ٹھیک ہے لیکن اجنبی گلیوں اور پگڈنڈیوں ۔

"تم اس کی فکر نہ کرو ابو ۔ میں کم از کم اس گاؤں میں ہرگز راستہ نہیں بھول سکتا۔ بابر پراسرار انداز میں مسکرایا۔

"کیوں؟ کیا تم یہاں پہلی مرتبہ نہیں آئے؟"

میں نے ذرا حیرت سے پوچھا

"پہلی مرتبہ ہی آیا ہوں۔ لیکن پھر بھی یہ قصبہ اس کی گلیاں اور پگڈنڈیاں میرے لیے اجنبی نہیں ۔ میں اس گاؤں کے کونے کونے سے واقف ہوں ابو اور ..... اور ..... چند گاؤں والوں کو بھی شاید تم نہیں جانتے ہوگے' لیکن میں تمہیں بتاؤں گا کہ گاؤں کا چودھری چاچا خیر دین ہے۔" بڑا زمیندار اس سے حسد کرتا ہے ۔ اور بازار کے نکڑ پر امام دین حلوائی کی دکان ہے اس کے بالکل سامنے کالے خان سبزی والا بیٹھتا ہے۔ اور .... اور بھی بہت کچھ یاد آرہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میری پوری زندگی اسی گاؤں میں گزری ہو۔"

میں آنکھیں پھاڑے اس طرح اسے گھور رہا تھا جیسے وہ سچ مچ کی انسان کی اولاد نہ ہو' دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہو۔ یا پھر بقول باجی کوئی بد روح ! مجھے ابھی تک اس بات پر حیرت ہے کہ بابر کے منہ سے ایسی ہوش اڑا دینے والی باتیں سننے کے باوجود میں بے ہوش ہونے سے آخر کس طرح بچ گیا۔ سچ بتایئے' اگر میری جگہ آپ ہوتے تو کیا بے ہوش ہی نہ ہو جاتے ۔ بابر اور بھی نجانے کیا کہتا رہا لیکن میں کچھ بولنے سے قاصر تھا۔ آخر جب وہ خاموش ہوا تو میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"خدا کے لیے اب بس کرو۔ تم اپنے ساتھ ساتھ میرا بھی دماغ خراب کر دو گے۔"

بابر اس طرح مجھے دیکھنے لگا جیسے میرا کہا ہوا ایک لفظ بھی اس کے پلے نہ پڑا ہو۔ چند لمحے بعد وہ بولا

"کبھی کبھی تمہاری باتیں بھی میری سمجھ میں نہیں آتیں لیکن میں تم نے صرف ایک

سوال پوچھنا چاہتا ہوں اگر تم وعدہ کرو کہ تم جھوٹ نہیں بولو گے۔"

"کیا مطلب؟ اب تم بدتمیزی بھی کرو گے۔"

میں نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"نہیں ابو ! میں ساری دنیا سے بدتمیزی کرسکتا ہوں لیکن تمہارے ساتھ نہیں۔"

"مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دن بدن گستاخ اور سرکش ہوتے جارہے ہو خیر تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔"

"اس طرح نہیں پہلے وعدہ کرو کہ تم مجھے ٹالو گے نہیں۔"

مجھے اس کے الفاظ سن کر ایک مرتبہ پھر تاؤ آگیا۔ لیکن سچ بولنے کا وعدہ تو کرنا یہ پڑا تھا۔ دراصل اس وقت میرے فرشتے بھی نہیں اندازہ لگا سکتے تھے کہ بابر مجھ سے کس قسم کا سوال کرے گا۔ چنانچہ جب میں نے اس سے اس کا سوال سنا تو یقین کیجئے کہ بری طرح سناٹے میں آگیا۔ چند لمحوں کے لیے میری قوت گویائی گویا سلب ہوکر رہ گئی تھی اور جب تحیر کی شدت میں کچھ کمی ہوئی تو میں نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"یہ خیال تمہارے ذہن میں کس طرح آیا۔"

"آپ ہی آپ ..... ایسا لگتا ہے جیسے کوئی میرے ذہن میں سرگوشیاں کر رہا ہو۔ رات سے برابر کوئی یہی کہے جارہا ہو کہ تم میرے باپ نہیں ہو' میرا باپ اور کوئی ہے ..... جسے میں نے آج تک نہیں دیکھا۔

"یا خدا کیا ماجرا ہے یہ ۔ میری حیرت گزرنے والے ہر لمحہ کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ راز جس سے صرف میں ہی واقف تھا ۔ یا پھر باجی اور ان کے گھر والے۔ آخر بابر کے علم میں کس طرح آگیا ؟ کیا سچ مچ اس میں کوئی بد روح حلول کر گئی تھی اگر نہیں تو پھر بابر پر یہ انکشافات کیوں ہو رہے ہیں۔ وہ نہ صرف یہ کہ فرید گنج کے محل وقوع سے بھی اچھی طرح واقف تھا بلکہ اس گاؤں کی ایک ایک گلی اور ایک ایک پگڈنڈی اس کے علم میں تھی۔ پر بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی تھی بلکہ وہ گاؤں کی مشہور شخصیتوں کو بھی جانتا تھا اور اس وقت تو اس نے ایک ایسا سوال کیا تھا جس کا تصور کچھ دیر پہلے تک میرے فرشتے بھی نہیں کرسکتے تھے۔ باجی اسے اب سے چند برس پہلے اسے میری نگہداشت میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دیکر اس شہر سے سینکڑوں میل دور ملک کے ایک دور افتادہ شہر میں چلی گئی تھیں۔ اور میرے کچھ بتانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے خاموش اور سوچ میں مبتلا دیکھ کر اس نے کہا۔

"میرے سوال کا جواب دو۔ ابو تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"مجھے اپنا وعدہ یاد ہے لیکن پہلے تم بتاؤ کہ یہ نیا خیال تمہارے ذہن میں پیدا کیوں ہوا؟"

"کیا خبر ..... میں نے اسے کبھی دیکھا ہو تو بتاؤں۔ لیکن کوئی ہے ضرور! شاید وہی مجھے کسی سے انتقام لینے کے لیے اکسا رہا ہے۔ میرے سوال کا جواب دو ابو۔ سچ بولتے ہوئے تمہیں گھبرانا یا پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ اگر تم میرے باپ نہیں ہو تو بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا تم نے مجھے اس طرح پالا ہے جس طرح ایک باپ اپنے اکلوتے اور لاڈلے بچے کی پرورش کرتا ہے۔ میں ہمیشہ اسی طرح عزت کرتا رہوں گا۔ اس کی گفتگو سن کر ہر لحظہ میرے ہوش اڑتے جا رہے تھے۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا جواب دوں۔ بہرحال یہی طے کیا کہ اب حقیقت کا اظہار کر دینا چاہئے۔ جھوٹ بولنے سے فائدہ کیا تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا

"تمہارا شبہ اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ میں نے تمہیں باپ کی طرح پالا ضرور ہے لیکن میں تمہارا باپ نہیں ہوں۔"

"پھر میرا باپ کون ہے ابو؟ اس نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"میں نہیں جانتا"

میری گردن خود بخود جھک گئی۔ مجرم اور گناہ گار نہ ہونے کے باوجود میں خود کو مجرم اور گناہ گار سمجھ رہا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ تمہارا باپ کون ہے۔ میں تمہاری ماں سے بھی واقف نہیں ہوں۔ تم مجھے ایک برساتی نالہ کے قریب پڑے ہوئے ملے تھے اور نجانے کیوں۔ شاید کسی غیر مرئی قوت کے اشارے پر میں نے تمہیں نہایت محبت اور ہمدردی کے ساتھ اپنی گود میں اٹھالیا۔"

میں نے اسے جواب دیا۔

"مجھے یقین تھا کہ تمہارا یہی جواب ہوگا۔"

بابر نے آہستہ سے کہا اور ایک بار پھر مضطربانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں اضطراب کے ساتھ ساتھ سوچ کی گہری پرچھائیاں بھی لہرا رہی تھیں۔ جیسے کوئی لاینحل مسئلہ حل کرنے میں مصروف ہو۔ بابر نے اگرچہ مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ رات کو سکون کے ساتھ سونے کی کوشش کرے گا مگر میں دیکھ رہا تھا کہ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ یہ ضرور تھا کہ وہ اپنے بستر پر دراز تھا اور پرسکون نظر آ رہا تھا۔ لیکن مجھے اب تک یقین ہے کہ اس رات اس کی بے چینی اس کا اضطراب اور اس کی بے قراری عروج پر تھی۔ وہ بار بار اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ ہوسکتا ہے سونے ہی کوشش کر رہا ہو لیکن نصف شب گزر جانے کے باوجود نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں پلکوں کے درمیان خفیف سی دراز پیدا کر کے بڑے غور سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اچانک میں نے اسے بستر سے اٹھتے ہوئے دیکھا اور میرے دل کی دھڑکنیں خود بخود تیز ہو گئیں۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے اور آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میری آنکھیں اسے اس قدر خطرناک اور ڈراؤنے روپ میں دیکھ رہی تھیں۔ بس ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کوئی خونخوار درندہ اس کے اندر انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا ہو۔ بستر سے دونوں پاؤں لٹکا کر اس نے اپنی شعلہ بار نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں غالباً وہ اس بات کا اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ میں جاگ تو نہیں رہا۔ اسے اپنی طرف متوجہ پا کر میں پوری طرح ہوشیار اور چوکنا ہو گیا۔ میں نے آنکھوں کی خفیف سی جھری بھی بند کر دی اور تمام تر توجہ قوت سماعت پر مرکوز کر دی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت میں خود کو خاصا پریشان اور گھبرایا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہو چکی تھیں اور حلق میں کانٹے محسوس ہو رہے تھے۔ نجانے کیوں کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے عنقریب کوئی اہم بات رونما ہونے والی ہے۔ شاید کوئی ناخوشگوار واقعہ جس کی منحوس اور بھیانک پرچھائیاں مجھے وقت سے پہلے ہی بابر کے چہرے پر رقص کرتی نظر آ رہی تھیں؟"

دفعتاً وہ بستر سے نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا چند لمحوں بعد آگے بڑھ کر میرے قریب آیا۔ پھر جوتا یا چپل پہنے بغیر دبے پاؤں چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ میرا ذہن بڑی تیزی کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ساتھ سوچ رہا تھا۔ جلدی سے میں نے ایک فیصلہ کیا اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے خود کو تیار کرنے لگا۔ دراصل اس کے محتاط انداز نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ مجھے نیند میں غافل سمجھ کر وہ غالباً گھر سے باہر نکلنا چاہتا ہے۔

دروازہ کھولا اور بند کر دیا.... گویا بابر گھر سے باہر نکل چکا تھا۔ میں نے پیروں میں سلیپر ڈالے۔ مگر پھر اگلے ہی لمحے انہیں اتار دیا۔ سلیپروں کی موجودگی میں قدموں کی آوازوں کا آنا لازمی تھا اور میں کسی قیمت پر یہ پسند نہیں کرسکتا تھا کہ بابر اپنے تعاقب سے باخبر ہو جائے۔ چنانچہ کوئی ایک منٹ بعد اس کی طرح میں بھی ننگے پاؤں گھر سے باہر نکل رہا تھا۔ چاند کی آخری تاریخوں کی راتیں تھیں اور فرید گنج کے چھوٹے سے قصبے پر چہار سو گہری تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ میں نے اسے تائید ایزدی سمجھا کیونکہ اندھیرے کی وجہ سے میں بابر کو تعاقب کے شبے میں مبتلا کیے بغیر اپنی مصروفیت کو جاری رکھ سکتا تھا۔ ایک منٹ کے عرصے میں وہ کوارٹر سے کوئی دو گز کے فاصلے پر نکل چکا تھا۔ اور تاریکی کی وجہ سے بمشکل نظر آرہا تھا۔ میں نے اتنا فاصلہ مناسب سمجھا۔ اور دبے پاؤں مگر تیزی کے ساتھ اس کا تعاقب کرنے لگا۔ مجھے نہ صرف اس کی تیز رفتاری پر حیرت تھی بلکہ اس لیے بھی متحیر تھا کہ فرید گنج کے راستوں سے ناواقف ہونے کے باوجود وہ اس طرح گاؤں کی طرف جانے والے پر پیچ راستے پر قدم اٹھا رہا تھا جیسے وہ سارا علاقہ بہت اچھی طرح اس کا جانا پہچانا رہا ہو۔ ریلوے کوارٹر سے گاؤں کی آبادی کا فاصلہ کوئی ایک میل کے قریب تھا اور اس میل کے راستے میں جگہ جگہ متعدد پیچ وخم تھے۔ مگر مجال ہے کہ وہ اس راستے پر چلتا ہوا ذرا بھی جھجکا ہو۔ ذرا تصور کیجئے اندھیری رات' نصف شب کے بعد کا عمل اور چاروں طرف پھیلی ہوئی تاریکی اور سناٹا۔ خاصے خوانمرد بھی ایسے موقع پر اتنا طویل راستہ طے کرتے ہوئے ہچکچاہٹ میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر وہ تو ابھی کم سن بچہ تھا کیا ہوا اگر اپنی جسامت' ہمت و جرات اور ذہانت کی وجہ سے اصل عمر سے دوگنی عمر کا نظر آتا تھا۔ حقیقتاً تو ابھی اس کی عمر اتنی ہی تھی۔

جیسے ہی آبادی قریب آئی گاؤں کے یہ آوارہ کتے اس کا استقبال کرنے کو آگے بڑھے کوئی اور بچہ ہوتا تو یقیناً خوفزدہ ہوکر بھاگ اٹھتا لیکن بابر کے کانوں تک تو گویا ان کے چیخنے چلانے کی آوازیں ہی نہیں پہنچ رہی تھیں۔ بڑے اطمینان کے ساتھ آگے بڑھتا چلا

جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ہم گاؤں میں داخل ہو گئے۔ بابر ابھی تک اپنے تعاقب سے بے خبر تھا اور اس کے قدم اب پہلے سے زیادہ جوش وخروش اور تیز رفتاری سے اٹھ رہے تھے۔ جلد ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ فرید گنج کے سب سے بڑے زمیندار جمال دین کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ جمال دین سے کل ہی اسٹیشن پر میری ملاقات ہوئی تھی اور اسی وقت میں نے جان لیا تھا کہ وہ سیاہ صورت کے ساتھ ساتھ سیاہ دل کا بھی مالک ہے۔ یوں بھی گاؤں والے اس سے بہت زیادہ تنگ نظر آتے تھے اور میں وہاں کے کئی افراد کی زبان سے اس کی شیطنت اور ظلم و جور کی داستانیں سن چکا تھا۔ ان لوگوں کے خیال میں جلال دین ایک عفریت تھا۔ جو اللہ نے گاؤں والوں کو ان کے گناہوں کی سزا دینے کے لیے ان کے سروں پر مسلط کر دیا تھا۔ مگر ! لیکن اس وقت جمال دین کی درندگی اور خباثت پر غور کرنے کا موقع نہیں تھا۔ غور کرنے کی بات تو یہ تھی کہ آخر بابر کو اس کے گھر کا کس طرح علم ہوا ؟ اور وہ کس لیے رات کی اس خوفناک تاریکی میں ..... حیرت انگیز تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتا ہوا اس کے پاس جا رہا تھا کسی اور کے پاس جانے کا سوال اس لیے نہیں پیدا ہوتا تھا کہ جمال دین کا پختہ مکان گاؤں والوں کے کچے کچے گھروں سے کچھ دور اور بالکل الگ تھلگ واقع ہوا تھا۔ ایک دفعہ جی میں آئی کہ بابر کو روک کر اس سے اس حرکت کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کروں لیکن پھر دوسرے ہی لمحہ عقل پر تجسس کا جذبہ غالب آگیا اور میں نے فوراً ہی اپنا خیال بدل دیا۔ اگر میں آگے بڑھ کر اسے روکنے کی کوشش کرتا تو وہ ٹھہر تو ضرور جاتا لیکن میری عقل کبھی اس راز سے باخبر نہ ہو پاتی جس پر سے پردہ اٹھانے کے لیے بابر کے قدم تاریکی اور سناٹے میں زمیندار کے گھر کی طرف اٹھ رہے تھے۔ جب زمیندار کا گھر بالکل قریب آگیا تو میں ایک درخت کی آڑ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ یہاں پر زمیندار کا مکان ستاروں کی چھاؤں میں بالکل صاف طور پر نظر آرہا تھا۔ اور وہ پیپل کا درخت بھی جس کے بارے میں سب سے پہلے بابر نے ہی مجھے بتایا تھا۔ میں بڑے غور سے آگے بڑھتے ہوئے بابر کی طرف دیکھ رہا تھا چند لمحے بعد ہی میں مکان کے دروازے پر پہنچ گیا اور پھر میں نے دستک کی بلند اور پرشور آواز سنی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اس آواز کو سن کر اندر سونے والوں میں سے ضرور کسی نہ کسی کی آنکھ کھل گئی ہو گی اور جلد ہی ثابت ہو گیا کہ میرا خیال غلط نہیں تھا۔ میرے کانوں میں دروازہ کھلنے کی چرچراہٹ کی آواز آئی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور پھر اس کے فوراً بعد میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے بوڑھے آدمی کو دیکھا ظاہر ہے کہ ..... خلاف توقع وہ اپنے سامنے ایک کم عمر کے بدصورت بچے کو دیکھ کر متحیر ہوئے بغیر نہ رہا ہوگا۔ میں نے اس کی تحیر زدہ آواز سنی۔

"تم کون ہو؟ کیا بات ہے؟"

"میں اس گاؤں کے اسٹیشن ماسٹر کا بیٹا بابر ہوں۔ مجھے اس وقت زمیندار جی سے ملنا ہے۔"

"اس وقت"

بوڑھے نے حیرت کے ساتھ اس کے الفاظ دہرائے

"یہ وقت زمیندار صاحب سے ملنے کا ہے۔"

"کچھ بھی ہو میں ان سے اسی وقت ملنا چاہتا ہوں۔ تم انہیں اٹھاؤ"

"یہ نہیں ہوسکتا۔ تم اس وقت جاؤ دن میں کسی وقت آنا۔"

"مگر میں اس وقت ان سے ملنا چاہتا ہوں تم اٹھا تو دو کہنا کہ اسٹیشن ماسٹر صاحب کا لڑکا ملنے آیا ہے۔ ایک بے حد ضروری کام درپیش ہے۔"

کچھ بھی ہو بھیا میں نہیں اٹھا سکتا۔ کھا جائیں گے مجھے۔

"نہیں کھائیں گے۔"

ہاں اگر انہیں صبح کو یہ معلوم ہو کہ میں رات کو ان سے ملنے آیا تھا اور تمہاری وجہ سے ملاقات نہ ہوسکی تو ضرور تمہیں نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

بوڑھا اس جواب سے شاید الجھن میں مبتلا ہوگیا۔ چند لمحوں تک سوچتا رہا پھر اندر کی طرف مڑ گیا۔ میں اپنی جگہ پر حیران اور پریشان کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ عقل بالکل جواب دے چکی تھی اور کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے! یا کیا ہونے جا رہا ہے۔ بابر کی جنونی کیفیت اب ایک نیا رخ اختیار کر گئی تھی۔ وہ فرید گنج کے سب سے بڑے زمیندار جمال دین سے ملنے آیا تھا۔ اس سے پہلے کبھی اس نے خواب میں بھی اس کی شکل نہیں دیکھی تھی اور ایک جمال دین پر ہی کیا منحصر۔ وہ اس قصبے کے کسی ایک فرد سے بھی واقف نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود اسے وہاں کے کئی لوگوں کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم تھیں۔ وہ فرید گنج کی ایک ایک گلی اور ایک ایک سڑک سے واقف تھا۔ مگر

اس وقت تو میرے ذہن میں صرف ایک سوال ہی چبھ رہا تھا۔ اور وہ یہ کہ ..... بابر نے کبھی جس شخص کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی اور جس سے اس کا کوئی معمولی سا بھی تعلق نہیں رہا تھا۔ اس سے نصف شب کے بعد اس طرح ملاقات کرنے کی آخر کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ لیکن جیسا کہ میں نے ابھی کچھ دیر پہلے عرض کیا، عقل بالکل جواب دے چکی تھی اور جی چاہتا تھا کہ بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑوں۔ اچانک میں نے جمال دین کو باہر آتے دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے بابر کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"بہت خوب تو تم آگئے، میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا"

"کیوں؟ دینوں چاچا نے بتایا تھا کہ تم نئے اسٹیشن ماسٹر کے لڑکے ہو"

"جمال دین نے کہا اور اس کی آواز کا اکھڑ پن میں نے صاف طور پر محسوس کر لیا۔

"دینو چاچا نے تم سے ٹھیک کہا تھا۔ میں نئے اسٹیشن ماسٹر کا لڑکا ہوں۔"

میں نے بابر کی آواز سنی۔

"مگر تم اس وقت مجھ سے ملنے کیوں آئے ہو؟ اور مجھے حیرت ہے اندھیرے اور سناٹے میں اسٹیشن سے یہاں تک آنے میں تمہیں خوف نہیں محسوس ہوا"

"خوف کیوں محسوس ہوتا۔"

"ابھی تم بچے ہو، آدھی رات کے بعد تمہیں اس طرح تنہا نہیں گھومنا چاہئے مگر کیا تمہیں اسٹیشن ماسٹر نے بھیجا ہے، وہ خود یہاں تک نہیں آسکتے تھے؟"

"کچھ ایسی ہی بات تھی مجھ سے کہہ رہے تھے کہ اگر تم نے ان سے ملنے میں ٹال مٹول سے کام لیا تو ایک بہت بڑے فائدے سے محروم ہو جاؤ گے۔"

"مگر وہ تو مجھے ٹھیک سے جانتے بھی نہیں۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ ابو نے اس وقت تمہیں ایک بے حد ضروری کام سے بلایا ہے کیا تم اس سے کام کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ میں اس اندھیرے اور سناٹے میں ایک میل سے زیادہ کا فاصلہ طے کرکے تمہیں بلانے آیا ہوں۔"

ان الفاظ کو سن کر جمال دین کو الجھن اور پریشانی میں مبتلا ہونا ہی تھا کچھ دیر تک وہ بالکل چپ چاپ کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر گہری سانس لیکر بولا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اچھی بات ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ لیکن مجھے حیرت ضرور ہے۔"

"بہت جلد تمہاری حیرت دور ہو جائے گی۔"

"تم اس جگہ ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔" جمال دین اتنا کہہ کر تیزی کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہو گیا اور بابر ایک دفعہ پھر اس کا انتظار کرنے لگا۔ میں اپنی جگہ پر بالکل چپ چاپ کھڑا خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔ یہ بات تو اپنی جگہ بالکل طے تھی کہ بابر جمال دین کو اسٹیشن کی طرف یا کہیں اور لے جانا چاہتا ہے لیکن وہ ایسا ہی کیوں چاہتا ہے۔ یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ ایک دفعہ جی میں آئی کہ جمال دین کے دوبارہ باہر آنے سے پہلے بابر کو سنبھالنے کی کوشش کروں' خدا جانے اس کے کیا ارادے ہیں وہ جمال دین کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ لیکن فطری تجسس ایک مرتبہ پھر آڑے آیا اور اگلے ہی لمحہ' اپنی جگہ سے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

کچھ دیر کے بعد جمال دین کی صورت دوبارہ نظر آئی۔ اس دفعہ وہ شلوار اور ڈھیلی ڈھالی قمیض میں ملبوس تھا۔ سر پر بڑی سی سفید پگڑی موجود تھی اور سیدھے ہاتھ میں ایک لمبی سی اور مضبوط لاٹھی نظر آرہی تھی۔"

"آؤ"

اس نے بابر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"چلو ہم کھیتوں سے گزر کر چلیں گے۔"

"کیوں؟ کھیتوں میں سے کیوں؟"

جمالدین نے اسے گھور کر کہا۔

"ابو نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ انہیں جتنی جلدی ہو سکے تم سے مل لینا چاہئے۔ کھیتوں سے گزر کر شاید ہم چند منٹ پہلے ان تک پہنچ جائیں۔"

"لیکن"

جمال دین ہچکچا رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ موت کے بھیانک سائے اسے اپنے اردگرد منڈلاتے نظر آرہے تھے۔ بابر نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"آؤ' تمہیں ہر ممکن عجلت کے ساتھ ابو کے پاس پہنچنا ہے' انہوں نے کہا تھا کہ

وقت کا ایک ایک لمحہ بے حد قیمتی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے"

جمال دین آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"آخر تم بتاتے کیوں نہیں کہ قصہ کیا ہے؟"

"مجھے کچھ معلوم ہو تو بتاؤں بھی' آخر تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ کھیتوں سے گزرتے وقت میں تمہیں کھا تو نہیں جاؤں گا۔"

"کیا بکواس ہے .... کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں تم سے ڈر رہا ہوں۔"

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر میں چاہوں بھی تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تمہارے مقابلے میں بے چارے بابر کی حیثیت ہی کیا ہے"

اس گفتگو کے بعد میں نے انہیں آگے بڑھتا دیکھا' پھر ظاہر ہے کہ تعاقب کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا لیکن اس بار میں ان سے کچھ فاصلے پر تھا۔ چنانچہ ان کی آپس کی گفتگو کا ایک لفظ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا۔ چند منٹ بعد ہم آگے پیچھے چلتے ہوئے کھیتوں میں داخل ہوئے۔ کھیتوں میں کھڑی ہوئی فصلوں کے کٹنے میں اب کچھ زیادہ دن نہیں رہے تھے۔ اور ان کی آڑ میں چلنے کے لیے جھکنے کی ضرورت نہیں آرہی تھی چنانچہ میں محتاط انداز میں قدم اٹھاتا ہوا تیزی کے ساتھ ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ اب ان کی گفتگو دوبارہ میرے کانوں تک پہنچ سکتی تھی۔ لیکن وہ بالکل خاموشی کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھائے آگے بڑھ رہے تھے۔ میرا اور ان دونوں کا درمیانی فاصلہ بمشکل دس فٹ کے قریب رہا ہوگا۔ اچانک میں نے جمال دین کی آواز سنی۔

"تم مجھے محض پریشان ہی تو نہیں کرنا چاہتے۔ ننھے شیطان؟"

جمال دین کے بڑھتے قدم دفعتاً رک گئے تھے اور اسی لمحے میرے ذہن میں روشنی کا ایک تیز جھماکہ ہوا۔ بابر نے دن میں کئی بار مجھے بتایا تھا کہ کسی سے انتقام لیکر اپنے سینے کی آگ کو سرد کرنا چاہتا ہے تو کیا جمال دین ہی وہ شخص تھا جسے قتل کرنے کے بعد اس کے سینے میں دہکتی ہوئی انتقام کی آگ سرد پڑ سکتی تھی؟؟

"مگر کیوں ..... کیوں وہ جمال دین کو ختم کرنا چاہتا تھا؟ جبکہ اس سے پہلے کبھی اس نے خواب میں بھی اس کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ میں اپنے سوال

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کا جواب لینے میں کامیاب ہوتا میرے کانوں میں جمال دین کی آواز آئی۔

"تم کیا چاہتے ہو ننھے شیطان؟"

"میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں جمال دین"

بابر کی آواز سرد اور سفاکی سے بھرپور تھی۔

"آج رات' رات کو آج مجھے سب کچھ یاد آچکا ہے تم بھی اپنی یاداشت کو ٹٹولو میرا خیال ہے ان کھیتوں میں تمہیں آسانی سے اپنے سیاہ کرتوت یاد آجائیں گے۔"

"کیا کہہ رہا ہے تیرا دماغ تو خراب نہیں ہوا۔"

"میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے' البتہ تم شاید کچھ یاد کرنے کے قابل نہیں رہے ہو۔ اپنے حافظے کو تازہ کر جمال دین! کیا تمہیں وہ رات یاد نہیں' جب تم نے فرید گنج کی ایک معصوم کنیا کو انہی کھیتوں میں اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھایا تھا۔ یاد کرنے کی کوشش کرو' اس کا نام ریشماں تھا اور وہ اس گاؤں کے ایک فرشتہ صفت امام دین کی بیٹی تھی۔ تم عمر میں اس کے باپ کے برابر تھے لیکن تم نے کبھی اسے اپنی بیٹی سمجھنے کی کوشش نہیں کی' تم تو ہر قیمت پر اسے اپنی درندگی کا شکار بنانا چاہتے تھے۔ اور تم نے اب سے تقریباً نو برس پہلے انہی کھیتوں میں اسے اپنی درندگی کا شکار کرلیا۔ وہ روتی رہی چیختی رہی اور تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ جوڑ کر تم سے رحم کی بھیک مانگتی رہی۔ لیکن تم میں اس وقت انسانیت تھی کہاں' جو اس مجبور اور بے بس لڑکی پر رحم کھاتے' تمہیں اس پر ذرا رحم نہ آیا اور تمہاری یہ بے رحمی اس وقت بھی برقرار رہی جب تمہاری خباثت کے 6 بعد وہ دوبارہ تمہارے پاس رحم کی بھیک مانگنے آئی۔ تم نے اس وقت بھی اسے دھتکار دیا۔ حالانکہ اگر تم چاہتے تم میں ذرا بھی انسانیت ہوتی تو اس کی التجائیں سن کر اس کی زندگی کو برباد ہونے سے بچا سکتے تھے۔ اس سے شادی کرنا پاپ نہ ہوتا۔ تم ہی تو تھے اس کی تباہی کے ذمہ دار' لیکن تم نے اس مجبور اور مظلوم عورت کو ٹھوکریں مار کر رات کے اندھیرے اور سناٹے میں گھر سے باہر نکال دیا۔ جو تمہاری خباثت کی بھینٹ چڑھنے کے بعد اب تمہارے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ میں اس وقت اس سے دور نہیں تھا۔ اس کی ایک ایک بات میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی اور میں مجبوری اور بے بسی کے عالم میں خون کے آنسو رو رہا تھا لیکن تمہاری سنگدلی اس وقت بھی برقرار تھی۔ کاش میں اس وقت تمہیں ٹھکانے لگا دینے کے قابل ہوتا مگر اس وقت میں بھی

اس مظلوم اور بے بس عورت کی طرح تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا اور پھر .... پھر کچھ دن بعد مجھے کچھ یاد نہ رہا۔ میں سب کچھ بھول گیا' تمہاری سنگدلی اور خباثت بھی اور اپنا وہ عہد بھی جو اس وقت میں نے اپنے آپ سے اور اس بدنصیب عورت سے کیا تھا۔ جب وہ آخری مرتبہ تم سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی اور تم اس پر ٹھوکریں برسا رہے تھے مجھے ایک بات بھی یاد نہیں رہی البتہ ایک بے چینی تھی جس نے دل میں گھر کر رکھا۔ روح پر مسلط ہو جانے والا انجانا سا غم تھا اور ایک آگ تھی جو سینے میں جل رہی تھی اور جس کے شعلے میرے سارے وجود کو جھلسائے دے رہے تھے۔ میں خطرناک ترین آگ میں جل رہا تھا۔ مگر میں نہیں جانتا تھا کہ کیوں جل رہا ہوں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کچھ سال تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا اور پھر اچانک چند گھنٹے پیشتر ساری حقیقت خود بخود مجھ پر منکشف ہوگئی میں سمجھ گیا کہ فرید گنج ایک اجنبی قصبہ ہونے کے باوجود میرے لیے جانا پہچانا کیوں ہے۔ یہاں کے ان دیکھے لوگوں سے واقفیت کا راز کیا ہے اور .... اور کیوں یہاں کی ایک ایک بات میرے ذہن میں چپکی ہوئی ہے۔ حقیقت کے انکشاف نے مجھے ایک دفعہ پھر پاگل کر دیا اور نفرت اور انتقام کی آگ کے شعلے تیز تر ہوتے چلے گئے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا جمال دین کہ نو سال کی مدت میں نے کس اذیت اور کرب کے عالم میں گزاری ہے ہو سکتا کہ جہنم کی آگ میں جلتے ہوئے تم اس کا کچھ اندازہ لگا سکو۔"

میں جانتا ہوں کہ آپ میں سے بہت سے ان باتوں پر یقین نہیں کریں گے۔ کسی نو سالہ بچے کے تصور کو ذہن میں لاکر اس قسم کی تلخ اور جذباتی گفتگو کے بارے میں بھول کر بھی نہیں سوچا جاسکتا مگر میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں۔ کہ میں نے اب تک جو کچھ بیان کیا اس کا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہے۔ میں خود تک ان واقعات پر حیران ہوں اور اگر سب کچھ میرے ساتھ اور میرے سامنے پیش نہ آیا ہوتا کسی اور نے یہ ساری باتیں بیان کی ہوتیں تو آپ کی طرح کبھی یقین نہ کرتا' بابر کے ہونٹوں سے نکلنے والے ایک ایک لفظ انسانی عقل کو چکر دینے والا تھا اس کی گفتگو نا قابل فہم ہونے کے باوجود اچھی طرح سمجھ آنے والی تھی اور اسی لیے مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میری آنکھیں عالم بیداری میں کوئی خواب دیکھنے میں مصروف ہوں۔ بابر اپنی ولادت کے فوراً بعد سے میری سرپرستی میں تھا اور فرید گنج کے بارے میں اس نے کبھی خواب میں بھی کسی سے ایک لفظ نہیں سنا تھا پھر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اسے ریشماں اور جمال دین کے بارے میں کیسے معلوم ہوا اور پھر بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے بیان کے مطابق ریشماں نے اس کی موجودگی میں جمال دین سے رحم کی بھیک مانگی تھی۔ مگر وہ وقت ان باتوں پر غور کرنے کا نہیں تھا۔ حالات بے حد نازک صورت اختیار کر چکے تھے اور جمال دین کے ہاتھوں بابر کی زندگی کو خطرہ درپیش تھا۔ میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور اسی وقت میرے کانوں میں جمال دین کی آواز آئی۔ شدید حیرت اور گھبراہٹ کے عالم میں وہ بابر سے کہہ رہا تھا۔ میں ان ساری باتوں کو جھٹلاؤں گا نہیں۔ مگر تم کون ہو؟ اور تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا۔"

"میں کون ہوں اور مجھے یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا"

بابر کی آواز سنائی دی۔

"سنو! ظالم آدمی میں اس بدنصیب اور مظلوم عورت کا بیٹا ہوں۔ میں اس وقت تمہارے سامنے نہیں تھا۔ جب وہ آخری بار تمہیں خدا اور رسول کا واسطہ دینے آئی تھی۔ لیکن اس کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز بخوبی میرے کانوں میں پہنچ رہی تھی۔ میرا دل اپنی ماں کی مظلومیت اور بے بسی پر بری طرح خون کے آنسو رو رہا تھا اور یہی وقت تھا جب میں نے عہد کیا کہ تم سے اس ظلم کا انتقام ضرور لوں گا اور پھر میں تمہیں بتاؤں کہ کیا ہوا؟ میری ماں تمہاری ٹھوکریں کھا کر یہاں سے چلی گئی بلکہ اس نے شرم ذلت اور رسوائی کے خوف سے اس گاؤں کو بھی چھوڑ دیا۔ گاؤں کے ساتھ ساتھ وہ اس دنیا کو بھی چھوڑ دینا چاہتی تھی لیکن میری محبت اور میرا خیال اسے ہر ہر قدم پر خودکشی کی ہر کوشش سے باز رکھتا رہا وہ اپنے ساتھ ہی میری زندگی کو بھی موت کے حوالے کر دینے کو تیار نہیں تھی۔ چنانچہ مجبوراً اسے جینا پڑا۔ وہ مجھے جنم دینے تک زندہ رہی اور پھر جب مجھے جنم دے چکی تو مجھے کھلی زمین پر خدا کے حوالے کر کے موت کی آغوش میں کود گئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے خودکشی کرنے سے پہلے اس نے مجھے جی بھر کر پیار کر کے کہا تھا۔

"میں تمہیں اللہ کے حوالے کرتی ہوں میرے بچے' اپنی گناہ گار اور جنم جلی ماں کو معاف کر دینا میرا دل کہتا ہے کہ تم زندہ رہو گے اور دل کی آواز کبھی جھوٹی نہیں ہوتی۔ خدا تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ کاش تم اپنی مظلوم ماں کا انتقام لینے کے قابل ہوتے؟"

"تم کیا کہہ رہے ہو بیوقوف لڑکے!"

میں نے اپنے قریب سے جمال دین کی آواز سنی۔

"تمہارا دماغ تو درست ہے۔"

جواب میں بابر کا ہولناک اور وحشیانہ قہقہہ سنائی دیا تھا اور پھر ایسی آوازیں آنے لگیں تھیں جیسے جمال دین کا گلہ دبایا جا رہا ہو۔ میں بوکھلاہٹ کے عالم میں گھنے پیڑوں کو ہٹاتا ہوا پھرتی کے ساتھ اس کے قریب پہنچا۔ اور تب میں نے دیکھا کہ بابر کسی جونک کی طرح اس کی گردن سے لپٹا ہوا ہے۔ آخر کار بابر نے اسے ختم کر دیا اور اس طرح اس نے اپنی ماں کا انتقام لے لیا۔ اوہ..... یہ بھی دکھ بھری کہانی ہے میں نے کہا۔

"ہاں' اس وقت مجھے اس کا احساس نہیں ہوا تھا۔"

"میرا ایک سوال ہے۔"

"کیا؟"

"اس کہانی کا کرم شاہ سے کیا تعلق ہے۔"

"اس لیے کہ کرم شاہ وہی بچہ ہے۔"

"کیا؟"

میں اچھل پڑا۔

"ہاں' کرم شاہ کی مدد علی شاہ نے پرورش کی تھی۔"

"اف میرے خدا"

بہت دیر تک میں اس کہانی کے تاثر میں ڈوبا رہا تھا۔ بہت سے سوالات تھے یہ سوال بھی تھا کہ اس کے بعد کرم شاہ اتنا دلیر کیسے ہوا۔ لیکن چونکہ یہ مسئلہ ہمارے جواب سے تعلق نہیں رکھتا تھا اس لیے یہ بحث کرنا ضروری نہ سمجھا اور کہا۔

"کرم شاہ ہماری منزل نہیں ہے نظام علی۔"

"میں جانتا ہوں۔"

پھر اصل موضوع سے ہٹ گئے۔"

"دوبارہ اس پر آجاتے ہیں"

"تو پھر"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بتاؤ کیا کریں۔ میرے ذہن میں ایک بات ہے۔

"کیا؟"

"اس کے لیے وہ جگہ سب سے بہتر رہے گی" جہاں اس نے ہمارا قیام کرایا تھا۔ میں نے نظام کی اس بات پر گردن ہلا دی تھی۔ نظام علی حالانکہ عمر رسیدہ آدمی تھا۔ لیکن اب اس کے اندر بچوں جیسی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ ہر معاملے میں کافی دلچسپی لے رہا تھا۔ ہم آہستہ آہستہ سفر کرتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں۔ تیجا نے ہمارے لیے قیام کا بندوبست کیا تھا۔ یہ بات تو میں بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ تیجا نے یہاں جو چکر چلایا وہ انتہائی سنسنی خیز نوعیت کا حامل ہے۔ بے شمار افراد سے ان کا دین دھرم چھین کر' اپنا کوئی قدیم مقصد پورا کرنا چاہتا ہے لیکن ظاہر ہے اب یہ اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وقت گزرتا رہا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ نظام علی کو دوبارہ اس جگہ دیکھا جائے گا۔ رات پرسکون گزری ہم دونوں ہی ہوشیار رہے تھے۔ صبح کو غالباً وہ لوگ معمول کے مطابق مختلف کمروں کا جائزہ لیتے ہوئے یہاں آئے تھے اور یہ بھی لازمی بات تھی کہ یہاں موجود لوگوں کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ جس شخص نے سکندرا کے آدمیوں کو پراسرار قوتوں کے ذریعے قتل کرا دیا تھا وہ آخر کار تیجا کی قوتوں کی تاب نہ لا سکا اور تیجا نے اسے جہنم رسید کر دیا لیکن وہ رسید یہاں موجود تھی وہ ایسے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے کہ پلٹ کر نہ دیکھا اور لازمی بات ہے کہ تیجا کو اب یہ بات معلوم ہو گئی کہ ہم یہاں موجود ہیں لیکن دل گردے کا آدمی تھا۔ ہمت والا بھی تھا کافی دیر کے بعد مسکراتا ہوا ہمارے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ نظام علی کو ہی دیکھا تھا اس نے ظاہر ہے مجھے تو دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"دھنے واد! مہاراج"

نظام علی اب ان سارے معاملات میں پوری طرح ہوشیار ہو گیا تھا اور جانتا تھا کہ اسے کیا گفتگو کرنی ہے اس نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا بات کی دھن وار"

"آپ جہاں سے واپس آئے ہو وہاں سے سارا جیون کوئی واپس نہیں آیا۔ میں بتاؤں آپ کو اس جانور کی عمر بیس ہزار سال ہے مانو یا نہ مانو اور ان بیس ہزار سالوں میں اس نے کتنے انسانوں کو ہڑپ کیا ہے وہ بھی آپ نہیں سمجھ سکتے جو اس تک پہنچ گیا اس کی

واپسی ممکن نہیں ہوئی ہے تو کوئی معمولی بات نہیں کہ آپ وہاں سے واپس آ گئے۔

"ویسے تم بہت اچھے مہمان نواز ہو تیجا۔ بڑی اچھی مہمان نوازی کی ہے تم نے۔"

"نہیں مہاراج! مانو یا نہ مانو ایک بات میں تمہیں بتا دوں کہ مجھے اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ وہ پاپی جانور تمہیں ہلاک نہیں کر سکے گا۔ نظام علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"واہ! تیجا مہاراج! پھر کیا آپ نے ہمیں وہاں اس جانور کی ہلاکت کیلئے وہاں بھیجا تھا۔"

"تت..... تو کیا تم نے اسے مار ڈالا۔"

"کیسے گیانی ہو"

تمہیں اس کے بارے میں معلوم تک نہیں کہ ہم نے اسے مار ڈالا یا وہ زندہ ہے۔"

تیجا عجیب سی نگاہوں سے نظام علی دیکھنے لگا پھر بولا۔

"بھگوان کی سوگند ایک سچی بات کہی ہے تم نے۔ بڑی اہمیت رکھتی ہے یہ بات۔"

نظام علی سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تو تیجا بولا۔

"ابھی تم نے کہا ہے کہ ہم نے اسے مار ڈالا۔ مجھے معاف کر دینا مہاراج بالکل عجیب بات کہی ہے تم نے۔ تم اسے نہیں مار سکتے۔ ہم کی بات کرو۔ اس ہم کے بارے میں تو ہم جاننا چاہتے ہیں۔ ایک بات اور کہیں تم سے کالا دھرم رکھتے ہیں ہم۔ پر کالے دھرم کا بھی ایک دھرم ہوتا ہے۔ دیوی دیوتا ہوتے ہیں ہمارے اور ہم ان کے سامنے وچن باندھتے ہیں۔ جو وچن باندھتے ہیں اس کا پالن کرتے ہیں۔ مہاراج بڑی سے بڑی قسم کھلوا لو ہم سے۔ ہم کو یہ بتا دیں ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ہمارا بھی اپنا ایک علم ہے ایک گیان ہے۔ اس علم اور گیان کے حوالے سے ہم۔ تم سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ وہ تم نہیں ہو۔ جو ہم سے مقابلہ کر رہے ہو۔ وہ کوئی شکتی ہے پر وہ شکتی ہماری بدترین دشمن بھی ہو سکتی ہے۔ ہم اسی شکتی کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ تم تو ہماری ہی بستی کے آدمی ہو۔ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے تم سے تمہارا دھرم نہیں چھینیں گے۔ پر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ایک بار ہمیں اس کے بارے میں بتا دو اصل میں ہمارے بے شمار دشمن ہیں تم تو ہمارے اپنے ہو۔ وہ تو کہتے ہیں کہ اپنا مارے تو چھاؤں میں سلاتا ہے۔ غیر کو بھلا کیا پڑی ہے دھوپ چھاؤں کی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمیں اس کے بارے میں بتا دو۔

"تم پاگل ہی ہو گئے ہو' کوئی نہیں ہے میرے ساتھ میں تنہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے مہاراج ایسے نہیں مانوں گے تم۔ ہم کوئی دھمکی نہیں دے رہے تمہیں نہ ہی تمہیں ہم اس کے سامنے اس لیے لے گئے تھے۔ کہ وہ تمہیں یا تم اسے کوئی نقصان پہنچا دو۔ ہم تو اسے تلاش کرانا چاہتے تھے جو تمہارا مدد گار ہے۔ بتا دو اس کے بارے میں ہمیں مہاراج بتا دو۔ بڑی مہربانی ہو گی تمہاری۔"

"تیجا اب جب تم سامنے آ ہی گئے ہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ اپنا یہ کالا دھرم یہاں سے سمیٹ کر چلے جاؤ۔ اس بستیوں کو آزادی دے دو۔ جس آدمی کو تم نے اپنے جال میں پھانس رکھا ہے اسے اپنے طلسم سے آزاد کر دو۔ کرم شاہ اتنا برا آدمی نہیں ہے۔"

جواب میں تیجا کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"نظام علی مہاراج چلو آؤ۔ آج تمہیں تیجا کا اصلی روپ دکھا ہی دیں۔ آؤ گے ہمارے ساتھ یا ڈر لگتا ہے۔"

نظام علی نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور مردانہ وار اٹھ کھڑا ہوا پھر بولا۔

"نہیں چلو' اس بات کو دماغ سے نکال دو کہ میں تم سے کسی بھی مرحلے پر ڈر سکتا ہوں۔"

"آؤ .... آؤ ..... تمہیں ڈرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے تم نے ہمیں اپنا دوست نہیں مانا پر ہمارا من کہتا ہے کہ آخر کار تم ہمارے دوست بن جاؤ گے آؤ۔"

نظام علی ہمت سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ میں بھی لطف اندوز ہو رہا تھا میں نے سوچا کہ نظام علی صاحب! جو دل چاہے کرتے رہو۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ باقی ساری باتیں بعد کی باتیں ہیں۔ تیجا نظام علی کو ساتھ لیکر اس کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ ویسے اب تک جو کچھ نظام علی نے کیا تھا۔ اس سے مجھے کوئی اختلاف نہیں ہو سکا تھا۔ وہ بذات خود سمجھدار آدمی تھا اور کسی غلط کام میں نہیں پھنس سکتا تھا میں ان دونوں کا تعاقب کرتا ہوا آخر کار اس جگہ تک پہنچا جہاں ایک خوبصورت ماحول مہیا کیا گیا تھا۔ ایک چھوٹا سا سنگی حوض نظر آ رہا تھا

جس کے کنارے ڈھیلا ڈھالا ایک لباس رکھا تھا۔ تیجا نے کہا۔

"یہ لباس تمہارے لیے ہے اس حوض میں غسل کر لو اور اس کے بعد اس کے مزے دیکھو۔"

"کیا مطلب" نظام علی نے سوال کیا۔

"ابھی جو کچھ تمہیں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ مجھ پر پورا بھروسہ کرو۔ اب جب تم یہاں آئے ہو۔ تو ہم دونوں کو ایک دوسرے پر اعتماد کرنا چاہیے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے تیجا مہاراج آپ نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ بڑے اعتماد کی باتیں ہیں۔"

"سنو! طنز مت کرو جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔"

"خیر تمہیں یہ بتانے کے لیے کہ میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں۔ میں غسل کیے لیتا ہوں۔ ویسے اگر اس حوض کی گہرائیوں میں زہریلے سانپ یا مگر مچھ وغیرہ ہیں تب بھی تمہیں افسوس ہو گا کہ تم نے یہ قدم کیوں اٹھایا۔"

نظام علی کو اب مجھ پر کچھ اس طرح اعتماد ہو گیا تھا کہ بڑے سے بڑا خطرہ مول لے رہا تھا حوض میں غسل کرنے کے بعد اس نے وہ لباس پہنا۔ تیجا مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"آؤ میں نے تمہاری خاطر مدارت کا انتظام کیا ہے جس کمرے میں وہ نظام علی کو لے کر پہنچا۔ وہ اپنی مثال آپ تھا۔ یہاں بڑے خوبصورت قالین بچھے ہوئے تھے۔ ایک جگہ گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ تیجا نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ پھل تمہارے لیے ہیں۔ مگر میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہارا دل میری طرف سے صاف ہے یا نہیں۔"

"کمال ہے' میرے دل میں تو مسلسل تمہاری طرف سے تو خطرات ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو۔ وہ میرے لیے نا قابل قبول ہے۔ خاص طور سے ایک مسلمان کی حیثیت سے اور تم یہ بات جانتے ہو تیجا کہ میں ایک عمر رسیدہ آدمی ہوں۔ تمہاری ان رنگ رلیوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ جو شیطانی چکر تم نے یہاں چلا رکھا ہے اس میں کمی کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اس بارے میں تم سے بعد میں باتیں کروں گا۔ جہاں تک بات رہی تیرے عمر رسیدہ ہونے کی تو دیکھ ہر عمر میں انسان انسان ہی ہوتا ہے اور ہر طرح سے انسان ہی رہتا ہے۔ تو چاہے کچھ بھی سوچ لیکن جب تو اپنے آپ پر غور کرے گا۔ تو تجھے احساس ہو گا کہ زندگی ہونے کی چیز نہیں ہے بلکہ اس سے جتنا لطف حاصل کرلیا جائے اسی کو زندگی کہا جائے گا۔ تیجا کے الفاظ پر نظام علی مسکرا دیا۔ پھر اس کے بعد تیجا اپنی ہر چال چلتا رہا۔ اس نے نظام علی کو ہر طرح سے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی۔ مثلاً کہ وہ دو خوبصورت لڑکیاں جو بے حد حسین تھیں اور بڑے رنگ برنگے لباس میں ملبوس نظام علی کے پاس آکر بیٹھ گئیں تھیں۔ ان میں سے ایک نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

"ہمیں تیجا نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ تمہاری خدمت کریں۔"

"تم میری بیٹیوں کی طرح ہو۔ بیٹیاں باپ کی جو خدمت کرسکتی ہیں وہ تم کرو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

نظام علی کے الفاظ پر مجھے زور کی ہنسی آئی تھی لیکن دونوں لڑکیوں کے چہرے ہونق بن کر رہ گئے تھے پھر وہ چلی گئیں کیا کیا جاسکتا تھا۔ رات کا انتظام بھی تیجا نے بہت ہی خوبصورت عیش گاہ میں کیا تھا۔ جو اس عمارت کے تہہ خانے میں نجانے کیسی جگہ بنی ہوئی تھی کہ سر پر کھلا آسمان بھی تھا اور پرشور ہوائیں بھی درخت بھی گھاس بھی اور وہ سب کچھ جو انسان کی ذہنی رو کو بھٹکانے کے لیے کافی ہو۔ رنگین مشعلیں روشن تھیں۔ شمع دان میں شمعیں جل رہی تھیں اور ایک حسین ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ بہت ہی خوبصورت ماحول تھا جس میں تیجا بھی اس کے ساتھ موجود تھا۔ سامنے لذیذ کھانے پھل اور خشک میوے لگے ہوئے تھے اور پھر اچانک ہی درختوں کے عقب سے پریاں باہر نکل آئیں۔ ان کے رنگین آنچل فضا میں لہرا رہے تھے۔ نجانے کس طرف سے مدہم مدہم موسیقی کی دھنیں ابھر رہی تھیں اور ایک حسین ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ میری وجہ سے نظام علی پر ایک برا وقت آپڑا تھا۔ مجھے یہ یاد کرکے ہنسی آرہی تھی کہ وہاں بیگم نظام علی کو یہ اندازہ بھی نہ ہو گا کہ شوہر صاحب کیسی کیسی رنگ رلیوں میں مصروف ہیں۔ بہرحال اس کے بعد ایک حسین رقاصہ جس کے لمبے لمبے سیاہ بال ٹخنوں تک آرہے تھے۔ قریب آئی اور اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس نظام علی کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہماری اس محفل کی جان ہے۔"

غرض یہ کہ یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن نظام علی بڑی خوبصورتی کے ساتھ ہر کردار سرانجام دے رہا تھا۔ جام کو اس نے لڑکی کے ہاتھ سے لیا اور اس کے بعد زمین پر انڈیلتے ہوئے کہا۔

"تمہارا جام میں نے قبول کیا اور میرے مذہب نے مجھ سے جو کچھ کہا وہ یہ ہے۔"

"یہ کسی طور بازنہیں آئے گا۔ کسی طور باز نہیں آئے گا کیا کیا جائے کیا نہ کیا جائے۔"

تیجا کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ پھر اس نے کہا۔

"دیکھ نظام علی! یہ سارا ماحول میں نے تیرے لیے پیدا کیا ہے۔ تجھے یہ بتانے کیلئے کہ میں تیری دوستی کا خواہش مند ہوں اور یہ بھی بتا دوں تجھے کہ تجھے میری دوستی قبول کرنا پڑے گی ارے پاپی تو کیا سمجھتا ہے میں سدا کا برا تو نہیں ہوں۔ سنسار میں کوئی بھی صدا کا برا نہیں ہوتا۔ وقت اسے برا بناتا ہے ت میری مشکل کو کیا جانے میں ایک سیدھا سچا شریف آدمی تھا۔ ہمیشہ کا سیدھا سچا شریف آدمی۔ کیا کہتا۔ کیا کہتا میں تجھ سے سمجھ رہا ہے میرے، پتا اس ریاست کے سب سے بڑے مہندر تھے جس کا راجہ ایک ظالم آدمی تھا ہم کھری ذات کے تھے پر راجے مہاراجے اپنی ذات کے علاوہ کسی کو کھرا نہیں مانتے راجہ بہت مغرور تھا لیکن وہ میرے باپ کے سامنے کبھی سر نہ اٹھاتا تھا البتہ اس کے دل میں ہمیشہ یہی خیال رہتا تھا کہ میرے پتا جی اس کے راج پاٹ کے کاموں میں دخل نہ دیں۔ وہ برہمن تھے مندروں کو سنبھالے ہوئے تھے۔ بہرحال بات آگے بڑھتی رہی میرے پتا جی جانتے تھے کہ راجہ ان کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتا پھر یہ ہوا کہ ایک بار راجہ کی سگی بہن دیوالی کے موقع پر ہاتھی پر بیٹھ کر سیر کو نکلی۔ چاروں طرف دیوالی کا شور ہو رہا تھا۔ سب اپنے اپنے طور پر دیوالی منا رہے تھے۔ راجے کی بہن ہتھنی کی سیر کرتی ہوئی دور نکل گئی۔ لیکن راجہ راجاؤں کے کسی بھی آدمی کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ اس کی طرف رخ کریں۔ ہوایوں کہ جلتی ہوئی آتش بازی کہیں سے ہاتھی کی پیٹھ پر آگری اور ہاتھی تکڑ گیا ہاتھی، بان ہاتھی کو نہ سنبھال سکا اور ہاتھی نے اسے سونڈ میں لپیٹ کر زمین پر دے پٹخا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پھر وہ کماری کو لے کر بھاگتا چلا گیا۔ کماری کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ ہاتھی مستی میں آ کر اتنی دور نکل گیا کہ کسی کو کچھ پتا ہی نہ چل سکا۔ تب میں جو سامنے سے آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ایک درخت پر چڑھ گیا اور یہاں سے میں نے کماری کو ہاتھی کی پشت سے اٹھالیا۔ بدبخت ہاتھی کو خود پتہ نہ چلا اور کماری اپنی جیون بچانے والے کے بازوؤں میں ننھی سی چڑیا کی طرح بولتی رہی میں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ راجہ مجھے اس کا بہت بڑا انعام دے گا لیکن اس کے بعد کیا ہوا جب راجہ کے سپاہی یہاں آئے۔ تو انہوں نے اس بات کو اپنا ایمان بنالیا کہ میں نے یہ حرکت کیوں کی۔ راجہ نے میرے لیے سزائے موت مقرر کی میرے پتا بہت دنوں تک کوشش کرتے رہے کہ راجہ معاف کر دے لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ وہ میرے پتا جی کا دشمن تھا تب میں اپنے قید خانے میں یہ سوچتا رہا کہ مجھے ایک ایسے جرم کی سزا دی جا رہی ہے جو میں نے نہیں کیا۔ پھر اس کے بعد میں نے یہ کیا کہ راجہ کو نقصان پہنچانے کے لیے کوشش شروع کر دی۔ میں نے دیواروں میں سرنگ بنائی اور باہر نکل گیا۔ اس کے بعد میں نے ایک ایسے ہندو سادھو کا ساتھ حاصل کیا جو کالا علم جانتا تھا۔ میں نے اسے استاد بنا کر اس سے یہ علم سیکھنا شروع کر دیا اور اس کے بعد سنسار میری آنکھوں کے سامنے عجیب ہوتا چلا گیا۔ ادھر راجہ کو بھی اس بات کا پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ بہت سے لوگ میرے خلاف کام کرنے پر معمور کر دیئے گئے لیکن اب میرے من میں انتقام کا دیا جل رہا تھا۔ میں نے اپنے علم کے ذریعے راج کماری کو ایک زندہ لاش کی شکل میں محفوظ کر دیا تا کہ کوئی اور اسے نہ چھو سکے اور اس کے بعد میرے اور راجہ کے درمیان مقابلہ شروع ہو گیا۔ بات بہت پرانی ہو گئی راجہ مر گیا لیکن جو کام وہ میرے لیے کر کے گیا تھا۔ اسے ختم کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے سوئی ہوئی راج کماری کو محفوظ کر دیا اور اس کے بعد اس کے چھوڑے ہوئے پتلے میرا تعاقب کرتے رہے۔ مجھے اپنا جیون بچانے کیلئے کسی ایسی محفوظ جگہ کی تلاش تھی۔ جہاں سے میں اپنا گیان حاصل کر سکوں اور وہ محفوظ جگہ کوئی ایسا مزار ہو سکتی تھی جہاں مجھے کسی روحانی بزرگ کا سہارا حاصل ہو جائے لیکن میرا علم گندا تھا اور گندے علم والوں کو ہمیشہ ایسی پاک جگہ سے دور رکھا جاتا ہے چنانچہ میں نے یہ کوشش کی یہ کون مسلمان میرا چھوٹا سا پتلا کسی مزار تک پہنچا دے۔ ایسے مزار پر جو کسی صاحب کرامت بزرگ کا ہو۔ پر آج تک ایسا نہیں ہو

سکا۔ دیکھ نظام علی اتنا سا کام ہے میرا۔ اتنا سا کام ہے جس کے لیے میں نجانے کب سے کوششیں کرتا رہا ہوں اور جب انسان اپنی تمام کوششوں میں ناکام ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس کے ذہن میں ایک آگ جل اٹھتی ہے اور وہ سوچتا ہے کہ دنیا اس سے کوئی تعاون نہیں کر رہی تو اسے دنیا سے تعاون کرنے کی کیا ضرورت ہے اپنا کام کرو' جیسے بھی ہو جس طرح بھی ممکن ہو۔ میں نے مختلف طریقوں سے کوششیں کیں' لیکن کامیاب نہیں ہو سکا اور اب کرم شاہ کو میں نے اپنے جال میں پھانسا ہے۔ اصل میں کرم شاہ بذات خود ایک برا آدمی ہے۔ اس کی خواہشوں کی تکمیل سے غرض ہے اور کسی بات سے نہیں چنانچہ ایسی جگہ تو میرے لیے فائدے کی جگہ ہے۔ ان میں سے کسی نہ کسی کو میں آخر کار کسی کام کے لیے تیار کر ہی لوں گا اور اس بار اب میں ٹھوس قدم اٹھانا چاہتا ہوں۔'' نظام علی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر مجھ سے کچھ مشورہ کیے بغیر اس نے کہا۔

''تیرا مطلب ہے تجا۔ تیرا مطلب ہے کہ تو اپنے وجود کو کسی مسلمان کے ذریعے کسی ایسے پاک مزار پر پہنچا دینا چاہتا ہے۔ جہاں تجھے تحفظ مل سکے اور پھر وہاں سے تو اپنے طور پر کام کر کے اس لڑکی کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''ہاں بالکل ٹھیک سمجھا تو۔ ایسا ہی کرنا چاہتا ہوں میں۔''

نظام علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔

''میں بھی تو مسلمان ہوں تجا۔''

تجا ایک لمحے تک تو کچھ نہ سمجھا۔ میں خود نظام علی کے ان الفاظ پر دنگ رہ گیا تھا۔ پھر اچانک ہی تجا کے چہرے پر حیرت کے نقوش نمودار ہو گئے اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے نظام علی کو دیکھا اور بولا۔

''کیا کہنا چاہتا ہے تو۔''

تجا! میں بھی تو مسلمان ہوں۔''

''ہاں ہے' پھر....''

''یہ کام میں بھی تو کر سکتا ہوں۔''

تجا پر پھر حیرت کا دورا پڑا تھا۔ وہ دیر تک کچھ نہ بول سکا اور پھر بہت دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"جو کچھ کہنا چاہتا ہے صاف صاف کہہ دے۔"

"دیکھ! بات اصل میں یہ ہے کہ میں کرم شاہ کے مظالم سے تنگ آیا ہوا انسان ہوں۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ میری کوئی بیٹی نہیں ہے اور میں ان غمناک داستانوں میں شمار نہیں ہوا جس میں بستی کے بے شمار لوگ شامل ہیں لیکن بہرحال قرب و جوار کی بستیاں یا ان بستیوں میں بسنے والوں کی بہو' بیٹیاں' سبھی کی بہو بیٹیاں ہوتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کرم شاہ کے یہ شیطانی اقدامات ختم ہو جائیں۔ وہ انسان بن جائے یا پھر اس کا خاتمہ ہو جائے۔ تیجا تو نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے یہ لمبا جال پھیلایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں تیرا یہ کام کر دوں تو اس کے بدلے میں تو کرم شاہ کی ان اقدامات سے روک دے تو پھر یہ سمجھ لے کہ ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔"

تیجا کے انداز میں ایک شدید ہیجان برپا ہو گیا تھا اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے نظام علی کو دیکھتے ہوئے کہا کہ

"تو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ کہہ رہا ہے۔"

"تیجا ہر بات کا ایک مقصد ہوتا ہے دیکھ بات اصل میں یہ ہے کہ میں بھی مسلمان ہوں۔ بوڑھا آدمی ہوں۔ یہ نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں جنہیں تو ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہا ہے میرے لیے بے مقصد ہیں۔ میں نے اپنا مقصد تجھے بتا دیا۔ میرے دل میں انسانیت کے لیے اچھے جذبے ہیں اور اگر انسانیت اور اچھے جذبوں کے حصول کے لیے مجھے یہ کام کرنا پڑا رہا ہے جو تو چاہتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ تیجا خوشی سے اچھل پڑا تھا اس نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے نظام علی تو پہلے میں تیرا کام کیے دیتا ہوں تا کہ تجھے مجھ پر اعتماد ہو جائے کیا سمجھا تیرا کام کیے دیتا ہوں۔ میں ارے باؤلے یہ تو میری پوری زندگی کا سوال ہے۔ یہ چیز تو میرے گیان کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ میں ایسا کروں گا۔ بول وچن دیتا ہے مجھے۔ اس کے بعد تو وچن دیتا ہے مجھے کہ تو میرا یہ کام کر دے گا۔"

"تیجا تو دیکھ تو سہی میں کتنے کام کی چیز ہوں۔ بہت کچھ کر دوں گا میں تیرے لیے اور جہاں تک تو میری کسی نادیدہ قوت کے بارے میں تو حیران ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بارے میں بھی تجھے میں بہت جلد بتا دوں گا۔"

"تو پھر اس سنسار میں میرا تجھ سے بڑا دوست اور کوئی نہیں ہے اب میں وہ کچھ کروں گا اس کے بارے میں میں تجھے پہلے سے بتائے دیتا ہوں۔ کرم شاہ اتنا بڑا آدمی نہیں ہے میں نے اسے اپنے جال میں جکڑ رکھا ہے۔ وہ میری وجہ سے ان ساری برائیوں میں ملوث ہوا ہے اور تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ بذات خود وہ کچھ بھی نہیں ہے اصل میں اس کا جو خاص آدمی ہے اس کا نام سکندرا ہے اور سکندرا ہی ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ کرم شاہ کے ہاتھوں سکندرا کو سزا دلوا دیتا ہوں اور اس کے بعد ان میں آپس میں مذہبی پھوٹ ڈلوا دیتا ہوں۔ جو برے ہیں وہ اچھوں کے ہاتھوں ختم ہو جائیں گے۔ دیکھ تماشا کیا کرتا ہوں میں نظام علی! مگر ایک بات سن لے بڑی مشکل سے میں نے یہ کچھ بنایا ہے۔ بڑی امیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ۔ اسے تباہ کر دوں گا خود اپنے ہاتھوں سے ختم کر دوں گا یہ سب کچھ پر اس کے بعد اگر تو نے مجھ سے بے وفائی کی یا میرا کام نہ کیا تو نظام علی! ہزاروں لاشوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اتنے لوگوں کو تباہ برباد کروں گا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس کی ذمہ داری مکمل طور سے تجھ پر ہو گی۔"

"تو فکر مت کر تیجا جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کر کے دکھا۔"

"ٹھیک ہے اب ایسا کر کہ تو میرے ساتھ چل میں تیرے لیے ایک الگ ٹھکانا بنائے دیتا ہوں۔ یہاں تو ہو گی قتل و غارت گری اور تو دیکھنا کیسے ہنگامے ہوتے ہیں۔ پہلے میں یہ کام کروں۔ اس کے بعد پھر تیرے لیے کام کروں گا۔ میرا مطلب ہے کہ تجھے بتاؤں گا کہ ہمیں آگے کیا کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے"

نظام علی نے کہا پھر وہ تیجا کے ساتھ باہر نکل آیا۔ بڑی زبردست شخصیت تھی نظام علی کی اور یہاں سے یہ احساس ہوتا تھا کہ کسی بھی شخص کو اپنی اعلیٰ کارکردگی پر ناز نہیں کرنا چاہئے کبھی کبھی ایسے معمولی سے لوگ بھی ایسے عظیم الشان کارنامے سرانجام دے جاتے ہیں۔ جن کی کوئی مثال ملنا ممکن نہ ہو۔ تیجا پوری طرح نظام علی کے جال میں پھنس گیا تھا اور یہ انوکھی بات تھی۔ دونوں کا کوئی جوڑ ہی نہیں تھا۔ نظام علی ایک معمولی سا آدمی اور تیجا ایک بری روح۔"

"کیا میں نے ٹھیک کہا۔ نظام علی نے پوچھا لیکن میں خاموش رہا۔ میں نے یہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ظاہر کیا کہ میں اب نظام علی کے پاس موجود نہیں ہوں۔"

ارے بھائی تم کہاں چلے گئے مجھے اکیلا چھوڑ کر۔ ارے بتا تو دو کہ کیا میں نے ٹھیک کیا ہے۔ لیکن میں خاموش رہا میں اسے اعتماد سے کام کرنے دینا چاہتا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ کبھی کبھی انسانی عقل ساتھ نہیں دیتی۔ جو کچھ ہوا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ تیجا نے کوئی گہری چال چلی تھی کیونکہ اس کے بعد کافی ہنگامہ آرائی ہوئی۔ سکندرا کو لوگوں نے ہلاک کر دیا۔ کرم شاہ نے بستی کے لوگوں سے معافی مانگی اور جنہیں اس کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا انہیں بھاری معاوضے ادا کیے اس کے بعد تیجا نے نظام علی سے اپنے کام کا مطالبہ شروع کر دیا۔ میں خاموش تماشائی بنا ہوا تھا۔ نظام علی اور تیجا چل پڑے۔ میں بڑی سنسنی کا شکار تھا۔ خاص طور سے اس وقت تو میری حالت خراب ہونے لگی جب نظام علی ایک مزار پر پہنچ گیا۔ ایک دور دراز پہاڑی علاقے میں یہ مزار تھا۔ کافی بلندی پر تھا اور اس کے ری طرف کالی دلدل پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں پہنچ کر تیجا لرزتی آواز میں بولا۔

"اب میں ایک پتلے کا روپ دھارتا ہوں۔ تو مجھے اپنے لباس میں چھپا کر مزار پر لے جا۔ اور مزار کے کسی طاق میں رکھ دے بس اتنا سا کام ہے میرا۔

"ٹھیک ہے' نظام علی نے جواب دیا' اور پھر تیجا سکڑنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد وہ صرف چار انچ کا رہ گیا۔ اور نظام علی نے پھر اپنے لباس میں چھپا لیا۔ جب نظام علی مزار شریف کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو میرا دل لرز رہا تھا۔ نظام علی کہیں سچ مچ تو اسے مزار پر نہیں لے جا رہا تھا۔ لیکن پھر قریب پہنچ کر نظام علی رکا اس نے تیجا کو اپنے لباس سے نکالا پوری قوت سے مٹھی میں دبا لیا تیجا کی بجھی بجھی آواز بھری۔

"آہستہ آہستہ' تو نے مجھے بہت زور سے پکڑا ہے۔"

"اس مزار کے بارے میں جانتے ہو تیجا۔

ایک ایسے بزرگ کا مزار ہے جہاں یہ جادو راکھ ہو جاتا ہے۔ اس کالی دلدل میں لاکھوں جادوگر غرق ہو چکے ہیں تم کسی مسلمان سے یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہارے ناپاک وجود کو ایک پاک مزار پر لے جائے گا۔ جاؤ۔ اپنی اصل منزل کو جاؤ۔ یہ کہہ کر نظام علی نے پتلا دلدل میں اچھال دیا۔ تیجا دلدل میں گرا۔ اس نے بار بار ابھرنے کی کوشش کی اور پھر دلدل میں غرق ہو گیا۔ میرا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ نظام علی اس کام سے فارغ ہوا

تو ایک دم چونک پڑا۔

"تم کون ہو۔"

"کیا مطلب کیا تم مجھے دیکھ سکتے ہو۔"

"تم فرید ہو۔ میں نے تمہیں تمہاری آواز سے پہچانا ہے۔"

"میں اپنی اصل حالت میں واپس آ گیا تھا۔ پھر وہاں سے ہم واپس پلٹے۔ میں کچھ دن نظام علی کا مہمان رہا۔ یہاں سے چلا تو راستے میں وہ لڑکی ملی جس کا کوئی نام نہیں تھا۔ لیکن جسے میرا فرض بنا دیا گیا تھا اس حسین فرض کو کون بدبخت پورا نہ کرتا میں نے اس کا نام فرزانہ رکھا۔ شہر پہنچا تو نوید اور ثمینہ نے ماں باپ کے مل جانے کی خبر سنائی۔ ایک بار پھر ہماری دنیا آباد ہو گئی۔ لیکن جس سخت امتحان سے گزرنا پڑا تھا اللہ سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

ختم شد

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk